ھیے یو،، ایلوویرا،، کیا سٹوپڈ سا نام تھا،لسن ٹومی،
میرھادی نے دانت پیس کر اسے روکا۔

میرا نام ایلویرا نھیں لویزا اقبال ھے، اس نے بھی
سنجیدگی سے بنا ڈرے کھا..

Imagitor

عطش عشق

واجبہ فاطمہ

"چھوڑو دو مجھے،،مجھے بابا کے پاس جانا ہے،،معاف کر دو مجھے،، خدا کے لئے میر ہادی چھوڑ دو مجھے،،فرعون مت بنو،، اس کی آہیں اور سسکیاں کئ گھنٹوں سے اس تین منزلہ ویران عمارت کی تیسری منزل پر گونج رہیں تھیں۔۔مگر یہاں اس کی پکار سننے والا کوئی نہیں تھا۔ بس رانا میر ہادی کے دیو ہیکل آدمی تھے جو دروازے کے باہر چوکس سے کھڑے تھے۔۔

اس سے نیچے والے پورشن میں رانا میر ہادی اپنے شاہانہ بیڈ روم میں بلیک شلوار قمیض پہنے مردانہ شال کندھوں پر ڈالے صوفے پر کروفر سے بیٹھا لال انگارا آنکھوں اور تنی رگوں سے گھونٹ گھونٹ اپنے اندر حرام مشروب انڈیل رہا تھا اور اوپر سے آنے والی آہوں،، سسکیوں کی آوازیں سن کر سکون حاصل کرنے کی ناکام سی کوشش کر رہا تھا۔ دل و دماغ کی ضمیر کے ساتھ ایک جنگ چھڑی ہوئی تھی۔ اب دیکھنا یہ تھا کہ گھمنڈ اور سو کالڈ انا کی جیت ہونی تھی یا تھپک تھپک کر سلانے کی کوشش کرتے ضمیر کی۔ وہ جتنے سکون سے بیٹھا تھا،،اتنا ہی اس کے اندر غم وغصے اور اشتعال کا

طوفان اٹھ رہے تھے۔۔ جو کرنے جا رہا تھا اس کے لئے اس حرام مشروب کا سہارا لینا بہت ضروری تھا۔

تتلیوں کے موسم میں نوچنا گلابوں کا
دیکھ کر پرندوں کو باندھنا نشانوں کا
رِیت اس نگر کی ہے اور جانے کب سے ہے
شہر کے یہ باشندے، نفرتوں کو بو کر بھی،،
انتظار کرتے ہیں،،،،،،،،،، فصل ہو محبت کی،،
بھول کر حقیقت کو ڈھونڈنا سرابوں کا
رِیت اس نگر کی ہے اور جانے کب سے ہے

آخر وہ مغرور ،گھمنڈی انا پرست شخص دھیمے مگر مغرور قدموں سے اٹھتا اوپر کی جانب چل دیا۔۔ سیڑھیاں چڑھ کر وہ اس کمرے کی جانب بڑھا، کسی کو برباد کرنے،، ایک بے بس لاچار، اور کمزور سے وجود کو روندنے کے لئے،، ایک معصوم کلی کو مسلنے چلا تھا۔

دروازے کی ناب پر ہاتھ رکھا۔ روح کو کچوکا لگا ۔مگر انا اور غرور نے سینے سے سر پٹخا تو وہ سب بھلائے تنی رگیں لیے اندر داخل ہو گیا۔۔

سامنے ہی وہ بیڈ پر گھٹنوں میں سر دیئے اسی طرح آہ و زاری کرنے میں مصروف تھی۔آہٹ پر جھٹکے سے سر اٹھا کر اپنے سامنے تنے کھڑے اس فرعون شخص کو نفرت و بے بسی کی ملی جلی کیفیت سے دیکھا۔

"تم جانتی ہو کہ تم یہاں کیوں لائی گئی ہو لویزا اقبال،، تم کچھ بھی کرتیں،، مگر پوری یونی کے سامنے تمہیں رانا میر ہادی کو تھپڑ مار کر زلیل نہیں کرنا چاہیے تھا،، اور اب آج کی رات یہی زلالت میں تمھارے مقدر میں لکھ دوں گا تاحیات کے لئے،، وہ ایک ایک لفظ چباتا اتنا نشہ کرنے کے باوجود اپنے پاؤں پر کھڑا سامنے بیٹھے کمزور اور نازک وجود کو خونخوار نگاہوں سے گھور رہا تھا۔

اس کے تیکھے اور کڑوے لہجے اور بڑھتے قدموں نے لویزا کی جان لبوں پر لائی تھی۔۔

میر ہادی نہیں،، تم ایسا کچھ بھی نہیں کر سکتے میرے ساتھ،، وہ چلائی۔ مگر میر ہادی نے ہاتھ بڑھا کر اس کا دوپٹہ نوچ کر دور اچھال کر اسے اس بات کا ثبوت دیا تھا کہ آج وہ کچھ بھی کر سکتا ہے۔"میں تمھیں برباد کر دوں گا لویزا اقبال،، اور اپنی اس بربادی کی زمہ دار تم خود ہوگی،، سمجھیں،، وہ غرایا تھا

وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر جھٹکے سے میر ہادی کے قدموں میں گری تھی--

اور اس سے تمھیں کیا ملے گا میر ہادی،، صرف وقتی انا کی تسکین، یا اس وقت جو شیطان تم پر سوار ہے اس کی تسکین؟ اس کے بعد کیا؟ ساری زندگی خود سے نگاہیں ملا پاؤ گے؟ کفارہ ادا کر پاؤ گے ؟ اس رات میں کیے گئے گناہ کا کفارہ کبھی نہیں ادا کر پاؤ گے میر ہادی،، مجھے معاف کر دو ،،جانے دو مجھے،، میں وعدہ کرتی ہوں پوری یونی کے سامنے تم سے معافی مانگو گی،، کبھی تمھارے سامنے نہیں آؤں گی، وعدہ کرتی ہوں، جانے دو مجھے،،

لویزا کے گرم آنسو میر ہادی کے شفاف ٹھنڈے پاؤں پر گرے تھے۔ میر ہادی نے بے دردی سے اپنے لب کچلے۔

(ہاں،، اگر اس رات کو وہ ایک بے بس لاچار کی روح پر ظلم کی داستاں لکھے گا، کسی کی معصومیت روندے گا، کسی کی پاکیزگی کو داغدار کرے گا تو کہاں سے کرے گا کفارہ ادا۔ ساری زندگی ضمیر روح کو کچوکے لگائے گا۔ تا عمر کے لئے ایک گناہ کا بوجھ اپنے کندھے پر لادے گا)

نہیں وہ ایسا نہیں کرے گا تبھی جھٹکے سے بازوؤں سے تھام کر اسے اپنے قدموں میں سے اٹھا کر اپنے روبرو کھڑا کیا تھا۔

لویزا اقبال اس سے پہلے میں تمھیں برباد کر دوں،، دفعہ ہو جاؤ میری آنکھوں کے سامنے سے،،

وہ دانت پیس کر بولتا اس کے سر پر اپنے کندھے سے اتار کر اپنی مردانہ شال اوڑھا چکا تھا۔ وہ بے یقینی کے عالم میں اس سے دور ہوتی کھلی کھڑکی کے پاس جا لگی--

افضل،، وہ دھاڑا،، میڈم کو ان کے گھر چھوڑ کر آؤ،، ابھی اور اسی وقت باعزت،، احترام کے ساتھ،، وہ بول کر اس کی جانب سے رخ پھیر گیا۔۔اور ہاتھ کمر پر باندھ لیا۔۔لویزا ہنوز سسک رہی تھی۔۔

کیا چاہتی ہو میرا ارادہ بدل جائے،، وہ پھر دھاڑا مگر لویزا تو جیسے بے یقینی کے عالم میں پتھر کی ہو چکی تھی تبھی میر ہادی کا ایک آدمی بے تحاشہ گھبراہٹ کے عالم میں اس کمرے کے دروازے تک آیا تھا۔۔

چھوٹے سائیں،، بہت بری خبر ہے،، میڈم کے بابا نے بدنامی کے ڈر سے خود کشی کر لی ہے،، وہ اب اس دنیا میں نہیں رہے،،

میر ہادی کے سر پر سات آسمان گرے تھے جیسے ۔۔کان سائیں سائیں کرنے لگے تھے۔۔

لویزا پھٹی پھٹی نگاہوں سے اس شخص کی پیٹھ کو دیکھ رہی تھی جس نے اسے برباد کرنے سے تو نجات دے دی تھی ۔ بچا لیا تھا اپنی درندگی اور وحشی پن سے ۔مگر اس سے اس کی جینے کی وجہ ضرور چھین لی تھی۔۔ تو اب وہ زندہ رہ کر کرے گی بھی تو کیا۔ کیا

کوئی اعتبار کرے گا کہ وہ آدھا دن اور رات کے گیارہ بجے لوٹی اغوا شدہ لڑکی باعزت واپس لوٹی ہے،

میر ہادی وہیں جیسے پتھر کا بت بن چکا تھا۔
لویزا ایک قدم پیچھے ہٹی تھی ۔آنکھیں بند کیں اور کھڑکی میں اس کا نازک کمزور وجود غائب ہو گیا۔
دھماکے کی آواز پر میر ہادی نے پیچھے مڑ کر دیکھا تھا۔۔ وہ پاگل بنا کھڑکی تک آیا تھا جہاں صرف اس کی شال تھی۔۔کھڑکی کے نیچے فرسٹ فلور پر کھڑی اس کی سفید گاڑی پر پڑا وہ نازک وجود اپنے ارزاں خون میں لت پت اس کی قیمتی گاڑی کو بھی خون آلود کر چکا تھا۔۔ ڈور اور ونڈوز کے شیشے چھناکے سے ٹوٹ کر ارد گرد بکھرے پڑے تھے۔۔

لویزا اقبال اب خاموش تھی۔ بہت خاموش،، اپنے تھپڑ کی قیمت اپنی جان دے کے چکا چکی تھی شاید۔
میر ہادی دیوانوں کی طرح دو دو تین تین سیڑھیاں پھلانگ کر نیچے آیا تھا۔

لویزا،، وہ دھاڑا،، اور دیوانہ وار خون میں لت پت لویزا کو نرمی سے گاڑی سے نیچے اتارا تھا۔ پیچھے سے سر بلکل جیسے پچک کیا گیا تھا۔

افضل گاڑی نکالو،،، وہ حلق کے بل چلایا۔

چھوٹے سائیں،، لگتا ہے میڈم نہیں،،

شٹ اپ یو،،، ایسا نہیں ہو سکتا،، کبھی نہیں ،،میں ایسا ہونے نہیں دون گا،، نہیں جانے دوں گا اسے، یہ مجھے ایک قاتل بنا کر کہیں نہیں جاسکتی سمجھے،، گاڑی نکالو،، وہ چیخ رہا تھا چلا رہا تھا، ہذیانی ہو رہا تھا ۔ افضل نے گاڑی نکالی۔ میر ہادی نے اسے بازوؤں میں بھر کر اپنی گاڑی میں لٹایا۔

گاڑی ہوا کی سی رفتار سے اس عمارت سے نکلی تھی۔۔

یہ داستان تھی رانا میر ہادی کے گھمنڈ اور انا کی ہار کی،،

عشق و محبت کی ایک لازوال داستان،

لویزا اقبال کی نفرت کی،

ایک عشق کے ایسے سفر کی جس میں میر ہادی نے اپنی روح تک میں خار خار چبھتا محسوس کیا تھا۔

لویزا جیسی کمزور لڑکی کو چٹان کی طرح مضبوط بنایا تھا۔

اور شاید پتھر دل بھی۔

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

کچھ عرصے پہلے،،

صبح کی کرنیں کھڑکی سے چھن کر آتی اندر موجود اس وجود کو صبح کا سلام پیش کرنے کی کوشش کر رہی تھیں۔۔ وہ بھی جھٹکے سے ایک جان لیوا انگڑائی لے کر اٹھ بیٹھی۔۔

اففف،،، بابا نے تو آج پھپھو کی طرف جانا تھا،، وہ سر پر ہاتھ مارتی دوپٹہ اپنے گرد لپیٹتی پاؤں میں چپل اڑستی اپنے کمرے سے باہر آئی تھی۔۔

بابا جانی،،، اس نے آواز دی۔ مگر کچن سے آتی کھٹر پٹر کی آواز سے چونکی، کچن میں آئی تو ایک سرد سی سانس بھری۔

بابا جانی،، آج آپ پھر مسز اقبال بننے کی کوشش کر رہے ہیں، وہ منہ بنا کر بولی تو اقبال صاحب مسکراتے پیچھے مڑے، ایپرن باندھے نفاست سے چیز آملیٹ پلٹ رہے تھے۔

"اٹھ گئی میری پرنسز،،

"میں تو اٹھ گئی مگر بریک فاسٹ آپ نے کیوں بنایا،، وہ لڑاکا انداز میں کمر پر ہاتھ رکھ کر بولی۔ تو وہ کھل کر مسکرائے۔

تاکہ بابا کے ہاتھ کا بنا ناشتہ کر کے میری پرنسز کا یونی میں فرسٹ ڈے بہت ہی اچھا گزرے،،

اور آپ نے خود،، ابھی پھپھو کی طرف بھی جانا ہے،، اور جاب پر بھی جانا ہے،، وہ آئبرو اچکا کر بولی۔

تو کیا ہوا تمھیں یونی چھوڑ کر چلا جاوں گا،، انھوںنے آسان حل نکالا۔

بابا اپ کیوں کرتے ہیں ایسے،، وہ جھنجھلائی۔

"میری پرنسز بھی تو بابا کا اتنا خیال رکھتی ہے،، لہجہ شفقت میں ڈوبا فخریہ سا تھا۔ اب جلدی کرو لیٹ ہو جاو گی،، ہری اپ،

انھوںنے کہا تو وہ مسکراتی اپنے روم کی جانب آئی۔

یہ تھی لویزا کی چھوٹی سی دنیا، وہ اور اس کے بابا، اس کی امی کی ڈیتھ تو اچانک ہوئے ہارٹ اٹیک سے تبھی ہو گئی تھی جب وہ سیونتھ میں تھی۔ پھر اس کے بابا اپنی بہن کی پرزور مطالبہ پر فیصل آباد سے لاہور ہی شفٹ ہو گئے تھے۔ اور اب وہ بی ایس سی کے تھرڈ ائیر میں کالج سے یونی شفٹ ہوئی تھی۔

اقبال ایک ملٹی نیشنل کمپنی میں جاب کرتے تھے۔۔

چھوٹا دو تین کمروں کا گھر جس میں وہ رہتی تھی۔ اور یہی اس کی جنت تھی۔۔

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

ڈیرہ اسماعیل خان کے ایک گوٹھ میں بڑی حویلی کی مردان خانے میں پنچائیت لگی ہوئی تھی جس میں رانا میر ہادی کروفر سے ٹانگ پر ٹانگ جمائے انتہائی غیر دلچسپی سے بیٹھا اپنے آئی فون میں فیس بک سکرولنگ کرنے میں مصروف تھا۔

رانا میر دراب اور رانا میر ہاشم وقتا فوقتا اس پر ایک نگاہ ڈال لیتے۔ آخر رانا میر ہاشم نے گلا کھنکار کر اس کو متوجہ کرنے کی کوشش کی۔۔ جس میں آخر وہ کامیاب ہو ہی گئے۔ میر ہادی نے اچٹتی سی نگاہ اپنے دادا میر ہاشم اور بابا میر دراب پر ڈالی اور لوگوں کی جانب یوں متوجہ ہوا جیسے کہ ان پر احسان عظیم کیا ہو۔

بیشک رانا ہاشم پاکستان کہ وزیر داخلہ تھے اور میر دراب وزیر پنجاب مگر اپنے گاؤں کے فیصلے ابھی تک وہ پنچایت کے زریعے خود ہی لیا کرتے تھے۔ اب بھی ایک حساس معاملہ زیر بحث تھا۔

دو خاندانوں میں زمینوں کی تنازع کی وجہ سے جھگڑا ہوا تھا جس میں ایک خاندان کا جواں سالہ لڑکا قتل کر دیا گیا تھا۔ اب خون بہا کا معاملہ زیر بحث تھا۔

کیونکہ یہ تمام معاملات آگے جا کر رانا میر ہادی نے سنبھالنے ہیں اور یہ گاؤں اسی کی سرپرستی اور زیر نگرانی میں آنے والا ہے تو آج اس معاملے کا فیصلہ رانا میر ہادی کرے گا،، میر ہاشم کے لہجے میں غرور اور فخر تھا۔۔

سب نے سوالیہ نگاہوں سے میر ہادی کی جانب دیکھا۔

رانا میر ہادی نے گلا کھنکھارا،، اور اپنی سن گلاسز اتار کر ٹانگ پر ٹانگ رکھی۔

"میرا فیصلہ یہ ہے، سرداروں کی بیٹی کو خون بہا میں ملکوں کے بیٹے کے ساتھ ونی کر دیا جائے،،

رانا میر ہادی نے جلد یہاں سے اپنی جان چھڑانے کو بے حسی کا اعلیٰ ترین مظاہرہ کرتے بغیر سوچے سمجھے اپنا لہجہ لاپرواہ سا کیا۔

سرداروں کے سر پر آسمان ٹوٹا تھا کیونکہ ان کی بچی ابھی محض چودہ سال کی تھی جبکہ ملکوں کا سب سے چھوٹا بیٹا بھی دو بچوں کا باپ تھا۔

سردار اپنی جگہ سے ہل چکے تھے ۔ "ہمیں رانا میر ہادی کا یہ بچکانہ فیصلہ منظور نہیں ،، کیونکہ ہماری بچی ابھی محض چودہ سال کی ہے اور ملکوں کا کوئی بیٹا کنوارا نہیں،،

سرداروں کی بات پر رانا میر ہاشم کا غیض وغضب دیکھنے لائک تھا۔

"تو پھر ٹھیک ہے،، سردار کمال،، میر ہادی کا یہ فیصلہ منظور نہیں تو اپنے بیٹے کو پھانسی کے پھندے پر لٹکتا دیکھنے کو تیار ہو جاؤ ،،،

رانا میر ہاشم کی آواز میں جاہ وجلال تھا۔ اور وہ پوتے کی ہتک پر غصے سے لال بھبھوکا چہرہ لیے کھڑے ہوئے تو تمام پنچائیت کو کھڑا ہونا پڑا۔ مگر ایک وہ بگڑا رئیس زادہ تھا جس کے اطمینان میں رتی برابر بھی فرق نہیں پڑا تھا۔

"معاف کیجئے رانا میر ہاشم،، ہمیں یہ فیصلہ منظور ہے،، سردار کمال کا لہجہ ٹوٹا ہوا اور شکست خوردہ اور کندھے جھکے ہوئے تھے۔۔

رانا میر ہادی نے استہزایہ سی مسکراہٹ لیے وہاں سب پر ایک نگاہ ڈالی اور آنکھوں پر سن گلاسز لگاتے وہاں سے نکلتا چلا گیا۔

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

"میر ہادی یہ فیصلہ سناتے تمھارے دل میں زرا سا بھی رحم نا آیا کہ کل کو تمھاری بیٹی کے ساتھ کوئی ایسا کرے تو تم پر کیا گزرے گی،، اماں سائیں کو جب سے اس پنچائیت میں کیے گئے اپنے پوتے کے فیصلے کا پتہ چلا تھا وہ انگاروں پر لوٹ رہیں تھیں۔ اور اب لاونج پر ٹانگ پر ٹانگ رکھے لاپرواہی سے موبائل میں مصروف سے بیٹھے میر ہادی سے باز پرس کرنے کی کوشش کر رہیں تھیں جوکہ لا یعنی ہی لگ رہا تھا کہ اس بے حس پر کسی چیز کا اثر ہو ایسے مواقع حویلی والوں کو دیکھنے کو شاذ ونادر ہی ملے تھے۔

ایسی بے تکی بات مت کریں اماں سائیں،، دنیا میں ابھی ایسا کوئی پیدا نہیں ہوا جو رانا میر ہادی یا اس سے جڑے کسی فرد کو تکلیف پہنچا سکے،، وہ لاپرواہی سے بولا۔

خدا سے ڈر میر ہادی،، اس وقت سے ڈر جب کسی معصوم کی بددعا تمھیں لگ جائے اور تیرا دل بھی کسی کی مٹھی میں آ جائے،، اماں سائیں اکثر اس کی باتوں اس کی بے حسی پر دہل جایا کرتیں تھیں۔

وہ وقت کبھی نہیں آئے گا اماں سائیں اور رانا میر ہادی اس دل کو سینے سے نکال باہر کرے گا جو کسی کی مٹھی میں آ گیا،، شہر کے لئے لیٹ ہو رہا ہوں،، یونیورسٹی بھی نہیں گیا اتنے دنوں سے،، امی سائیں سے کہیں میرا سامان پیک کروا دیں میں زمینوں کا چکر لگا آؤں،، وہ کہتا اماں سائیں کی باتوں سے بور ہو کر اٹھتا حویلی سے باہر نکلتا چلا گیا تھا۔

کہاں گیا اماں سائیں،، ممتاز بیگم میر ہادی کو ڈھونڈتی طویل وعریض لاؤنج میں داخل ہوئیں تو

"اے ممتاز بیگم،، کیا پتھر کھا کر پیدا کیا تھا اس بے حس کو،،جو کسی چیز کا اثر نہیں ہوتا اس پر،، اماں سائیں جل کر بولیں تو ممتاز بیگم مسکرا دیں۔

وہ تو اماں سائیں آپ بتائیں،، کیونکہ یہ بلکل اپنے بابا پر گیا ہے،، ممتاز بیگم مسکرا کر بولیں تو اماں سائیں لاجواب سی ہو گئیں۔

"یہ تو ہے،، آخر اماں سائیں بھی مسکرا دیں۔ زمینوں پر گئے ہیں چھوٹے سائیں جی،، اماں جی کو پھر کچھ یاد آیا "بول کر گیا ہے کہ پیکنگ کروا دو شہر جانا ہے اس نے،، اماں سائیں نے کہا تو ممتاز بیگم اداس ہو گئیں۔ اور سر ہلاتی بختاور کے کمرے کہ جانب گئیں--

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

وہ یونی کے گیٹ کے سامنے بائیک سے اتری تو کنفیوز سی تھی۔
حالانکہ اپنے بابا کے ساتھ کل آ کر اپنا ڈیپارٹمنٹ دیکھ چکی تھی اور تمام ضروری انفارمیشن لے چکی تھی۔

کیا ہوا میری گڑیا کنفیوز سی لگ رہی ہے؟ کیا بابا کلاس میں چھوڑ کر آئے،؟ اقبال صاحب نے پوچھا تو اس نے مسکین سی شکل بنا کر بابا کی طرح دیکھا جس کا مطلب تھا ہاں مگر،

"میں لویزا اقبال سے اتنی بزدلی کی توقع ہر گز نہیں کر سکتا، میں نے لویزا کو اتنا مضبوط بنایا ہے کہ اب اگر میری گڑیا نے مجھے خوفزدہ ہو کر مایوس کیا تو مجھے بہت دکھ ہوگا،، اقبال صاحب نے کہا تو وہ شرمندہ سی ہو گئی۔

اور اب اس کا کانفیڈینس لیول بہت ہائی ہو چکا تھا۔ سو مسکرا کر بابا کو وش کیا اور ہاتھ ہلاتی یونی کا گیٹ پار کر گئی۔

اندر آ کر سب سے پہلے اسے اپنی پاگل بیسٹی اجالا ندیم کو ڈھونڈنا تھا جو اس سے پہلے یہاں آ چکی تھی۔

اس نے کال ملائی لیکن رسیو نہیں کی گئی۔ وہ آگے بڑھی۔ کافی بھیڑ بھاڑ تھی۔ سٹوڈنٹس گروپس کی صورت گراؤنڈ میں کھڑے خوش گپیوں میں مصروف تھے۔

وہ تیز تیز قدم اٹھاتی اپنے ڈیپارٹمنٹ کی جانب بڑھ رہی تھی۔ جب ایک چٹان (یا یوں کہنا چاہیے اپنی بدقسمتی) سے ٹکرائی۔۔

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

بلیک شاندار بی ایم ڈبلیو کے پہیے چرچرائے اور گاڑی یونی کی پارکنگ میں رکی تھی۔ میر ہادی کے خاص آدمی افضل نے تیزی سے گاڑی سے اتر کر میر ہادی کے لئے گاڑی کا دروازہ کھولا تھا۔

رانا میر ہادی بڑے کروفر اور خراب موڈ کے ساتھ گاڑی سے اترا تھا۔۔

جانے کیوں جب سے وہ پنچائیت والا فیصلہ لیا تھا عجیب سی بے چینی سی تھی۔ مگر ہمیشہ کی طرح بے حسی سے کام چلاتے ہوئے کان لپیٹ لیے کہ وہ دل و ضمیر کی زرا کم ہی سنتا تھا۔

ڈارک چاکلیٹ ٹوپیس میں مردانہ وجاہت کا شہکار اونچا لمبا سرو قد،، سیاہ زہانت سے بھرپور مغرور آنکھیں سن گلاسز کے پیچھے چھپی ہوئیں تھیں، ماتھے پر تیوریاں لیے وہ آگے بڑھا۔

ایگریکلچر میں ماسٹرز کر رہا تھا اور اب فائنل ائیر میں تھا۔

اس کی نگاہیں اپنے بہترین اور بچپن کے دوست عالیان مرزا کو ڈھونڈتی چاروں طرف اٹھیں تھیں۔ وہ کہیں نہیں دکھا تو ابھی فون پاکٹ میں سے نکال کر نمبر ڈائل ہی کرنے والا تھا جب سامنے سے آتے کسی گداز وجود سے ٹکرایا تھا۔

افففففففف،،، ایک نسوانی باریک سی آواز بھی ساتھ سنائی دی تھی۔

جھٹپٹا کر سامنے دیکھنا تو پنک فراک میں ،پنک دوپٹے کو حجاب سٹائل لیے کندھوں پر شال گرائے وہ سرخ و سفید گلابی سی لڑکی اپنا ماتھا سہلا کر بکس سمیٹ رہی تھی۔

اس تصادم میں رانا میر ہادی کا مہنگا ترین آئی فون زمین پر گر کر چکنا چور ہو چکا تھا۔اور گری ہوئی ٹوٹی چیز اٹھانا اس کی شان کے خلاف تھا سو غصہ تو بہت آیا مگر حسبِ عادت اگنور کر کے آگے بڑھنے ہی والا تھا جب

اندھے ہیں کیا مسٹر، ؟نظر نہیں آتا آپ کو،؟

لویزا جو اپنے ڈیپارٹمنٹ کی جانب جا رہی اچانک ہوئے اس تصادم پر اس کی نگاہوں کے آگے دنیا گھوم گئی تھی دن میں ہی چاند تارے نظر آ گئے۔ اس کے باوجود سامنے والا شخص بجائے معافی مانگنے کے یونہی بدتمیزوں کی طرح منہ اٹھا کر جانے لگا تو اس کا پارہ ہائی ہوا تھا۔ (کاش کہ وہ جان پاتی کس سے معافی کی امید لگا رہی تھی)

ایکسکیوز می، مجھ سے کچھ کہا؟

رانا میر ہادی جس کا موڈ پہلے ہی آف تھا اوپر سے اس پاگل لڑکی کی وجہ سے موبائل بھی شہید ہو چکا تھا پھنکار کر بولا۔

نہیں، آپ کے فرشتوں کو بولا، دکھنے کے ساتھ ساتھ سنائی بھی نہیں دے رہا آپ کو ،؟

اب وہ سامنے کھڑی نہایت ناگواری سے بولی تھی۔

ہوش میں تو ہو محترمہ، جانتی بھی ہو کس سے بحث کر رہی ہو؟ اوقات میں رہو،

رانا میر ہادی کا دماغ وہ پوری طرح گھما چکی تھی تبھی دانت پیس کر بولا۔
آس پاس کھڑے بیشمار سٹوڈنٹس اب اکھٹا ہونے لگا تھے اور یہ تماشا انجوائے کرنے لگے تھے۔

لویزا کا ہتک و زلت کے احساس سے چہرہ سرخ پڑا تھا۔ "مجھے اپنی اوقات پتہ ہے مسٹر، آپ اپنی فکر کریں، جو بجائے سوری بولنے کے بحث کر کے اپنی اوقات بتا رہے ہیں، اب اس کا بھی لہجہ کڑوا ہوا تھا۔
رئیلی، جانتی ہو، اس ٹکر میں میرا فون گر کر ٹوٹ گیا ہے، جس کی قیمت تم سے تو کئی گناہ زیادہ ہو گی، تو سوری کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا،
رانا میر ہادی کا لہجہ سنگین حد تک ہتک آمیز تھا لویزا کا دل کیا اس بگڑے رئیس زادے کا منہ نوچ لے۔ آہانت کے احساس لویزا کا دل کیا سامنے والے بدتمیز ڈھیٹ انسان کو شوٹ کر دے۔

"شٹ اپ یو گھٹیا انسان،، سچ بات ہے دولت سے مہنگی چیزیں تو خریدی جا سکتی ہیں مگر علم نہیں، جاہل نے ہر صورت جاہل ہی رہنا ہوتا ہے، اور تم اسی کیٹگری کے ہو مسٹر جاہل،

"شٹ اپ یو پاگل لڑکی ، جانتی بھی ہو رانا میر ہادی سے الجھنا تمھیں کتنا مہنگا پڑ سکتا ہے، وہ بھی دھاڑا۔

رانا میر ہادی نے اس کو اس کی قیمت بتائی تھی تو سامنے سے آئینہ بھی دیکھنے کو ملا تو میر ہادی کا چہرہ غصے و اشتعال سے لال سرخ ہوا تھا۔

مگر اس سے پہلے کچھ اور غضب ہو جاتا لویزا کی دوست اجالا بھیڑ میں سے نکل کر وہاں آئی تھی۔ لویزا کا بازو بری طرح دبوچ کر اس کو چپ رہنے کا اشارہ دیا تھا۔

معاف کرنا مسٹر میر ہادی، یہ جانتی نہیں آپ کو، یقینا یہ سب کسی مس انڈرسٹینڈنگ کا نتیجہ ہے، ایکسکیوزمی،

اجالا تم، لویزا نے دانت پیسے مگر وہ اسے ڈھیٹ بھیڑ میں سے لے کر نکلی تھی۔

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

اجالا نے اپنے ڈیپارٹمنٹ میں اپنی کلاس میں آ کر ہی سانس لیا تھا۔

اجالا ہاؤ ڈئیر یو، غلطی اس گھٹیا چیپ انسان کی تھی، تم معافی مانگ کر کیوں آئیں، ؟

لویزا کا دل کیا اپنے بال نوچ لے اجالا کی اس حرکت پر۔

شٹ اپ لویزا اقبال، جسٹ شٹ اپ، تمھارا دماغ خراب ہو گیا ہے لویزا ، پوری یونی میں تمھیں جھگڑا کرنے کو ایک رانا میر ہادی ہی ملا تھا، جانتی بھی ہو کون ہے وہ؟ اس کا بیک گراؤنڈ، ہسٹری جیوگرافی، مجھے یقین ہے اگر جانتی تو اس سے الجھنے سے پہلے سو بار سوچتی، اجالا کہ لہجے میں کچھ تھا کہ وہ اچانک خاموش ہوئی تھی۔ اور سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھا۔

اجالا اسے بٹھا کر پانی لینے گئی تھی۔

کچھ دیر بعد واپس آئی تو اس کے ہاتھ میں پانی کی بوتل تھی

"یہ لو پیو، اجالا نے بوتل آگے بڑھائی تو کافی سارا پانی ایک ہی سانس میں پی گئی۔ جلتے پھنکتے کلیجے کو زرا سی ٹھنڈک پہنچی۔

تنے اعصاب ڈھیلے پڑے تو اسے ریئلائز ہوا کہ وہ پوری یونی کو تماشہ دکھا کر آئی ہے۔ تو اپنا سر پکڑا۔

لویزا، بہت بڑی غلطی کر دی تم نے یار، اس سے الجھ کر، وہ رانا میر ہادی ہے، ہمارے تمھارے جیسی سینکڑوں تو روز اس کے آگے پیچھے گھومتی ہیں، اس کا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے جو منہ میں سونے کا چمچ لے کر پیدا ہوتے ہیں، دادا وزیر داخلہ،، باپ منسٹر آف پنجاب، اور جانے کون کون سے منسٹر پورے خاندان میں،،

اجالا اسے تفصیل بتاتی چلی گئی جبکہ وہ خالی خالی نگاہوں سے زمین کو گھورتی رہی۔

کلاس میں سٹوڈنٹس آنا شروع ہو چکے تھے۔ وہ بھی اپنی اپنی جگہ بیٹھ گئیں۔

تم ٹھیک ہو ناں،، اجالا نے اس سے پوچھا تو لویزا نے آنکھوں میں آئی نمی کو لمبی گھنی پلکیں جھپکا جھپکا کر پیچھے دھکیلا۔

جانتی ہو اس گھٹیا انسان نے کیا بولا مجھے کہ اس کہ ایک فون کی قیمت مجھ سے زیادہ ہے،، چیپ زلیل، بیغیرت انسان،، لویزا نے دانت پیسے۔

جانے دو لویزا، ایک ڈراؤنا خواب سمجھ کر بول جاؤ، اور اب اگر کہیں دکھے تو پلیز راستہ بدل لینا مگر اس سے الجھنا مت،، پلیز اجالا نے اس کا ہاتھ دبا کر کہا تو اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

پروفیسر کریم کلاس میں لیکچر کے لئے داخل ہوئے تو وہ دونوں ادھر متوجہ ہو گئیں۔

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

رانا میر ہادی کا دل کیا پوری یونی کو آگ لگا دے جب عالیان نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تھا۔

کیا بات ہے،؟ کوئی تماشہ ہو رہا ہے یہاں، ؟ گیٹ لاسٹ فرام ہئیر،، وہ دھاڑا تو جو
سٹوڈنٹس وہاں جمع ہوئے تھے گڑبڑا کر وہاں سے نکلے۔

میر ہادی کالم ڈاؤن یار،،

نو،، عالی میں اس لڑکی کو زندہ جلا دوں گا، ہاؤ ڈئیر شی، وہ غصے سے پھنکارا۔

عالیان اس کا بازو کھینچ واپس گاڑی کی جانب بڑھا تھا۔ جانتا تھا رانا میر ہادی کا غصہ
اتنی جلدی شانت نہیں ہونے والا تھا۔

افضل چلو یہاں سے، میر لاج چلو، عالیان نے بول کر اسے گاڑی میں دھکیلا اور خود
اس کے ساتھ بیٹھ گیا۔

وہ دونوں میر لاج داخل ہوئے تھے اور عالی اسے تقریباً گھسیٹتے ہوئے اندر لا کر لاؤنج کے
صوفے پر بٹھایا تھا۔

رانا میر ہادی کی آنکھوں میں خون اترا ہوا تھا جیسے۔ علی کو دیکھ کر ہی خوف آیا۔

افضل بوتل اور گلاس دو مجھے،، وہ دھاڑا اور اپنے بالوں میں ہاتھ پھیر کر خود کو شانت
کرنے کی کوشش کی۔

جو حکم چھوٹے سائیں،،

اس وقت پیو گے میر ہادی، پلیززز، عالی نے اسے سمجھانے کی کوشش کی جو کہ بے سود تھی۔ تبھی افضل بوتل اور گلاس لیے بوتل کے جن کی طرح ہی حاضر ہوا تھا۔

میر ہادی نے افضل کو غصیلی نگاہوں سے گھورا تو اس نے فٹا فٹ گلاس میں مشروب انڈیلا۔

جسے چھین کر میر ہادی ایک گھونٹ میں ہی اپنے اندر انڈیل چکا تھا۔ عالی نے افسوس سے سر ہلایا۔

وہ جانتی نہیں کس سے الجھی ہے، پچھتائے گی، مجھے جاہل بول رہی تھی، رانا میر ہادی کو، پاگل لڑکی اپنے انجام سے ناواقف ہے،

جانے کیوں شدید طیش و اشتعال میں تو اسے چڑھتی بھی نہیں تھی۔ آدھی بوتل پینے کے باوجود وہ لال انگارہ آنکھیں لیے بیٹھا آگ اگل رہا تھا۔

افضل مجھے اس لڑکی کی ڈیٹیلز چاہیئں، آیک گھنٹے کے اندر اندر،، وہ پھر پھنکارا۔

جو حکم چھوٹے سرکار،،

میر ہادی کیا کرنے والے ہو تم اب، عالی نے سنجیدگی سے پوچھا۔

ابھی تو کچھ نہیں، مگر جاننا چاہتا ہوں کونسے ہوم منسٹر کی بیٹی جو اتنی اکڑ ہے، کہ رانا میر ہادی سے الجھنے کی ہمت ہے اس میں، اس کا لہجہ اب بھی سرسراتا ہوا سا تھا جبکہ افضل اس کا حکم سننے کے بعد پھر گدھے کے سر سے سینگ کی طرح غائب ہوچکا تھا۔

جانے بھی دو میر ہادی، وہ اس لئے تم سے الجھی کہ تمھیں جانتی نہیں ہوگی یقینا، نہیں تو اتنی بڑی حماقت کبھی نہیں کرتی، عالی نے اسے شانت کرنا چاہا۔

ہمممممممم،، یہ بھی ہے، مگر پچھتائے گی ضرور مجھ سے الجھ کر،، رانا میر ہادی نے صوفے کی بیک سے ٹیک لگائی اور آنکھیں موند لیں۔۔

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

وہ رات کا کھانا بنانے کچن میں گھسی ہوئی تھی ۔کھانے پر پھپھو اور ظفر بھائی (پھپھو کے بیٹے) آنے والے تھے سو کھانے پر زرا اہتمام کیا تھا اس نے۔

اقبال صاحب اپنے کمرے تھے ۔ جب دروازے پر دستک ہوئی۔ وہ بھاگ کر دروازے تک گئی تھی۔

کون،، لویزا نے پوچھا۔

میں ہوں ممتاز بیگم،، میری گڑیا،، پھپھو کی میٹھی آواز پر اس نے دروازہ کھولا اور ان کی کھلی بانہوں میں سما گئی۔

ممتاز بیگم نے چٹا چٹ اس کا منہ چوم ڈالا۔

کیسی ہے میری بچی،، وہ مہرباں سی مسکان لیے بولیں۔

بلکل ٹھیک،، کیسے ہیں ظفر بھائی؟

وہ جو گہری نگاہوں سے اس سرخ و سفید گڑیا کو تکے جا رہا تھا اس کی بات پر گڑبڑایا۔

بلکل ٹھیک، تم سناؤ لویزا،؟

میں بھی ٹھیک، وہ باتیں کرتے لاؤنج میں پہنچ چکے تھے۔ وہ مسلسل مسکرائے جا رہی تھی۔ اور کوئی بہت پرشوق نگاہوں سے اس کی یہ مسکان دیکھ رہا تھا۔

آپ لوگ بابا کے پاس جائیں کھانا تیار ہے بس روٹی ڈالنی ہے، وہ مسکرا کر بولی۔

وہ اندر چلے گئے لویزا نے روٹی ڈال کھانا لگایا۔ جانے کیوں مگر وہ کھوئی کھوئی سی تھی۔

اندر ممتاز بیگم اپنے بھائی سے راز و نیاز میں مصروف تھی۔ "بھائی لویزا کو میری بیٹی بنا دیں، میری جھولی میں ڈال کر، ممتاز بیگم نے کہا تو وہ جو سر جھکائے بیٹھا تھا دل کی دھڑکن بے ترتیب ہوئی۔

ممتاز میں کوئی بھی فیصلہ لویزا کی مرضی کے بغیر نہیں کروں گا، جانتا ہوں اسے کوئی اعتراض نا ہوگا، مگر میں پھر بھی اس کی مرضی جاننا چاہوں گا، اقبال صاحب نے سہولت سے کہا تو ممتاز بیگم مسکرا دیں اور سر ہلاہا۔

کھانا تیار ہے، لویزا نے اچانک دروازے سے جھانک کر کہا تو س

وہ سب کھانے کی ٹیبل تک آئے تھے۔۔

لویزا کھانے پر اپنی پلیٹ پر جھکی کھوئی کھوئی سی تھی۔ اس کی خاموشی اقبال صاحب نے بری طرح محسوس کی تھی۔

کیا بات ہے بابا کی ڈول،، آج خاموش اور سیڈ سی ہے، اقبال صاحب نے مسکرا کر پوچھا تو گڑبڑائی۔

نہیں بابا میں ٹھیک ہوں، وہ مسکرائی (آج کے ہوئے تماشے کی سوچ کو بھاڑ میں جھونکا) اور ادھر ادھر کی باتیں کر کے پھر اپنے بابا اور پھپھو کی چہکتی بلبل بن گئی۔

اقبال اور ممتاز نے جاں نثار کرنے والی نگاہوں سے اسے دیکھا۔

کھانے کے بعد چائے کا دور چلا اور وہ گئے رات تک خوش گپیوں میں مصروف رہے۔

وہ کچن میں تھی جب ظفر اس کے پیچھے آیا۔

کیسا دن گزرا یونی کا پہلا دن، وہ سینے پر ہاتھ باندھے ایک گہری نگاہ اس پر ڈال کر دوسری جانب دیکھنے لگا تھا۔

بہت اچھا ظفر بھائی، آپ بتائیں شاپ کیسی چل رہی ہے، کبھی کوئی لڑکی بھی پرفیوم لینے آئی ہے شاپ پر، شادی کب کریں گے،

لویزا کا لہجہ شرارتی سا تھا ظفر جس کی پرفیومز کی شاپ تھی مسکرایا۔
نہیں کوئی آئی تو نہیں، مگر اب تم ضرور آنا، وہ مبہم سا بول کر اسے اپنی نگاہوں کے حصار میں جکڑتا وہاں سے بمشکل نکلا۔
اس کے گہرے لہجے پر لویزا نے نا سمجھی والے انداز میں اس کی پیٹھ کو دیکھا۔

ممتاز اور ظفر واپس گئے۔ وہ کچن میں سے برتن سمیٹ کر اندر آئی جب بابا کو اپنا منتظر پایا۔
کیا بات ہے بابا، آپ سوئے نہیں،
ادھر آؤ لیزا، مجھے تم سے ضروری بات کرنی ہے، اقبال صاحب نے کہا تو وہ ان کے قدموں میں کارپٹ پر بیٹھ گئی.
جی بابا کہیئے کیا بات ہے،
ممتاز تمھارا ہاتھ مانگ رہی تھی ظفر کے لئے، انھوںنے ٹو دا پوائنٹ بات کی تو وہ گڑبڑا کر نگاہیں جھکا گئی۔ اور میں تمھاری مرضی معلوم کرنا چاہتا ہوں،

بابا جو آپ کی مرضی، مجھ سے مت پوچھیں، لویزا نے لاپرواِئی سے زمین کی جانب دیکھتے کہا تو اقبال صاحب نے مسکرا کر اپنی کانچ کی گڑیا کی جانب دیکھا۔ اس کے سر پر نرمی سے ہاتھ رکھ کر ماتھا چوما تھا۔

جیتی رہو، میں تمھیں ہمیشہ ہمیشہ خوش دیکھنا چاہوں گا۔

انھوں نے کہتے ہوئے طمانیت بھرے احساس سے اسے اپنے ساتھ لگا لیا تھا۔

چلو جاؤ آرام کرو، صبح جلدی اٹھنا ہے، اور یونی بھی جانا ہے، ہری اپ، وہ کہتے اٹھے تو وہ بھی تھکن سے چور اپنے روم میں آ گئی۔

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

رات تک لویزا اقبال کی تمام ڈیٹیلز اس کی ٹیبل پر تھیں۔ افضل نے فائل اس کے سامنے ٹیبل پر رکھی تو اس نے سنجیدہ نگاہ افضل پر ڈالی۔

"کیا ہے یہ"! رانا میر ہادی کی بات پر افضل نے الجھ کر اپنے سنکی مالک کو دیکھا جو اب بھی گھونٹ گھونٹ وہ مشروب پی رہا تھا۔

"چھوٹے سائیں، آپ نے ہی ایک لڑکی کی ڈیٹیلز مانگی تھیں وہیں ہیں، اسنے سر کو ہلکا سا خم دے کر کہا تو اس نے ہاتھ کے اشارے سے افضل کو جانے کو بولا۔

وہ ہاتھ باندھے کمرے سے نکلتا چلا گیا۔ میر ہادی نے ایک خونخوار نگاہ فائل پر ڈالی جیسے فائل کو نہیں اس نازک سی لڑکی کو گھور رہا ہو جو اسے ایک ہی ٹکراؤ میں زہر لگنے لگی تھی۔ اور جس سے وہ جانے کتنی نفرت محسوس کر رہا تھا۔

گلاس ٹیبل پر رکھ کر آخر فائل کھول کر دیکھی۔۔ اور ایک تمسخرانہ مسکان لیے اس کی ڈیٹیلز دیکھیں۔

لویزا اقبال،

ایک معمولی سے بھی معمولی لڑکی۔ جس کا اس سے کوئی مقابلہ نہیں تھا! ۔جو اس سے خواہ مخواہ الجھی تھی ۔

For more books 0313-6137393

اس نے بیزاری سے فائل آتش دان میں اچھال دی۔۔

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

رانا میر ہادی کی لینڈ کروزر یونی کی پارکنگ میں رکی تھی افضل نے بھاگ کر گاڑی کا دروازہ کھولا۔۔

آج وہ رائل بلو ٹو پیس میں شاندار مردانہ وجاہت لیے ہوئے حسبِ معمول ہزاروں دلوں کی دھڑکن دھڑکاتا آگے بڑھا تھا جب سیما اس کے سامنے آئی۔۔

بلینئر بزنس مین باپ کی بگڑی اولاد جو شروع دن سے میر ہادی میں دلچسپی رکھتی ہے مگر میر ہادی یونی کی سب لڑکیوں کے لئے چکنا گھڑا ہی ثابت ہوا تھا جسے ان میں سے کسی سے بھی کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

وہ یونی کی حسین ترین لڑکیوں میں شمار اورنج شارٹ ٹاپ اور بلیک جینز میں (بغیر کسی سکارف کا تکلف کیے) ہلکے میک اپ کے ساتھ اس کے سامنے تھی۔

ہائے میر، ہاؤ آر یو، وہ فرینک ہوئی۔

فائن، تم سناؤ، وہ بولتے ہوئے آگے۔۔

I'm fine too,, Can we go for dinner tonight?

وہ ڈائریکٹ اپنے مطلب کی بات پر آئی۔

نو، ہوسکتا ہے مجھے آج رات گاؤں جانا پڑے، بزی ہوں، میر ہادی کا پختہ لہجہ سیما کا منہ لٹک گیا مگر اس کے پیچھے اور ساتھ ساتھ چلنے سے پھر بھی باز نہیں آئی تھی۔

وہ یونی کے طویل ترین کوریڈور میں سے گزر رہا تھا جب سامنے سے وہ سی گرین فراک پاجامے میں وائٹ حجاب سٹائل دوپٹہ شفاف و معصوم چہرہ لیے اس کی جانب ہی آتی دکھائی دی۔

اس کی چال میں واضح دھیما پن آیا تھا۔ جو کہ ساتھ چلتی سیما بھی محسوس کر کے اپنی جگہ ٹھٹکی تھی۔

لویزا جو کوریڈور سے اپنی کلاس کی جانب جا رہی تھی۔ اپنی فائل سے نگاہ سامنے اٹھی تو یوں لگا جیسے حلق میں کڑوے بادام گھل گئے ہوں۔ سامنے سے وہ گھمنڈی، انتہائی

بدماغ اور بد تمیز شخص آتا دکھائی دیا ۔ تبھی بلکل اچانک لویزا نے اپنا راستہ بدلا تھا۔ اور سامنے آتی آتی، گراؤنڈ کی جانب ہی مڑ گئی تھی۔

میر ہادی بری طرح چونکا تھا۔ ماتھے پر بے شمار بل آئے تھے۔

اونہہہہہہ توجہ حاصل کرنا کا سستا اور گھٹیا ترین حربہ، وہ دل میں سخت تلملاتے بھنایا تھا۔

آج تک کسی لڑکی نے اسے اگنور نہیں کیا تھا کجا کہ اسے دیکھ کر اپنا راستہ ہی بدل لے۔ تبھی وہ دل میں سخت قسم کا جھنجھلایا تھا۔ اور پیر پٹختا اپنی کلاس کی جانب گیا۔

سیما نے غور سے اس لڑکی کی پیٹھ کی جانب دیکھا تھا۔

مگر یہ رانا میر ہادی کی خام خیالی ہی رہی کہ وہ توجہ حاصل کرنے کو یہ حربہ آزما رہی ہے۔ اسے اگنور کر رہی ہے۔

آج پورا ایک ماہ ہو چکا تھا اس تماشے کو، حتیٰ کے یہ بات عالی اور اس کے قریبی جاننے والے بھی نوٹ کر چکے تھے۔ کہ

وہ جہاں بھی اس سے ٹکراتی اسے دیکھ کر اپنا راستہ بدل لیتی تھی۔ اور میر ہادی جیسے گھمنڈی، مغرور اور انا پرست شخص کو اپنی وہ ہتک اور بے عزتی محسوس ہوتی کہ اب اس کا برداشت ، طیش و اشتعال کا پیمانہ عنقریب چھلکنے ہی والا تھا۔

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

وہ دونوں لائبریری میں بیٹھی ضروری نوٹس ریڈ کر رہی تھیں۔ جب اجالا کو جانے کیا دورا پڑا تھا جو اس کا پین اچانک چھین لیا۔

بسسسس،، لویزا میں اور تم سے نہیں چھپا سکتی،، ایکچوئلی میں تمھیں کسی سے ملوانا چاہتی ہوں،

Because I'm in love,,,,,

اور عنقریب ہماری ڈائریکٹ شادی ہونے والی ہے،،

Urdu Novels Ghar

اجالا نے ایک ہی سانس میں بول ڈالا تو لویزا نے پہلے اچنبھے سے اسے دیکھا، پھر سمجھ آنے پر اپنی بک سے اس کی پہلے جی بھر کر درگت بنائی۔

یو چیٹر کاک، بدتمیز، کمینی،، تمھاری ہمت کیسے ہوئی مجھ سے اتنی بڑی بات چھپانے کی،، ہاؤ ڈئیر یو بیغیرت دوست،، لویزا نے جزبات میں آ کر اردو انگلش مکس کی۔ تو اجالا ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہو گئی۔

مگر عالیان مرزا کو اپنی جانب آتا دیکھ سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

زرا تمیز سے وہ آ گئے،، اجالا نے کہا تو اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو ایک سوبر سا شخص اپنی جانب آتا دکھائی دیا۔ جو اجالا کو نگاہوں میں فوکس کیے جزبے لٹاتی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

آ ئیے عالی،، ان سے ملئیے یہ ہے میری بچپن کی بہترین دوست لویزا اقبال، اور لویزا یہ ہیں عالیان مرزا، میرے ہونے والے ہزبینڈ، اجالا نے تعارف کروایا۔

السلام و علیکم،، لویزا نے پیاری سی مسکان لیے دھیمے لہجے میں کہا تو عالی نے بے طرح چونک کر اس لڑکی کو دیکھا جو اس کے دوست کے سر پر دشمن بن کر دن رات سوار تھی۔

و علیکم اسلام ،، کیسی ہیں آپ،، وہ مسکرا بھی نا سکا۔

میں ٹھیک ،آپ سنائیں، لویزا نے کہا اور اجالا کو گھورا۔

بیٹھیں ناں عالی،، اجالا نے گڑبڑا کر کہا تو وہ پھیکا سا مسکرایا۔

چلتا ہوں جانِ عالی،، ضروری کام ہے ، پھر ملیں گے، ابھی تو تم نے کہا تھا اپنی دوست سے ملوانا ہے تو چلا آیا، مگر ابھی تھوڑا بزی ہوں میں،، اس نے نرمی سے کہا تو اجالا نے اثبات میں سر ہلا کر اسے اجازت دی۔

اوکے اپنا خیال رکھنا اور آپ بھی اچھی لڑکی، وہ مسکرا کر کہتا وہاں سے نکلتا چلا گیا۔

افففف،، اور میر ہادی کو پتہ چلے کہ اجالا کی بیسٹ فرینڈ اس کی سب سے بڑی دشمن ہے تو میرا بھی پتہ کاٹ دے۔

لا حولا ولا قوۃ،، اس نے دل میں لاحول پڑھا اور پیچھے مڑ کر دیکھا جہاں وہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ نوک جھونک میں مصروف تھیں اور دعا مانگی کہ رانا میر ہادی کو کبھی پتہ نا چلے۔۔

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

وہ یونی کے آف کے ٹائم باہر گراؤنڈ سے چل کر گیٹ کی جانب جا رہی تھی۔ ریڈ کرتی وائٹ گھیرے دار شلوار پہنے وائٹ دوپٹے کو سر پر لیے بلیک شال کندھوں پر اوڑھ رکھی تھی۔ جس میں سرخ وسفید رنگت دمک رہی تھی۔

میر ہادی بلیک پینٹ شرٹ پہنے سن گلاسز لگائے اپنی لینڈ کروزر کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑا عالی کا ویٹ کر رہا تھا جب وہ سامنے سے آتی دکھائی دی اور آج اتفاقا اسے اس کے پاس سے ہی گزر کر جانا پڑتا تھا۔

تبھی لویزا نے جان بوجھ کر اپنی فائل میں کوئی نادیدہ چیز تلاشنی چاہی تھی۔
وہ اس کے پاس ہو کر گزر گئی۔ میر ہادی کو آگ ہی تو لگی تھی۔

ہیے یو،، ایلوویرا،، کیا سٹوپڈ سا نام تھا، لسن ٹو می، میر ہادی نے دانت پیس کر اسے روکا۔
وہ ٹھٹھک کر رکی تھی۔ مگر قدم آگے بڑھائے ۔
"ہیے بہری ہو گیا ؟ پھر چبا کر بولا گیا۔
لویزا نے پھر اگنور کر کے جانا چاہا ۔ مگر اب کی بار وہ دھڑلے سے اس کے سامنے آیا تھا ۔ لویزا نے جھٹکے سے سر اٹھایا۔
یو، سنائی نہیں دیتا کیا، تم سے مخاطب ہوں میں،، رانا میر ہادی نے گلاسز اتار کر اس کی آنکھوں میں گھورا تھا۔
میرا نام ایلویرا نہیں لویزا اقبال ہے، اس نے بھی سنجیدگی سے بنا ڈرے کہا۔

یو نو واٹ، جس دن تم نے مجھ سے جھگڑا کر کے دشمنی مول لی، اس دن تم مجھے جانتی نہیں تھی، پوچھنا یہ تھا کیا اب تم مجھے جانتی ہو؟ رانا میر ہادی نے خطرناک حد تک سنجیدگی سے کہا تو لویزا نے نا سمجھی والے انداز میں اسے دیکھا مگر

ہاں اب میں آپ کو جانتی ہوں، اس نے سچ بولا۔

گڈ،، تو تمھیں اپنی بدتمیزی پر مجھ سے سوری بولنا چاہیے میں وہ دشمنی بھول جاؤں گا،، رانا میر ہادی نے اطمینان سے کہا تو لویزا نے اپنے سامنے تن کر کھڑے اس گھمنڈی اور بددماغ شخص کو افسوس و نفرت سے ملی جلی کیفیت کے ساتھ شرر بار نگاہوں سے دیکھا۔

شاید آپ بھول رہے ہیں مسٹر ،کہ بدتمیزی آپ نے شروع کی تھی تو مجھ سے معافی کی کیوں امید لگا رہے ہیں،، لویزا نے بھی فائل کے گرد ہاتھ باندھ کر اطمینان سے کہا۔

مینگ کے تم سوری نہیں بولو گی،، میر ہادی کا لہجہ میں شعلے لپک رہے تھے۔

بلکل نہیں،، وہ نڈر انداز میں بولی-- اور اس کے پہلو سے تھوڑا دور ہو کر جانے لگی--

انجام جانتی ہو اپنی اس ضد کا،، وہ دانت پیستے بھنا کر اس کی جانب مڑا۔

مسئلہ کیا ہے مسٹر جاہل آپ کے ساتھ، جب نہیں بات کرنا چاہتی تو کیوں گلے پڑ رہے ہیں، اور جب میرا کوئی لینا دینا نہیں ہے آپ سے تو میرے راستے میں آنے کا مقصد،،

اب کی بار اس کی بھی برداشت نے جواب دیا تو وہ بھی بھنا کر بولی تھی ۔ آس پاس کے گزرتے سٹوڈنٹس پھر متوجہ ہوئے تھے اور اب کی بار تو ان میں سیما بھی تھی جو لویزا کے منہ سے نکلنے والی پھل جھڑیاں اچھی طرح سن چکی تھی۔ وہ پلٹ کر جا چکی تھی۔ رانا میر ہادی کا چہرہ ہتک و زلت کے احساس سے لال انگارہ ہوا تھا ۔ آنکھوں میں خون اتر آیا اور جبڑے بھنچ گئے تھے۔

سیما بھاگ کر اس کے پاس آئی تھی۔

کیا ہوا میر، یہ مڈل کلاس سو کالڈ بہن جی ٹائپ لڑکیاں آئے روز توجہ حاصل کرنے کو نت نئے ڈرامے کرتی رہتی ہیں تم کیوں منہ لگ رہے اس کے،، چلو میرے ساتھ، سیما نے اس کا ہاتھ تھامنا چاہا جسے وہ بری طرح جھٹک کر گاڑی میں بیٹھا تھا اور دھاڑ سے دروازہ یوں بند کیا کہ ایک مرتبہ تو سیما بھی اپنی جگہ پہ اچھل پڑی تھی۔

میر ہادی نے جہاز کی سی رفتار سے وہاں سے گاڑی نکالی تھی۔

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

شام کی چائے پینے کے بعد وہ اب اپنے روم میں سٹڈی ٹیبل کے پاس بیٹھی سٹڈی میں مصروف تھی۔ جب اچانک لائٹ گئی۔

افففف لویزا نے بری سی شکل بنائی۔

جب سے یونی سے آئی تھی تب سے یہ تماشہ ہو رہا تھا۔ کبھی لائٹ. آرہی تھی کبھی جا رہی تھی۔ اور تو اور کچن میں جانے کیوں گیس بھی بند تھی۔ وہ بہت ا لجھی ہوئی تھی کہ یہ ہو کیا رہا تھا۔ بابا باہر پتہ کر کے آئے تھے۔ مگر سب محلہ کی گیس اور بجلی ٹھیک تھی بس انھی کی خراب ہو رہی تھی۔

اس دن تو کسی طرح گزارا کیا۔اگلا دن سنڈے کا تھا۔ سارا دن یہی تماشہ لگا رہا۔

بابا الیکٹریشن کو بھی لے آئے، چیک کرایا تو سب کچھ ٹھیک تھا۔ اسی نے ہی کہا کہ اب جب ادھر سے سب ٹھیک ہے تو بجلی گیس کے دفتر ہو آئیں تو بابا بجلی گیس کے دفتر چلے گئے۔۔

شام کو بابا تھکے ہارے لوٹے تو وہ بھاگ کر ان کے لئے پانی لے کر آئی تھی۔ انھوں نے پانی پیا۔

بابا کیا بنا،، وہ جو پریشان سی تھی فورا پوچھا۔

نقار خانے میں طوطی کی کون سنتا ہے گڑیا،، وہ مبہم سا ہنسے۔

کیا مطلب بابا، وہ نا سمجھ سی بولی۔

مطلب کے جانے کیا ہے مگر کوئی بات ہی نہیں سن رہا،، کوئی کمپلین پر غور کرنے کی کوشش ہی نہیں کر رہا، ہماری تو کسی سے دشمنی بھی نہیں ہے تو جانے کیوں ہمارے ساتھ ایسا کر رہے ہیں وہ لوگ،، وہ افسوس سے بولے تو لویزا کا بھی منہ اتر گیا۔

بابا باہر سے کھانا لے کر آئے وہ کھانا کھا کر اپنے روم میں آ گئی۔

سوچ بہت گہری تھی کہ سب کیا اور کیوں ہو رہا تو،

زہن میں ایک جھماکا سا ہوا۔

تت،، تو کیا ی،، یہ وہ کروا رہا ہے،، نہیں نہیں ایسے کیسے ہو سکتا ہے، اسے ایک غریب لڑکی کی سوری میں اتنی کیا دلچسپی ہو سکتی ہے مگر اس کی دھمکیاں بھی قابل غور تھیں۔

وہ سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔

اگلی صبح پھر وہی مسئلہ درپیش تھا مگر اقبال صاحب خندہ پیشانی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسے بھی حوصلہ دیتے رہے۔ تب ظفر ناشتا لیے آیا تھا۔

امی نے بتایا تھا کوئی مسئلہ ہو رہا ہے تو یہ ناشتہ بھیجا تھا انھوںنے، ظفر نے شاپر لویزا کو تھمایا تو لویزا نے تشکر کے احساس سے اسے دیکھا۔

اور شاپر تھامے کچن میں چلی گئی۔

لویزا نے ناشتہ لگایا۔

ظفر بیٹا ناشتے کے بعد لویزا کو یونی لے جانا، میری بائیک خراب ہے بس سے آفس جاؤں گا ،لیزا کہاں دھکے کھاتی پھرے گی، لے بھی آنا ، میں آفس سے آ کر بائیک ٹھیک کروا لوں گا۔

جی ماموں،، یہ تو میرا فرض ہے، اسنے مسکرا کر کہا تو اقبال بھی بات کی گہرائی سمجھ کر مسکرانے لگے۔

لویزا بھی کچن میں ان کی باتیں سن چکی تھی۔

انہوں نے ناشتہ کیا ۔

لویزا ظفر کے ساتھ بائیک پر زرا سا فاصلہ رکھ کر بیٹھی۔ مگر ہاتھ کندھے پر رکھا تھا۔ وہ دونوں یونی کے لئے نکلے ۔

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

میر ہادی کیا ہے یہ سب،، آخر تمہیں اس غریب اور نازک بے ضرر لڑکی کی سوری میں اتنی دلچسپی کیوں ہے،، ۔وہ جو صبح یونی آیا تھا۔ میر ہادی نے اسے گاڑی میں بیٹھ کر اپنی تازہ لڑائی اور اپنی ہی کار گزاریوں کا احوال بڑے فخر سے سنایا تو کچھ پل کے لئے تو عالی اسے دیکھتا رہ گیا. اور پھر دل میں آیا سوال پوچھ ہی بیٹھا۔

مزا آنے لگا ہے اب تو یار،، دشمن دلیر ہے،، اسے جھکانے میں مزا آئے گا،، وہ شعر نہیں سنا تم نے،،

دشمن دلیر ہوتا تو آتا مزا مجھے، مجھے اب اس کھیل میں مزا آ رہا ہے اس دشمنی سے دلچسپی ہونے لگی ہے،، اس نے اطمینان سے گاڑی کی سیٹ سے ٹیک لگایا مگر بیک ویو مرر میں ایک منظر دیکھ کر وہ بری طرح چونکا تھا۔

کیونکہ آج پہلی مرتبہ لویزا کسی لڑکے کے ساتھ نظر آئی تھی بائیک پر ہی سہی۔

افضل اس کے ساتھ کون ہے یہ؟ وہ بلکل بلا ارادہ بے اختیار ہی پوچھ بیٹھا تھا۔

میر ہادی اب کیا اس کے بوائے فرینڈ میں بھی دلچسپی ہے تمھیں،، عالی نے جل کر سنجیدگی سے پوچھا تو وہ جانے کیوں مگر گڑبڑایا تھا پھر فورا سنبھلا۔

"نہیں دشمن کا دوست بھی دشمن اسی لئے دلچسپی ہے،، اس نے بودا سا جواز پیش کیا۔ عالی نے افسوس سے سر ہلایا۔

سر منگیتر ہے میڈم کا،، افضل نے بھی سنجیدگی سے کہا تو میر ہادی کے لب اووو شیپ میں سمٹے۔ رانا میر ہادی کی نگاہوں نے دور تک بائیک کا تعاقب کیا تھا۔۔

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

وہ غائب دماغی سے لیکچر اٹینڈ کر رہی تھی کچھ پلے نہیں پڑ رہا تھا۔۔ دماغ ایک بس خود کے عجیب حالات و واقعات میں ہی اٹکا ہوا تھا۔ اس کی یہ غائب دماغی اجالا نے بھی نوٹ کی تھی اسی لئے ہی اسے متوجہ کرنے کو ٹھوکا رسید کیا تھا۔ تب اسے کہیں جا کر ہوش آیا۔
بمشکل لیکچر مکمل ہوا اور پروفیسر ناہید کلاس سے باہر گئیں تو اجالا اس کی جانب مڑی۔

واٹس پرابلم ود یو لویزا، کونسا مراقبے میں تھی جو دھیان بلکل بھی لیکچر کی جانب نہیں تھا تمھارا،

نو، نو، تمھیں غلط فہمی ہوئی ہے میں تو لیکچر ہی توجہ سے سن رہی تھی، لویزا نے کتاب نوٹس کھول کر خلیل جبران بننے کی کوشش کی۔

آں،، ہاں،، اچھا بتاؤ مجھے وہ ضروری پوائنٹس جو ابھی میم سمجھا کر گئیں ہیں، اجالا نے کہا تو لویزا نے اسے مصنوعی پن سے گھورا۔

یہ کیا بات ہوئی اچھا چھوڑو، چلو کینٹین چلتے ہیں،، بہت بھوک لگی ہے، لویزا نے اس چڑیل کو ٹالا اور دونوں کینٹین کی جانب آئیں۔

وہ دونوں کینٹین میں داخل ہوئیں تو بلکل سامنے ہی ٹیبل پر وہ شہزادوں کی سی آن بان شان لیے براجمان تھا۔ سفید کلف لگے شلوار قمیض کے اوپر براؤن ویسکوٹ پہنے سرخ و سفید رنگت کے اوپر بلیک سن گلاسز لگائے سیما سے خوش گپیوں میں مصروف تھا۔

رانا میر ہادی سن گلاسز میں سے کینٹین داخل ہوتے ہوئے اسے دیکھ چکا تھا۔

لویزا بھی اسے دیکھ چکی تھی مگر اگنور کرتی اجالا کے ساتھ ایک ٹیبل پر بیٹھ گئی۔۔ (کہ یونی اور کینٹین اس بگڑے وڈیرا جی کہ باپ کی جاگیر نہیں تھی)

اجالا سینڈوچ اور جوس کا بول کر آئی تھی۔ اور اب وہ دونوں اس کی شادی کی باتیں کر رہی تھی۔

سنو اجالا میں نے بھی تمھیں ایک ضروری بات بتانی ہے،، لویزا نے نگاہیں جھکا کر کہا۔

وہ کیا،، اجالا نے آنکھیں گھمائیں۔

وہ بابا نے میرا رشتہ بھی طے کر دیا ہے،، اس نے بول کر شہادت کی انگلی دانتوں تلے دبائی۔

(اور یہ منظر کسی نے گہری نگاہ سے دیکھا تھا۔)

واٹ،، رئیلی اور تم مجھے اب بتا رہی ہو کمینی کون ہیں وہ،، اجالا نے آئبرو اچکائی۔

وہ،، پھپھو کے بیٹے ہیں ناں جو،، جو آج مجھے یونی چھوڑنے آئے تھے وہ ظفر بھائی،، وہ بول کر پھر سرخ ہوئی۔ پلکوں کی گھنی جھالریں گالوں پر سایہ فگن سی تھیں۔ ان پلکوں کے اٹھنے گرنے کا رقص کوئی نا چاہتے ہوئے بھی دیکھ رہا تھا۔

افففففف،، اجالا نے ماتھا پیٹا۔ تو اب تو اس معصوم کو بھائی مت بولو، بدتمیز لڑکی،، اجالا نے کچھ اس طرح دہائی ڈالتے کہا کہ لویزا کی ہنسی چھوٹ گئی۔

تو کیا بولوں،،

میر ہادی تم میری بات نہیں سن رہے، دھیان کہاں ہے تمھارا یار، سیما نے بے تکلفی سے اس کے کندھے پر ہاتھ مارا تو وہ چونک کر اس کی جانب متوجہ ہوا۔

سیما اس کی گلاسز کے ریفلیکشن میں اس لڑکی کو دیکھ چکی تھی جس نے رانا میر ہادی کی توجہ اپنی جانب مبذول کر رکھی تھی۔ سیما کو وہ لڑکی زہر لگی تھی۔

ادھر میر ہادی اتنا کچھ کرنے کے باجود کسی کا سکون اور یہ ہنسی دیکھ اسے آگ ہی تو لگی تھی--

کہیں نہیں،، ادھر ہی ہے میرا دھیان،، اس نے خواہ مخواہ انگارے چبائے اور پھر سامنے دیکھا۔

جہاں اب کوئی نہیں تھا وہ پھر چونکا۔ سامنے سے پلیٹس خالی تھیں۔۔ سیٹس بھی خالی تھیں۔ وہ دونوں وہاں سے جا چکی تھی۔ وہ بدمزہ ہوا۔ اور خود بھی اٹھ کر کینٹین سے باہر نکل گیا۔

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

وہ کچن میں کھانا بنانے آئی تھی۔ دوپہر کے تین بج چکے تھے۔ بابا بھی آنے والے تھے اور ابھی تک اس نے کچھ نہیں بنایا تھا۔

اس نے چولہا جلایا مگر خالی چولہا منہ چڑھا رہا تھا اس نے اپنا سر پکڑ لیا۔۔

تبھی اقبال صاحب کچن میں داخل ہوئے تھے۔۔ آفس بیگ ٹیبل پر رکھا۔

ارے کیا ہوا بابا کی گڑیا اتنی پریشان کیوں ہے،، اقبال صاحب نے اس کے کندھوں کے گرد بازو حمائل کیا۔

بابا گیس نہیں آ رہی،،پتہ نہیں کیا مصیبت ہے، وہ جھنجھلائی اور برا سا منہ بنایا۔

تو کیا ہوا پرنسز،، کچن میں تو روز ہی کھانا بنتا ہے ، کیوں نا آج باہر سے لایا جائے،،
اقبال صاحب مسکرا کر بولے تو ان کے کہنے کے انداز پر لویزا مسکرا دی۔
اور ڈنر؟ بابا،، اسے پھر فکر ہوئی۔
آج ڈنر بابا اور ان کی پرنسز باہر کریں گے،، اور پھر بابا اپنی پرنسز کو آئسکریم بھی کھلائیں گے،،
انھوںنے چٹکیوں میں مسئلے کا حل نکالا تو لویزا فی الحال کے لئے ہر فکر و پریشانی بھول گئی۔
پھر اقبال باہر سے کھانا لے کر آئے۔۔

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

رات کے نو بج چکے تھے۔ وہ جلدی سے تیار ہوئی۔ بلیک گھیرے دار شلوار قمیض میں دوپٹہ حجاب سٹائل اوڑھا اور بلیک شال کندھوں پر جمائے وہ باہر نکلی تھی۔

جہاں اقبال صاحب بائیک نکالے اس کا ویٹ کر رہے تھے۔ لویزا اکسائیٹڈ سی بائیک پر بیٹھی۔

دونوں نے ایک چھوٹے سے ہوٹل میں کھانا کھایا۔ لویزا بہت خوش نظر آ رہی تھی۔

پھر اقبال صاحب اسے لئے شہر کے ایک بڑے آئسکریم پارلر لے کر آئے --

بابا،، ادھر آنے کی کیا ضرورت تھی،، یہ تو بہت مہنگے والا ہو گا،، لویزا نے معصومیت سے کہا تو اقبال صاحب قہقہہ لگا کر ہنس پڑے۔

خیر ہے پرنسز،، کبھی کبھی ایسی عیاشیاں کر لینی چاہیں،، امیروں والی فیلنگ آتی ہے،،

بابا کی بات پر وہ بھی ہنس دی۔ وہ فیملی ہال میں ایک سائیڈ پرسکون سی جگہ پر بیٹھ گئے--

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

رانا میر ہادی سیما کے دماغ کے دہی کرنے پر آئسکریم پالر آیا تھا مگر سب سے پہلے یہاں آ کر جو منظر اس کو دیکھنے کو ملا اس کے لبوں و تمسخرانہ سی مسکان نے چھوا تھا۔ اور حلق کڑوا ہوا۔ لویزا کا اس کی جانب چہرہ تھا جبکہ وہ جس کے ساتھ آئی تھی اس شخص کی اس کی جانب پیٹھ تھی۔۔

(ہونہہہہہہ،، یونی میں تو بی بی حاجن بنتی ہیں اور ادھر عیاشیاں ہو رہی ہیں) وہ دل میں بڑبڑایا۔

سیما اسے لئے ایسے ٹیبل پر بیٹھ گئی جو بلکل لویزا کے سامنے والا تھا۔ سیما نے آئسکریم آرڈر کی۔

جانے کیوں مگر اس کے ہوتے ہوئے ہال کا ہر منظر پھیکا پڑا ہوا تھا۔ سب کی نگاہیں اس سادہ مگر حسین چہرے کا تعاقب کر رہیں تھیں میک اپ سے پاک جو بلیک دوپٹے میں یوں لپٹا ہوا تھا جیسے رات کی گہری آغوش میں چودھویں کا چاند دمک رہا ہو۔

سیما نے جو بلو جینز کے اوپر ریڈ شارٹ ٹاپ پہنا ہوا تھا وہ بھی اپنے حسین ترین ہلکے میک اپ زدہ چہرے کے ساتھ جیسے پسِ منظر میں چلی گئی تھی۔

رانا میر ہادی بے دلی سے وہاں بیٹھا تھا جب پاس کے ٹیبل سے کچھ معنی خیز سرگوشیاں سی سنائیں دیں۔۔

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

وہ کافی دیر سے، بابا جب ادھر ادھر دیکھتے تو ان کے کپ میں سے آئسکریم کھائے جا رہی تھی۔

وہ اس کی شرارت سمجھ چکے تھے اسی لئے اسے گھورا۔

کیا،، بابا کے کپ والی زیادہ مزے کی لگ رہی ہے،، اس نے شرارت سے کہا۔۔

تو ٹھیک ہے میں اپنی پرنسز کو اپنے ہاتھوں سے اپنے کپ میں سے کھلاؤں گا۔۔

یہ بول کر اقبال صاحب نے اپنے کپ میں سے اس کو کھلانا شروع کی۔۔

پاس ہی ٹیبل پر کچھ منچلے نوجوان بیٹھے تھے۔ جو امیر لوگوں کی بگڑی ہوئی اولادیں لگ رہیں تھیں۔۔ جن کی نظر اب لویزا اور اقبال صاحب پر تھی اور وہ معنی خیز نگاہوں سے انھیں ہی دیکھ رہے تھے۔

ارے انکل جی دیکھو کتنے رنگین مزاق ہیں بھئی،، ہاہاہاہاہا،،،

مکروہ قہقھے حال میں گونجے۔

میرا تو دل کر رہا ہے ڈوب مروں،، ہم کیا مر گئے تھے جو اس حور کو یہ بڈھا ہی ملا،،

ہاہاہاہاہاہا

حور کے پہلو میں لنگور تو سنا تھا آج بڈھا پہلی مرتبہ دیکھا،،

اور دیکھ کے صدمے سے برا حال ہے،

وہ چاروں بنا حقیقت جانے اول فول بکے جا رہے تھے۔ ان کا ٹیبل میر ہادی کے ٹیبل کے بلکل قریب تھا سو ان کی بکواس وہ بخوبی سن پا رہا تھا۔ اور اس کی تیوری پر جانے کیوں بلوں کے جال میں اضافہ ہوا جا رہا تھا۔

لویزا آپ چلو میں بل دے کر آتا ہوں،، اقبال صاحب بول کر کاؤنٹر کی جانب چلے گئے۔ وہ سر ہلاتی اٹھی۔ اور باہر کی جانب بڑھی۔

وہ چاروں بھی اس کے پیچھے لپکے تھے۔

رانا میر ہادی کا میٹر شارٹ ہوا۔

سیما تم رکو، میں آتا ہوں،،

Whare are you going?

ضروری فون کال کرنی ہے ابھی آیا،، بول کر وہ باہر آیا۔

ہیبے بے بی، یہ میرا نمبر ہے اس بڑھے میں کیا رکھا، جو اس کے ساتھ ہو، تمھیں تو میرے ساتھ ہونا چاہیے،

ایک لڑکا نے لویزا کے سامنے آ کر بکواس کی۔ لویزا کا دماغ گھوما۔

وہ بڈھا باپ ہے میرا، تم باپ ہو میرے، لویزا نے پھنکار کر کہا تو ان چاروں پر گھڑوں پانی پڑ گیا۔۔

اب اگر نہیں چاہتے کہ میں اپنی سینڈل اتار کر تم لوگوں کے سر پر بجا دوں تو دفع ہو جاؤ میرے سامنے سے،، وہ پھر چلائی--

ارد گرد کے لوگ متوجہ ہوئے۔ وہ چاروں گڑبڑائے۔

پاس ہی پلر کی اوٹ وہ کھڑا سگریٹ کے گہرے کش لیتا یہ تماشہ دیکھ اور سن رہا تھا--

ارے آپ تو غصہ کر گئیں میڈم، میں تو فرینڈشپ کرنا چاہتا ہوں بس، ان میں سے جس کو اس بے اختیار حسن اور حسین ترین سرخ وسفید لڑکی میں زیادہ دلچسپی ہو رہی تھی اب وہ پھر ڈھیٹوں کی طرح اس سے مخاطب ہوا تھا مگر سامنے سے اب بھی نہیں ہٹا۔

جس سے میری فرینڈشپ ہے وہ میرے ساتھ ہیں مجھے کسی بھی اور ایرے غیرے فرینڈ کی ضرورت نہیں ،اب ہٹو گے سامنے سے کہ سکیورٹی گارڈ کو بلاؤں، وہ دانت پیس کر بولی تو اب کی بار وہ شرافت کا مظاہرہ کرتے سامنے سے ہٹ گیا۔

اقبال صاحب اندر سے باہر آئے۔ لویزا مسکرائی یوں جیسے کچھ ہوا ہی نہیں، اقبال صاحب اپنی بائیک تک آئے۔

اقبال صاحب بائیک پر بیٹھے۔

کچھ اور کھانا ہے میری پرنسز نے،،

نہیں بابا،، آپ کی آئسکریم سے ہی پیٹ فل ہو گیا،، وہ پیچھے بیٹھی۔

اقبال صاحب نے بائیک سٹارٹ کی اور وہاں سے نکلتے چلے گئے۔

دو نگاہوں نے دور تک بائیک کا تعاقب کیا۔

جھانسی کی رانی،،پاگل لڑکی، بٹ اپنے ڈیڈ کے ساتھ تھی، اور میں بھی،،، وہ بڑبڑایا اور اندر کی جانب آیا۔

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

لویزا لائبریری میں بیٹھی گہری سوچ میں تھی۔ سامنے بکس اور اسائنمنٹ کے پیپر پڑے تھے مگر وہ تو کسی اور ہی دنیا کی سیر کو نکلی تھی۔

جو ان کے ساتھ ہو رہا تھا وہ انتہائی غیر معمولی تھا۔ اور آج تیسرا دن تھا اسی تماشے کو۔ کیا یہ وہی کروا رہا تھا۔ اگر ہاں تو اس سے زیادہ گھمنڈی اور انا پرست کوئی نہیں تھا اور اگر نہیں تو ایسا کیوں ہو رہا تھا۔

آج اجالا بھی نہیں آئی تھی اور وہ سخت قسم کی بور ہو رہی تھی۔ اس کی گہری سوچ کے ارتکاز کو کسی کے قدموں کی قریب آتی چاپ نے توڑا تھا۔

اس نے سر اٹھا کر دیکھا تو وہی بددماغ شخص اس کو اپنی جانب آتا دکھائی دیا۔ جتنی شاندار پرسنیلٹی اتنا ہی گھمنڈی۔ اب بھی وہ بلیک پینٹ اور کیمل کلر شرٹ میں مغرور سی چال چلتا بکس ریک میں سے کچھ ڈھونڈ رہا تھا۔

وہ بدمزہ ہوئی پہلے ہی موڈ سخت قسم کا آف تھا اوپر سے یہ،، وہ جلدی سے اپنی چیزیں سمیٹنے لگی تاکہ فورا گھر چلی جائے۔

وہ جو کوئی بک ایشو کروانے آیا تھا۔ اس پر نگاہ پڑی۔ پر یہ دیکھ کر فورا رگیں تنیں کہ وہ اس کو دیکھ کر بھاگنے کے چکر میں ہے۔

وہ ناچاہتے ہوئے بھی پھر اس کے قریب آ کر اس کے سر پر سوار ہوا۔

کیا ہوا مس ایلوویرا،، گیس بتی گُل ہو گئ، افسوس تمھارے بابا کو تمھاری اس سو کالڈ اکڑ کی وجہ سے اس عمر میں اتنی خواری بھگتنی پڑ رہی ہے، ہادی کا لہجہ مزاق اڑاتا سا تھا۔

لویزا شاکڈ سی اپنی بکس کو دیکھے گئ۔

(تو واقعی یہ سب یہی کروا رہا تھا۔ اس کا دل تو کیا سامنے کھڑے شخص کو کہے چلو بھر پانی میں ڈوب مرو۔ وجوہات کئ ساری بنتی تھیں مگر دوبارہ اس بدتمیز کے منہ کون لگتا)

آخر چاہتے کیا ہیں آپ؟ وہ تلملا کر بولی۔

بتا چکا ہوں کیا چاہتا ہوں،، پینٹ کی پاکٹوں میں ہاتھ ڈالے اس کا اطمینان قابل دید تھا۔

آپ کو میری سوری میں اتنی دلچسپی کیوں ہے آخر مسٹر ہادی ، وہ پوچھ بیٹھی۔

اور تم میں اتنی اکڑ کیوں ہے آخر ایلوویرا،، وہ بھی اسی کے انداز میں بولا۔

جب میری کوئی غلطی ہے ہی نہیں تو میں معافی کس بات کی مانگوں، لویزا اب اپنی چیزیں سمیٹ کر اس کے سامنے کھڑی ہوئی تھی۔

مجھ سے الجھنے کی، رانا میر ہادی نے تنفر سے کہا۔

کیوں آپ خدا ہیں، جو کسی بھی عیب سے پاک ہیں، آپ سے مسٹیک نہیں ہو سکتی، ہو سکتی ہے، مگر میری کوئی بھی غلطی مجھ سے سوری نہیں بلوا سکتی، تم سے بلوا سکتی ہے،، (وہ نہیں جانتا تھا آگے جا کر ان کہے گئے الفاظ کے ہرجانہ کی ادائیگی کرتے وہ خون کے آنسو رونے والا ہے)

اس دن آپ کی بھی اتنی ہی غلطی تھی جتنی کہ میری ، تو آپ کو اپنی غلطی کیوں نظر نہیں آتی، چلو وہ بھی میں ہی بتا دیتی ہوں کیونکہ آپ ایک انتہائی اناپرست، گھمنڈی اور بدماغ شخص ہیں،، لویزا نے پتھر سے سر پھوڑا۔

ہیے یو ایلوویرا، منہ سنبھال کر بات کرو، وہ دانت پیس کر بولا۔

خبردار جو آپ نے بھی مجھے اس بیہودہ لفظ سے پکارا، لویزا اقبال نام ہے میرا،، وہ بھی چڑ کر بولتی جھٹکے سے پیر پٹختی وہاں سے چلی آئی تھی۔

رانا میر ہادی دانت پیس کر رہ گیا۔۔ افففففف یہ لڑکی مرے گی میرے ہاتھوں ،،،

آج اجالا کی طبیعت بہت ہی زیادہ خراب تھی۔ رات سے تیز بخار تھا تبھی وہ یونی نہیں گئی تھی۔ اب بخار تو میڈیسن لینے کی وجہ سے اتر گیا تھا مگر وہ کسلمندی سے اپنے بیڈ پر لیٹی کمفرٹر میں گھسی ہوئی تھی۔

فوزیہ بیگم بار بار اسے آ کر دیکھ لیتیں۔۔

اب بھی وہ نیم غنودگی میں تھی جب پھر روم کا دروازہ ہلکا سا ناک کر کے کوئی اندر داخل ہوا تھا۔۔

(نہیں جانتی تھی کوئی دن بھر کی اپنی بے چینیوں کا حساب کتاب لینے اس کے سر پر پہنچ چکا ہے)

مما پلیز، بچوں کی طرح تو مت ٹریٹ کریں یار، آئم فائن ناؤ،، وہ غنودگی میں ہی کمفرٹر سے ہی بولی۔

تو میری جان بچوں کی طرح نہیں میں تو بیوی کی طرح ٹریٹ کرنے آیا ہوں، اس نے کہتے کمفرٹر سے باہر نکلے اس کے گداز بازو پر اپنے لب رکھے تھے۔

اور عالی کے اس عمل اور بات پر اجالا بیگم کی غنودگی بھک سے اڑی تھی اور تڑپ کر اٹھی۔

وہ جو اس کے اوپر جھکا ہوا تھا اس کے کشادہ سینے سے ٹکرا کر پھر تکیے پر گر گئی۔

عالی کی ہنسی چھوٹ گئی۔

اففففففف کیا مصیبت ہے عالی،، پتھر باندھ رکھے ہیں کیا؟ اس نے اپنی چھوٹی سی ناک سہلائی۔

تو میری جان،، تمھارے لیے تو میں موم سے بھی زیادہ نرم ہوں، یہ بول کر اس نے اپنے لبوں سے اس کی ناک کو چھوا تو اجالا کے ہوش اڑے کیونکہ وہ مکمل اس پر جھکا ہوا تھا۔

عالی پیچھے ہٹیں،، بہت بدتمیز ہیں آپ،، وہ جھلائی۔

ابھی میں نے بدتمیزی کی کہاں ڈئیر فیانس،، اس کی نگاہوں کے فوکس اجالا کے گلابی لب تھے۔

عالی میں بہت برا پیش آؤں گی،، اس نے وارننگ دی تو عالی نے سرد سی آہ بھری۔

مگر پھر بھی ایک حدت بھرا نرم لمس اس کے ماتھے پر چھوڑا تو وہ پھر گڑبڑائی۔

عالی،، وہ چلائی۔

عالی مسکرایا اور پیچھے ہٹا۔ "کیا میں نے کیا کیا؟ وہ انجان بنا۔ کوئی نہیں جان، ایک مرتبہ اس صیاد کے دام میں پھنسی تو رہائی ممکن نہیں ہوگی،، پاگل کر دوں گا تمھیں، اس نے دانتوں تلے لب دباتے اس کا لہو چھلکاتا چہرہ دلچسپی سے دیکھا۔

سنیں عالی میں اچانک ہی یونی نہیں گئی، آپ نے لویزا کو دیکھا تھا یونی میں ،،وہ ایک دو دن سے کافی اپ سیٹ لگ رہی ہے،، اپ کو پتہ ہے کیا ہوا اسے،، اجالا نے اچانک کہا تو عالی نے نگاہیں چرائیں تھیں۔

نو اجالا مجھے نہیں معلوم،

اور مجھے ایسا کیوں لگ رہا ہے کہ آپ مجھ سے کچھ چھپا رہے ہیں،، وہ مشکوک سی ہوئی۔

مگر تبھی روم میں فوزیہ بیگم انھیں چائے کے لئے بلانے چلیں آئیں تھیں تو عالی کی گلو خلاصی ہوئی تھی وہ سرد سی آہ بھرتا اجالا کے پیچھے ہو لیا۔

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

وہ کینٹین میں بیٹھی اپنی آنکھوں میں آئی نمی کو بار بار پیچھے دھکیلنے کی کوشش کرنے میں ہلکان ہوئے جا رہی تھی۔ آج پھر عجیب ہو رہا تھا ہر تین میں سے دو لیکچرز میں اسے کسی نا کسی بہانے سے کلاس سے باہر کیا جا رہا تھا اور اب لویزا کی برداشت بھی جواب دینے لگی تھی۔

بیگ میں سے ٹشو نکالا اور اپنی آنکھوں کے کونے صاف کیے۔

رانا میر ہادی ایک ٹیبل پر بیٹھا کافی کے گھونٹ بھرتا گہری نگاہ سے اسے دیکھ رہا تھا۔

اجالا اسے ڈھونڈتی کینٹین میں آئی تھی وہ جلدی سے اپنی چیزیں سمیٹتی اٹھی اور اجالا کے ساتھ چلی گئی تھی۔

اجالا کا صدمے کے مارے برا حال تھا۔ لویزا خود پر بیتی تمام کار گزاری اسے سنا چکی تھی۔ اور اب وہ دونوں خاموش بیٹھی اس مسئلہ کا حل سوچ رہی تھی۔

جب عالی ان کے پاس آیا۔ کلاس میں اس وقت کوئی نہیں تھا۔

ان دونوں کو اتنا خاموش دیکھ کر وہ لویزا کی جانب گھوما تھا۔

لویزا آ،، آپ اس سے ایک مرتبہ سوری بول لیں، تو یہ معاملہ یہیں ختم ہو جائے گا،،

عالی نے نگاہیں چراتے اسے کہا تو لویزا نے شکوہ کناں نگاہوں سے پہلے اسے اور پھر اجالا کو دیکھا۔

آپ جانتے ہیں کہ ساری غلطی اس گھمنڈی، بددماغ، بدلحاظ، بدزبان اور جاہل شخص کی ہے، جو مجھے جھکا کر اپنی جھوٹی انا کی تسکین کی خاطر اب جانے کون کون سے اوچھے ہتھکنڈوں پر اتر آیا ہے تو میں سوری کیوں بولوں، سوری تو اسے بولنا چاہیے اپنے اتنے گرے ہوئے ہونے پر، اپنی جہالت پر، جسے دولت کے غرور نے اندھا اور ظالم بنا

دیا ہے، کہ زمین پر اکڑ کر چلتا غریب بندوں کا ناخدا بنا پھر رہا ہے، جانتے نہیں آپ زمانوں سے ایسے ناخداؤں کی اکڑ و غرور کو کیسے تار تار کیا جاتا رہا ہے،

وہ پھٹ پڑی۔

اور رانا میر ہادی جو عالی کو ڈھونڈتا وہاں آیا تھا یہ سن کر تن فن کرتا ان کی کلاس میں آیا تھا۔

آہٹ پر وہ تینوں چونکے تھے۔ وہ سامنے کھڑا خونخوار نگاہوں سے اسے گھور رہا تھا جس کے اطمینان میں رتی بھر بھی فرق نہیں پڑ رہا تھا۔

وہ شدید طیش و اشتعال میں اس کی جانب بڑھا تھا۔ کیا بکواس کی، زرا دوبارہ بولنا، اس کے بڑھتے قدموں کو عالی نے بیچ میں آ کر روکا تھا۔ جب اس نے ڈائس کو بری طرح کک رسید کر کے اپنا غصہ اس پر نکالا تھا اور ڈائس ایک دھماکے سے دور لویزا کے قدموں میں جا کر گرا تھا۔ کہ وہ کانوں پر ہاتھ رکھ کر آنکھیں زور سے میچ کر اپنی جگہ سے اچھل پڑی تھی۔

عالی اسے گھسیٹتا وہاں سے لے جا چکا تھا۔ ایک مرتبہ پھر وہ پوری یونی میں تماشہ اور چٹ پٹی گوسپ کا زریعہ بن چکی تھی۔

پوری یونی کو ان کے ہر جھگڑے کا پتہ چل چکا تھا مرچ مسالے کے ساتھ ہر جگہ اس بات کا زکر کیا جانے لگا۔ دشمنی میں ہی سہی لویزا اقبال کا نام رانا میر ہادی کے ساتھ لیا جانے لگا۔

اور یہ بات سیما کو انتہائی ناگوار گزری تھی کہ چاہے دشمنی اور نفرت میں ہی سہی لویزا کا نام میر ہادی کے نام کے ساتھ جڑ چکا تھا۔ کیوں آخر کیوں؟

آخر وہ نفرت میں ہی سہی کیوں اس کو اتنی اہمیت دیتا تھا کہ اس کا نام ہادی کے نام کے ساتھ لیا جاتا ہے۔ کیوں اس کو سر پر سوار کیے پھر رہا ہے۔

وہ گھر آئی۔ چھپ کر بے تحاشا روتی اس وقت کو کوس رہی تھی جب اپنی بد قسمتی سے جا ٹکرائی تھی۔

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

ایک ہفتے سے وہ گھر پر تھی۔۔انھیں پریشان کرنے کا سلسلہ ہنوز جاری تھا۔ اس نے یہ معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا تھا۔ بابا نے اس کی چھٹیوں کا پوچھا تو وہ طبیعت کا بہانہ کر کے سہولت سے انھیں ٹال گئی تھی۔

اجالا روز آ کر اسے لیکچرز کے نوٹس دے دیا کرتی تھی۔۔ وہ ابھی تک چٹانوں جیسا حوصلہ رکھے بیٹھی تھی۔ اس کے بابا اس کے ساتھ تھے تو کوئی اسے توڑ کیسے سکتا تھا۔

مگر پھر کچھ ایسا ہوا کہ وہ بری طرح ٹوٹ کے بکھری بھی اور روئی بھی، جب ایک دن اقبال جھکے سے کندھوں سمیت جاب سے آدھے دن میں ہی واپس آ گئے۔

پہلے تو کچھ نہیں بتایا مگر ان کی پریشانی دیکھ لویزا بے چین ہو چکی تھی۔ بے حد اصرار کر کے پوچھنے کے بعد انھوںنے بتایا کہ انھیں جاب سے بنا کوئی نوٹس دیئے بغیر کوئی وجہ بتائے نکال دیا گیا ہے۔ اور یہیں آ کر وہ ٹوٹی تھی کہ اقبال صاحب پہلے تو دوسرے (

گیس و بجلی کے) معاملات کو لے کر بے تحاشا پریشان تھے اور اب جاب کے چھوٹنے نے ان کی کمر جیسے توڑ کر رکھ دی تھی۔

لویزا کو وہ ایک ہفتے میں برسوں کے ضیعف اور بوڑھے دکھنے لگے تھے۔
انسان کے حوصلے بلند ہوں تو وہ اپنے لیے نہیں جھکتا نا ٹوٹتا ہے خود سے جڑے رشتوں کو ٹوٹتے بکھرتے دیکھ ضرور ٹوٹ سکتا ہے اور یہی ہوا تھا لویزا کے ساتھ،
وہ اپنے بابا کو اس قدر پریشان دیکھ ضرور ہار گئی تھی تبھی ایک فیصلہ کر کے اٹھی تھی۔
بابا آپ اپنے کمرے میں آرام کریں میں اجالا کی طرف ہو کر آتی ہوں، نوٹس سے متعلق ایک ضروری کام ہے، اسے نے نگاہیں چراتے کہا۔
ٹھیک ہے جاؤ گڑیا مگر اپنا خیال رکھنا، وہ کہتے اپنے بستر پر لیٹ چکے تھے۔
لویزا اپنے روم میں آئی۔ بلو فراک کے نیچے بلیک جینز پہن رکھی تھی۔ بلو دوپٹہ حجاب سٹائل میں اوڑھا اور کندھوں پر مخصوص انداز میں شال اوڑھی ۔ اپنا بیگ اٹھایا اور گھر سے نکلی۔
گھر سے نکل کر عالی کو کال کر کہ ایک ایڈریس ضرور مانگا تھا۔

رکشے میں بیٹھی تو آنسو لڑی اور موتیوں کی شکل میں گود میں بکھرنے لگے تھے۔

ہوش تو تب آیا جب مطلوبہ ایڈریس پر پہنچ کر رکشہ جھٹکے سے رکا تھا۔

سامنے ہی میر لاج کی پر شکوہ عمارت اس کے سامنے تھی وہ یہاں تک کس طرح آئی تھی وہی جانتی تھی۔

رکشے سے اتری۔

بھائی مجھے بس دس پندرہ منٹ کا کام ہے یہیں رکنا میں آتی ہوں،، پیسے ادا کر کے اس نے بولا تو رکشہ والے نے اثبات میں سر ہلایا۔

اس نے لرزتے کانپتے اندر کی جانب قدم بڑھائے۔

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

رانا میر ہادی کال پر زمینوں کے حساب کتاب کی ڈیٹیلز لے رہا تھا۔ بابا سائیں حویلی بلا رہے تھے۔ مگر وہ کچھ دن سے ٹال رہا تھا۔ کال جاری تھی جب افضل دستک دے کر اندر آیا۔ اسے مصروف دیکھ کر وہیں رک گیا۔

تقریباً دس منٹ کے بعد اس نے فون رکھ کر سوالیہ نگاہوں سے افضل کی جانب دیکھا۔۔

چھوٹے سائیں،، لویزا میڈم آئیں ہیں، ڈرائنگ روم میں بٹھایا ہے، آپ سے ملنے کا کہہ رہی ہیں، افضل نے کہا تو میر ہادی کے لبوں کو ایک فاتحانہ اور جاندار سی مسکراہٹ نے چھوا تھا۔

ہمم،، اس نے ہنکارا بھرا، تم جاؤ چائے پانی کا بندوبست کرو، میں دیکھتا ہوں، وہ اطمینان سے بولا اور چائے پانی کا بندوبست کرنے کا تو یوں بولا جیسے ان میں جانے کتنے خوشگوار تعلقات تھے یا دونوں جانے کتنے گہرے دوست تھے۔

وہ جانے کیوں مگر بلا ارادہ ہی ڈریسنگ کے سامنے آیا تھا اور اپنا حلیہ ملاحظہ فرمایا۔ وائٹ ٹی شرٹ کے نیچے بلیک ٹراؤزر، گھنے سیاہ بالوں میں ہاتھ پھیرتا وہ اپنے بیڈ روم سے ڈرائینگ روم کی جانب آیا تھا۔

مگر ڈرائینگ روم میں آ کر ایک مرتبہ تو ٹھٹھک کر رکا تھا۔

سامنے بیٹھی لڑکی یونی والی طنطنے اور رعب دار لویزا اقبال تو نہیں لگ رہی تھی۔ وہ جو سامنے بیٹھی تھی۔ سوجی متورم سرخ ہلکے زدہ آنکھیں، (کہ جانے کتنا روئی ہو) اترا چہرہ، ملگجے حلیہ، یہ تو کوئی اور ہی لویزا اقبال تھی۔

وہ قدم قدم چلتا اس کے سامنے آیا تو لویزا نے بیگ کو مضبوطی سے مٹھیوں میں جکڑا کہ جانے کتنا برداشت کر رہی ہو۔

وہ بغور اس کی ایک ایک حرکت نوٹ کر رہا تھا وہ سامنے آیا تو لویزا جھٹکے سے اٹھ کر کھڑی ہوئی۔

میر ہادی خاموشی سے کھڑا اس کی جانب دیکھے گیا جو کچھ کہنے کا حوصلہ جمع کرتی بری طرح اپنے لب کچل رہی تھی۔

ائم سوری،،،، رانا میر ہادی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا اور جھٹکے سے واپسی کے لئے مڑی۔ وہ جی بھر کر بد مزا ہوا تھا۔ اس کی سوجی آنکھیں، اترا ہوا متورم چہرہ دیکھ کر،

ہار گئیں،؟ جانے کیوں مگر جان بوجھ کر اسے روکنے کو پوچھا۔ وہ کچھ بھی بول کر اسے روکنا چاہتا تھا اسی لئے یہی سہی۔

مگر جب وہ حسب معمول اگنور کر کے جانے لگی تو میر ہادی بری طرح چڑا تھا۔ اور جھٹکے سے اس کے سامنے آیا۔

تمھاری پرابلم ہی یہی ہے، کم سنتا ہے کیا،،؟ میں نے کچھ پوچھا،،ایلو ویرا، وہ سخت جھنجھلایا۔

لویزا خاموشی سے سامنے کھڑے پاگل اور سنکی شخص کو دیکھے گئی۔ جب پھر رانا میر ہادی نے شوشا چھوڑا۔

شکست تسلیم کرتی ہو،؟

میرا جواب شاید تمھیں پسند نا آئے،کہیں تمھاری انا کو پھر نا ٹھیس پہنچ جائے اسی لئے جانے دو،، لویزا کا سرسراتا لہجہ میر ہادی اس کی جانب دیکھے گیا جب وہ پھر اس کے پہلو سے نکل کر جانے کو پر تولنے لگی۔

میں سننا چاہوں گا،، ہار گئیں،،؟ ایک ہی سوال تیسری مرتبہ پوچھا تو لویزا کے تلوؤں پر لگی اور سر پر بجھی تھی۔

اگر ایک کمزور اور اپنے سے کئی گنا کم حثیت لڑکی کو اپنی دولت اور رتبہ کے بل بوتے پر جھکا کر اسے تم اپنی جیت مانتے ہو تو مجھے تو تمھاری مردانگی پر ہی شک ہو رہا ہے میر ہادی، کیونکہ اگر مرد، ہوتے تو کسی ٹکر اور حثیت کے اپنے جیسے مرد سے مقابلہ کرتے، مگر تم تو مجھے جھکانے کے چکر میں اتنا نیچے گر گئے کہ ایک بوڑھے ضعیف العمر آدمی کو بھی نا بخشا اور اسے اس کی جاب سے نکلوا دیا ، تف ہے رانا میر ہادی تمھارے مرد ہونے پر، ایک بزدل اور کم ظرف ہو تم جو ایک کمزور لڑکی کو جھکا کر اسے اپنی فتح سمجھ رہے ہو،

وہ رانا میر ہادی کا دھواں دھواں چہرے پر ایک آخری نگاہ ڈالتے اس کے پہلو سے ہو کر نکلی مگر کچھ یاد آنے پر پھر رکی۔

جیت مبارک ہو رانا میر ہادی، اور میرا ایمان ہے، اور تمھیں بدعا کہ آج کے بعد یہ جیت تمھیں کبھی سکون نہیں لینے دے گی، اور ہاں ابھی یہ سب بول کر میں نے جو تمھاری انا کو ایک مرتبہ پھر ٹھیس پہنچائی ہے اس کے لئے،،

اگین سوری،،

وہ کہہ کر وہاں سے نکلتی چلی گئی تھی۔

اور سیما جو میر ہادی سے ملنے وہاں اپنی گاڑی میں آئی تھی لویزا کو میر لاج سے نکلتے دیکھ جل کر خاک ہوئی تھی۔

وہ تن فن کرتی اندر آ کر میر ہادی کے سر پر سوار ہوئی تھی۔

یہ آخر لگتی کیا ہے تمھاری؟ کیوں آئی تھی یہاں؟ میر ہادی کیوں دے رہے ہو اسے اس قدر امپورٹنس کو وہ میر لاج تک پہنچ گئی، بات کیا ہے آخر؟ مجھے بتاؤ، میں سننا چاہوں گی،،

وہ جو پہلے ہی دل وجاں سے جلا بھنا بیٹھا تھا۔۔ سیما کی باتوں سے مزید اس کا خون کھول اٹھا تھا۔

گارڈز،، وہ دھاڑا،، افضل بھاگ کر اندر آیا سیما بھی اپنی جگہ سے اچھل پڑی تھی۔

اس کو اندر آنے کی پرمیشن کس نے دی اٹھا کر باہر پھینکو،، وہ ہزیانی سا ہو کر چلایا تو افضل نے اسے باہر جانے کا اشارہ کیا۔

زلت و اہانت سے جس کا چہرہ لال بھبھوکا ہو چکا تھا۔

وہ تیز قدموں سے چلتی باہر نکلتی چلی گئی۔

پیچھے میر ہادی نے ڈرائینگ روم کی ہر چیز تہس نہس کی تھی۔

ایک ہفتہ ہو چکا تھا۔ لویزا کو سکون آیا تھا۔ سب ٹھیک ہو چکا تھا۔ بجلی گیس کا مسئلہ بھی حل ہو گیا تھا اور کمپنی نے معزرت کے ساتھ اقبال صاحب کو ناصرف واپس جاب پر لیا تھا بلکہ ان کی پروموشن بھی کی تھی۔

وہ ایک ہفتے سے دوبارہ یونی جا رہی تھی-- اور اس دوران صد شکر کہ ایک منحوس چہرہ دوبارہ دیکھنے کو نہیں ملا تھا۔

یعنی راوی چین ہی چین لکھ رہا تھا۔

گہری خاموشی تھی۔

مگر کیا یہ سکوت اور گہری خاموشی کسی بڑے طوفان کی آمد اور پیش خیمہ ہونے کا اشارا تو نہیں تھا،،؟

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

For more books 0313-6137393

کیا بات ہے میرا بچہ کچھ الجھا الجھا سا لگ رہا ہے،؟ وہ جو ایک ہفتے سے حویلی میں تھا۔ آج کسلمندی سے ممتاز بیگم کی گود میں منہ دیئے لیٹا تھا۔

کچھ نہیں امی سائیں،، کوئی خاص بات نہیں،، اس نے آنکھیں موندے موندے کہا۔

یونیورسٹی نہیں جانا کیا؟ ممتاز بیگم کو فکر ستا رہی تھی۔ وہ تو یوں حویلی سے بھاگ بھاگ کر لاہور جاتا تھا جیسے قید سے چھوٹا قیدی بھاگتا ہے مگر اب کی بار تو ہفتہ ہو چکا تھا اس نے جانے کا نام نہیں لیا تھا ابھی تک۔

کل جاؤں گا ،، اماں سائیں نظر نہیں آ رہیں،، طبیعت تو ٹھیک ہے ناں ان کی،میر ہادی اٹھ کتمر بیٹھا گھنے بالوں میں ہاتھ پھیرا اس نے بات گھمائی اور ماں کی خود سے توجہ ہٹا کر دوسری جانب مبزول کرنا چاہی۔ مگر وہ ماں تھیں اس کی۔

اچھا ٹھیک ہے آرام کرو، میں اماں سائیں کو دیکھتی ہوں، وہ اٹھ کر گئیں تو وہ دوبارہ اپنے بیڈ پر بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے آنکھیں موندے لیٹ گیا۔ اور آنکھوں پر بازو رکھ لیا۔

جب دروازے سے اندر آتی آہٹ محسوس ہوئی۔ آہٹ بیڈ کے قریب آئی تو اس نے بازو آنکھوں پر سے ہٹایا۔ سب سے پہلے نگاہ پاؤں پر پڑی جینز کی بلیک پینٹ کے اوپر بلو فراک،

وہ جانے کیا تصور کر کے جھٹکے سے اٹھا تھا۔۔ مگر سامنے کھڑی جس ہستی پر نگاہ پڑی موڈ پھر بری طرح آف ہوا تھا۔

کتنی مرتبہ کہا ہے کہ جب یہاں آیا کروں تو اپنی منحوس شکل مت دکھایا کرو مجھے، اور یہ کیا بے ہودہ لباس پہن رکھا ہے،، وہ بگڑے تیور لیے خواہ مخواہ دھاڑا تو بختاور سہم سی گئی۔

وہ جج،، جی،، امی سائیں نے لا کر دیا تھا یہ لباس اور اماں سائیں نے مجھے یہاں بھیجا کہ آپ سے پپ پوچھ لوں کہ کسی چیز کی ضرورت تو نہیں آپ کو،،؟ وہ ڈری سہمی سی بولی۔

فی الحال تو اپنی یہ روندو شکل لے کر گم ہو جاؤ یہاں سے، اور کیا چاہیے مجھے،، سکون چاہیے،، سو گیٹ لاسٹ،، وہ خواہ مخواہ ہی انگارے چبا رہا تھا۔

(زہر لگتی تھیں اسے روندو ڈری سہمی لڑکیاں ،،

اسے تو،، بسسسسس جانے ہی دو)

بختاور آنسو بہاتی ایک مرتبہ پھر زلیل ہو کر کمرے سے جا چکی تھی--
اسنے جھنجھلا کر کروٹ بدلی۔ کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ سکون کیوں نہیں آ رہا تھا۔

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

آج بہت بڑا دن تھا۔ یونیورسٹی کے ایک بڑے سمینار میں رانا میر ہادی کے دادا رانا میر ہاشم نے شرکت کرنی تھی۔ اسی لئے وہ خاص تیاری کے ساتھ انھیں کے ساتھ لاہور آیا تھا اور انھیں کے ساتھ سمینار میں بھی شرکت کی تھی۔
سو وقت پر دونوں تیار تھے۔ دن گیارہ بجے کے قریب ان کی گاڑیاں یونی کی پارکنگ میں رکیں تھیں۔ پورے پاکستان کا میڈیا انھیں کوریج دے رہا تھا۔

آج سمینار تھا سو وہ اور اجالا خاص تیاری کے ساتھ آئیں تھیں۔ دونوں نے ایک جیسی فراکس پہنی تھیں۔ لویزا کی وائٹ پیروں تک فراک تھی اور اجالا کی گرے، وہ دونوں ہاتھ تھامے آڈیٹوریم میں داخل ہوئیں تھیں۔

سٹیج پر رانا میر ہادی سنجیدگی سے اپنے دادا کی چیئر کے ساتھ والی چیئر پر بیٹھا تھا۔ ایک اچٹتی سی نگاہ سامنے کرسیوں کی قطار کے بیچ ایک سفید لباس والی لڑکی پر ڈالی تھی۔

سیمینار کامیابی کے ساتھ اختتام پزیر ہوا تھا۔

رانا میر ہاشم جا چکے تھے۔ ان کے جانے کے بعد میڈیا والوں نے میر ہادج پر فوکس کیا تھا۔

چند سوالات کا جواب دے کر وہ عالی کے پاس چلا آیا تھا۔

صد شکر کے میڈیا والے بھی جا چکے تھے جب یونی میں غیر معمولی ہلچل سی ہوئی۔ تبھی ان کا کلاس فیلو سمیر ہانپتا ان کے پاس آیا تھا۔

میر ہادی، عالیان چلو میرے ساتھ،، اس نے عجیب سے لہجے میں کہا تو وہ دونوں اس کے ساتھ ہو لیے،،

آڈیٹوریم میں حد نگاہ اسٹوڈنٹس کی بھیڑ تھی۔ رانا میر ہادی سامنے کا نظارا دیکھ غصے سے پاگل ہوا تھا جبکہ اسی بھیڑ میں سیما کھڑی تمسخرانہ سی ہنسی ہنستے اپنے حسد و بدلے میں کیے گئے کانامے پر خود کوداد دے رہی تھی جیسے۔۔

اور سٹیج کی دیوار پر میر ہادی اور لویزا کی تصویر کے ساتھ جلی حروف میں لکھا گیا تھا۔

Tom and Jerry

Fight but always live together,,,, Amazing,,,

سٹیج کے قریب اسی بھیڑ میں لویزا اجالا کے گلے لگ کر روئے جا رہی تھی جب اس کے کانوں میں سرگوشیاں سنائی دیں۔۔

لو آ گیا ٹام بھی،،

لویزا ایک جھٹکے سے اجالا سے الگ ہو کر شعلہ جوالا بنی رانا میر ہادی کے سامنے آئی تھی۔

ی،،، یہ،،، تت،، تم نے کیا ناں،، اپنا بدلہ لینے کو،،

رانا میر ہادی نے خالی خالی نگاہوں سے سرخ اور بھیگا چہرہ لیے سامنے کھڑی اس معصوم لڑکی کو دیکھا جو اس کے پاگل پن اور فضول کی ضد اور گھمنڈ کی وجہ سے محض ایک مزاق بن کر رہ گئی تھی۔۔

نو،،،،، بلکل نہیں،، میں نے،،

چٹاخ،،،،،،،،، زناٹے دار تھپڑ کی آواز پورے آڈیٹوریم میں گونجی تھی جیسے۔۔

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

وہ تھپڑ کی گونج نہیں لویزا اقبال کی بربادی کی گونج تھی شاید۔

میر ہادی اس کی جرات اور ہمت پر بے یقینی سے لہو چھلکاتے چہرہ لیا اسے دیکھے گیا۔

جو اب خود اپنی اتنی ہمت پر صدمے سے گنگ دونوں ہاتھ اپنے ہونٹوں پر رکھ کر پھوٹ پھوٹ کر روتی وہاں سے نکلتی چلی گئی تھی۔ اجالا اس کے پیچھے بھاگی۔

All of you people get lost from here if you don't want to die,,,

رانا میر ہادی کی دھاڑ پورے آڈیٹوریم میں گونجی تو ہال خالی ہوتا چلا گیا کیونکہ اسلحے سے لیس اس کے گارڈز آڈیٹوریم میں پہنچ چکے تھے۔ چند لمحوں میں ہال خالی ہو چکا تھا۔

افضل نے وہ تصویریں وہاں سے اتروائیں میر ہادی نے انھیں آگ لگائی تھی۔

تب وہ افضل کی جانب لپکا۔ اور اسے گریبان سے پکڑا تھا۔

افضل مجھے وہ لڑکی چاہیے،، آج ہی،، سمجھے ،اپنے فارم ہاؤس پہ، آج رات وہ اس تھپڑ کی قیمت چکائے گی،، جاؤ،

میر ہادی اس وقت ایک سنکی، جنونی اور پاگل سا لگ رہا تھا۔ اسی لیے جو بھی کر رہا تھا سوچے سمجھے اور انجام کی پرواہ کیے بغیر کر رہا تھا۔

افضل اپنے مالک کے حکم کی تکمیل کرنے وہاں سے جا چکا تھا جبکہ میر ہادی اپنے گارڈز کے ساتھ میر لاج چلا آیا تھا۔

وہ رکشے میں اجالا کے ساتھ بیٹھی مسلسل ہچکیوں سے روئے جا رہی تھی۔ اور اجالا مسلسل اسے خاموش کرانے کی تگ ودو میں ہلکان ہو رہی تھی۔ ابھی رکشے نے آدھا راستہ ہی پار کیا تھا جب جھٹکے سے رکشہ رکا۔

لویزا اور اجالا نے چونک کر سامنے اور باہر دیکھا۔ جب چند مسلحہ دیو ہیکل افراد ان پر حملہ آور ہوئے تھے۔ اور لویزا کو کھینچ کر رکشے سے باہر نکالا تھا۔

اے چھوڑو اسے، کون ہو تم لوگ،، میں نے کہا چھوڑو اسے،، اجالا ان کے ساتھ دست گریباں ہوئی۔ اور فورا فون نکال کر پولیس کو کال ملانی چاہی مگر ان میں سے ایک نے اس کا فون چھین کر دور اچھالا تھا۔

وہ لویزا کو بے ہوش کر چکے تھے۔ تبھی اس کہ مزاحمت دم توڑ چکی تھی۔ اجالا کے لاکھ احتجاج اور تڑپنے کے باوجود دیکھتے ہی دیکھتے ان کی گاڑی آنکھوں سے اوجھل ہو چکی تھی۔

اجالا بے تحاشا روتی بے ہوش ہوئی تھی۔۔

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

وہ میر لاج کے لاؤنج میں بیٹھا تھا۔۔ سینے میں ایک غم و غصے کا حشر اور طوفان سا برپا تھا ۔مانتا تھا اس نے ناچاہتے ہوئے بھی بہت غلط کیا تھا اس کے ساتھ، اپنے دل کی سنتے مداوا بھی کر چکا تھا۔ اور اس نے کیا کیا،؟ اس نے یہ بھی سننے کی زحمت گوارا نہیں کی تھی کہ یہ چیپ حرکت اس نے نہیں کی تھی۔

جس نے کی تھی آدھے گھنٹے کے اندر اندر اس کا پتا کروا کر اس کا دماغ اچھی طرح درست کر کے آیا تھا۔

اسے پتہ لگنے کی دیر تھی کہ یہ سب سیما نے کیا۔۔وہ اپنے گھر جا رہی تھی جب میر ہادی نے اسے آدھے رستے میں جا لیا تھا۔

وہ اسے اور اس کے تیور دیکھ سہم گئی تھی۔۔ اور سچ مچ ہی میر ہادی نے اس کی گاڑی پر پیٹرول ڈالنا شروع کیا تھا وہ چیختی چلاتی رہی مگر گاڑی سے باہر نا نکل سکی۔ تب رانا میر ہادی کے سینے میں جو بھانبھڑ جل رہے تھے اسی طرح اس نے سیما کی گاڑی کو آگ دکھائی تھی۔

وہ چلاتی رہی ،

مہر ہادی نے اسے گاڑی سے گھسیٹ کر باہر پھینکا تھا جب گاڑی میں ایک زور دھماکہ ہوا۔

وہ اپنا انجام دیکھ وہیں چلاتی بے ہوش ہوئی تھی مگر ہادی اسے چھوڑ کر اپنی جانب سے بھاڑ میں جھونک کر میر لاج چلا آیا تھا۔

اور اب اپنی جان سگریٹ میں جھونک رکھی تھی جب افضل لاؤنج میں داخل ہوا تھا۔

میڈم کو فارم ہاؤس پہنچا دیا ہے چھوٹے سائیں،، افضل نے کہا تو اس نے ایک مرتبہ پھر وہ سب یاد کرتے جبڑے بھینچے تھے۔

چلو میرے ساتھ وہ جھٹکے سے اٹھا طوفان بنا میر لاج سے نکلا تھا۔

چند گھنٹوں بعد اسے ہوش آیا تھا اور خود کو ایک انجان جگہ، انجان کمرے میں بیڈ پر پایا۔ اسے سمجھنے میں دیر نا لگی کہ اسے اس کا طیش میں بغیر سوچے سمجھے مارا گیا تھپڑ یہاں تک لے آیا ہے۔ دل کیا اپنا ہاتھ ہی کاٹ دے یا خود کشی حرام نا ہوتی تو وہ کب کی کھڑکی سے کود کر اپنی جان دے چکی ہوتی۔ مگر نہیں ،، اس نے حوصلہ نہیں ہارا۔ اپنے بابا کے پاس جو جانا تھا۔

چھوڑ دو مجھے،،مجھے بابا کے پاس جانا ہے،،معاف کر دو مجھے،،

خدا کے لئے میر ہادی چھوڑ دو مجھے،،فرعون مت بنو،، اس کی آہیں اور سسکیاں کئی گھنٹوں سے اس تین منزلہ ویران عمارت کی تیسری منزل پر گونج رہیں تھیں۔۔مگر یہاں

اس کی پکار سننے والا کوئی نہیں تھا۔ بس رانا میر ہادی کے دیو ہیکل آدمی تھے جو دروازے کے باہر چوکس سے کھڑے تھے۔۔

اس سے نیچے والے پورشن میں رانا میر ہادی اپنے شاہانہ بیڈ روم میں بلیک شلوار قمیض پہنے مردانہ شال کندھوں پر ڈالے صوفے پر کروفر سے بیٹھا لال انگارا آنکھوں اور تنی رگوں سے گھونٹ گھونٹ اپنے اندر حرام مشروب انڈیل رہا تھا اور اوپر سے آنے والی آہوں،، سسکیوں کی آوازیں سن کر سکون حاصل کرنے کی ناکام سی کوشش کر رہا تھا۔ دل و دماغ کی ضمیر کے ساتھ ایک جنگ چھڑی ہوئی تھی۔ اب دیکھنا یہ تھا کہ گھمنڈ اور سو کالڈ انا کی جیت ہونی تھی یا تھپک تھپک کر سلانے کی کوشش کرتے ضمیر کی۔ وہ جتنے سکون سے بیٹھا تھا،،اتنا ہی اس کے اندر غم وغصے اور اشتعال کا طوفان اٹھ رہے تھے۔۔ جو کرنے جا رہا تھا اس کے لئے اس حرام مشروب کا سہارا لینا بہت ضروری تھا۔

تتلیوں کے موسم میں نوچنا گلابوں کا

دیکھ کر پرندوں کو باندھنا نشانوں کا

رِیت اس نگر کی ہے اور جانے کب سے ہے

شہر کے یہ باشندے، نفرتوں کو بو کر بھی،،

انتظار کرتے ہیں،،،،،،،،،،، فصل ہو محبت کی،،

بھول کر حقیقت کو ڈھونڈنا سرابوں کا

رِیت اس نگر کی ہے اور جانے کب سے ہے

آخر وہ مغرور ،گھمنڈی انا پرست شخص دھیمے مگر مغرور قدموں سے اٹھتا اوپر کی جانب چل دیا۔۔سیڑھیاں چڑھ کر وہ اس کمرے کی جانب بڑھا، کسی کو برباد کرنے،، ایک بے بس لاچار، اور کمزور سے وجود کو روندنے کے لئے،، ایک معصوم کلی کو مسلنے چلا تھا۔

دروازے کی ناب پر ہاتھ رکھا۔ روح کو کچوکا لگا۔مگر انا اور غرور نے سینے سے سر پٹخا تو وہ سب بھلائے تنی رگیں لیے اندر داخل ہو گیا۔۔

سامنے ہی وہ بیڈ پر گھٹنوں میں سر دیئے اسی طرح آہ و زاری کرنے میں مصروف تھی۔آہٹ پر جھٹکے سے سر اٹھا کر اپنے سامنے تنے کھڑے اس فرعون شخص کو نفرت و بے بسی کی ملی جلی کیفیت سے دیکھا۔

"تم جانتی ہو کہ تم یہاں کیوں لائی گئی ہو لویزا اقبال،، تم کچھ بھی کرتیں،، کتنی بھی دشمنی نبھاتی مجھ،، کتنی بھی نفرت کرتیں ،، مگر پوری یونی کے سامنے تمہیں رانا میر ہادی کو تھپڑ مار کر زلیل نہیں کرنا چاہیے تھا،، اور اب آج کی رات یہی زلالت میں تمھارے مقدر میں لکھ دوں گا تاحیات کے لئے،، وہ ایک ایک لفظ چباتا اتنا نشہ کرنے کے باوجود اپنے پاؤں پر کھڑا سامنے بیٹھے کمزور اور نازک وجود کو خونخوار نگاہوں سے گھور رہا تھا۔

اس کے تیکھے اور کڑوے لہجے اور بڑھتے قدموں نے لویزا کی جان لبوں پر لائی تھی--میر ہادی نہیں،، تم ایسا کچھ بھی نہیں کر سکتے میرے ساتھ،، وہ چلائی۔ مگر میر ہادی نے ہاتھ بڑھا کر اس کا دوپٹہ نوچ کر دور اچھال کر اسے اس بات کا ثبوت دیا تھا کہ آج وہ کچھ بھی کر سکتا ہے۔"میں تمھیں برباد کر دوں گا لویزا اقبال،، اور اپنی اس بربادی کی زمہ دار تم خود ہوگی،، سمجھیں،، وہ غرایا تھا

وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر جھٹکے سے میر ہادی کے قدموں میں گری تھی۔۔

اور اس سے تمھیں کیا ملے گا میر ہادی،، صرف وقتی انا کی تسکین، یا اس وقت جو شیطان تم پر سوار ہے اس کی تسکین؟ اس کے بعد کیا؟ ساری زندگی خود سے نگاہیں ملا پاؤ گے؟ کفارہ ادا کر پاؤ گے ؟ اس رات میں کیے گئے گناہ کا کفارہ کبھی نہیں ادا کر پاؤ گے میر ہادی،، مجھے معاف کر دو ،، جانے دو مجھے،، میں وعدہ کرتی ہوں پوری یونی کے سامنے تم سے معافی مانگو گی،، کبھی تمھارے سامنے نہیں آؤں گی، وعدہ کرتی ہوں، جانے دو مجھے،،

لویزا کے گرم آنسو میر ہادی کے شفاف ٹھنڈے پاؤں پر گرے تھے۔ میر ہادی نے بے دردی سے اپنے لب کچلے۔

(ہاں،، اگر اس رات کو وہ ایک بے بس لاچار کی روح پر ظلم کی داستاں لکھے گا، کسی کی معصومیت روندے گا، کسی کی پاکیزگی کو داغدار کرے گا تو کہاں سے کرے گا

کفارہ ادا۔ ساری زندگی ضمیر روح کو کچوکے لگائے گا۔ تا عمر کے لئے ایک گناہ کا بوجھ اپنے کندھے پر لادے گا)

نہیں وہ ایسا نہیں کرے گا تبھی جھٹکے سے بازوؤں سے تھام کر اسے اپنے قدموں میں سے اٹھا کر اپنے روبرو کھڑا کیا تھا۔

لویزا اقبال اس سے پہلے میں تمھیں برباد کر دوں،، دفعہ ہو جاؤ میری آنکھوں کے سامنے سے،،

وہ دانت پیس کر بولتا اس کے سر پر اپنے کندھے سے اتار کر اپنی مردانہ شال اوڑھا چکا تھا۔ وہ بے یقینی کے عالم میں اس سے دور ہوتی کھلی کھڑکی کے پاس جا لگی۔۔

افضل،، وہ دھاڑا،، میڈم کو ان کے گھر چھوڑ کر آؤ،، ابھی اور اسی وقت باعزت،، احترام کے ساتھ،، وہ بول کر اس کی جانب سے رخ پھیر گیا۔۔اور ہاتھ کمر پر باندھ لیا۔۔لویزا ہنوز سسک رہی تھی۔۔

کیا چاہتی ہو میرا ارادہ بدل جائے،، وہ پھر دھاڑا مگر لویزا تو جیسے بے یقینی کے عالم میں پتھر کی ہو چکی تھی تبھی میر ہادی کا ایک آدمی بے تحاشہ گھبراہٹ کے عالم میں اس کمرے کے دروازے تک آیا تھا۔۔

چھوٹے سائیں،، بہت بری خبر ہے،، میڈم کے بابا نے بد نامی کے ڈر سے خود کشی کر لی ہے،، وہ اب اس دنیا میں نہیں رہے،،

میر ہادی کے سر پر سات آسمان گرے تھے جیسے ۔۔کان سائیں سائیں کرنے لگے تھے۔۔

لویزا پھٹی پھٹی نگاہوں سے اس شخص کی پیٹھ کو دیکھ رہی تھی جس نے اسے برباد کرنے سے تو نجات دے دی تھی ۔ بچا لیا تھا اپنی درندگی اور وحشی پن سے ۔مگر اس سے اس کی جینے کی وجہ ضرور چھین لی تھی۔۔ تو اب وہ زندہ رہ کر کرے گی بھی تو کیا۔ کیا کوئی اعتبار کرے گا کہ وہ آدھا دن اور رات کے گیارہ بجے لوٹی اغوا شدہ لڑکی باعزت واپس لوٹی ہے،

میر ہادی وہیں جیسے پتھر کا بت بن چکا تھا۔

لویزا ایک قدم پیچھے ہٹی تھی ۔آنکھیں بند کیں اور کھڑکی میں اس کا نازک کمزور وجود غائب ہو گیا۔

دھماکے کی آواز پر میر ہادی نے پیچھے مڑ کر دیکھا تھا۔۔ وہ پاگل بنا کھڑکی تک آیا تھا جہاں صرف اس کی شال تھی۔۔کھڑکی کے نیچے فرسٹ فلور پر کھڑی اس کی سفید گاڑی پر پڑا وہ نازک وجود اپنے ارزاں خون میں لت پت اس کی قیمتی گاڑی کو بھی خون آلود کر چکا تھا۔۔ ڈور اور ونڈوز کے شیشے چھناکے سے ٹوٹ کر ارد گرد بکھرے پڑے تھے۔۔

لویزا اقبال اب خاموش تھی۔ بہت خاموش،، اپنے تھپڑ کی قیمت اپنی جان دے کے چکا چکی تھی شاید۔

میر ہادی دیوانوں کی طرح دو دو تین تین سیڑھیاں پھلانگ کر نیچے آیا تھا۔

لویزا،، وہ دھاڑا،، اور دیوانہ وار خون میں لت پت لویزا کو نرمی سے گاڑی سے نیچے اتارا تھا۔ پیچھے سے سر بلکل جیسے پچک کیا گیا تھا۔

افضل گاڑی نکالو،،، وہ حلق کے بل چلایا۔

چھوٹے سائیں،، لگتا ہے میڈم نہیں،،

شٹ اپ یو،،، ایسا نہیں ہو سکتا،، کبھی نہیں ،،میں ایسا ہونے نہیں دون گا،، نہیں جانے دوں گا اسے، یہ مجھے ایک قاتل بنا کر کہیں نہیں جا سکتی سمجھے،، گاڑی نکالو،، وہ چیخ رہا تھا چلا رہا تھا، ہذیانی ہو رہا تھا ۔ افضل نے گاڑی نکالی۔ میر ہادی نے اسے بازوؤں میں بھر کر اپنی گاڑی میں لٹایا۔

گاڑی ہوا کی سی رفتار سے اس عمارت سے نکلی تھی--

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

رانا میر ہادی سٹی ہاسپٹل (جس کے ٹرسٹی رانا میر ہاشم تھے) میں اپنے خاص پیشنٹ کے ساتھ آیا تھا۔ پورے ہاسپٹل میں ایک ان دیکھی سی ہلچل مچ چکی تھی۔

رانا میر ہادی اپنے بازوؤں میں ایک زخمی لڑکی کو اٹھا کر اندر آیا تھا۔ لا کر اسے سٹریچر پر نرمی سے لٹایا۔ سٹریچر کے ساتھ ساتھ تیز قدموں سے چلتا وہ آئی سی یو کے باہر تک آیا تھا۔

تمام رستے بے چینی سے اس کی نبض ٹٹولتا رہا تھا جو بے حد دھیمی چلتی اب جیسے رکنے کو تھی۔

تمام ڈاکٹرز کی ٹیم حرکت میں آ چکی تھی۔ جب وہ ایک جاننے والے ڈاکٹر کے دست وگریباں ہوا تھا۔

ڈاکٹر عثمان، اگر اسے کچھ ہوا تو میں اس پورے ہاسپٹل کو آگ لگا دوں گا،، سب کو زندہ جلا دوں گا میں،،

وہ شاید اپنے حواسوں میں نہیں تھا۔ تبھی بھیگی پلکیں اور لال انگارا آنکھیں لیے ڈاکٹرز کے منہ کو آ رہا تھا۔

پیشنس رکھیں،، رانا صاحب،، دعا کریں، زندگی اور موت تو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، انشاءاللہ آپ کی وائف کو کچھ نہیں ہوگا،،

ڈاکٹر اس کا کندھا تھپتھپاتا او پی ڈی میں غائب ہوا تھا۔ چوٹ سر پر لگی تھی تبھی ہاسپٹل کے بڑے نیروسرجن کو بھی بلا لیا گیا تھا۔

معاملا رانا میر ہادی کا تھا سو بلڈ کا انتظام بھی ہاسپٹل والوں نے پرسنلی کیا تھا۔

جب دوبارہ ڈاکٹر عثمان ایک پیپر ہاتھ میں تھامے اس کے پاس آئے تھے۔ اور اس کی جانب پین اور فائل بڑھائی۔

رانا میر ہادی نے بھسم کرنے والے انداز، میں ڈاکٹر کو دیکھا تھا۔

رانا صاحب سرجری سٹارٹ کر دی گئی ہے میم کی،،کنڈیشن تو بہت کریکٹل ہے پر ہم اپنی سر توڑ کوشش کریں گے انھیں بچانے کی، ابھی آپ یہ پیپر سائن کر کے فارمیلٹی پوری کر دیں، ڈاکٹر عثمان نے اسے نرمی سے سمجھاتے خود ہی پیپر اس کے سامنے کیا۔

سائن ہیئر مسٹر رانا،، ڈاکٹر نے ہزبینڈ کے باکس کی جانب اشارہ کرتے ادھر انگلی رکھی ۔ رانا میر ہادی نے غائب دماغی سے ادھر ہی سائن کر دیئے۔ ڈاکٹر عثمان آئی سی یو میں چلے گئے۔

آئی سی یو کے باہر وہ بینچ پر سر جھکائے بیٹھا فرش کو گھور رہا تھا جب عالی حواس باختہ سا اس کے پاس آیا تھا۔

میر ہادی ،،،عالی نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ تب وہ تڑپ کر اس سے لپٹا تھا اور جوان ہونے کے بعد شاید پہلی مرتبہ رویا تھا۔

عالی میں ایسا کچھ بھی نہیں چاہتا تھا، میں قاتل نہیں ہوں، جانتے ہو ناں تم، ی،، یہ سب انجانے میں ہوا، غلط فہمی سے ہوا، تم جانتے ہو ناں،

کالم ڈاؤن ہادی، پلیز،، سنبھالو اپنے آپ کو سب ٹھیک ہو جائے گا،، عالی نے اس کے کندھے تھپتھپا کر اسے پرسکون کرنے کی کوشش کی۔

اس کی زندگی میں آنے والا یہ دھچکا یہ حادثہ معمولی نہیں تھا رانا میر ہادی کی دنیا تہہ وبالا کر چکا تھا۔

♡ ♡ ♡ ♡ ♡ ♡ ♡ ♡ ♡ ♡ ♡ ♡ ♡ ♡ ♡ ♡

ممتاز بیگم کی آہیں اور سسکیاں پورے گھر میں گونج رہیں تھیں۔ ظفر یونی سے لے کر گھر تک لویزا کو ہر جگہ تلاش کر چکا تھا۔ مگر وہ کہیں نہیں ملی تھی۔

اپنے بابا کی میت پر وہ موجود نہیں تھی۔ اپنے بابا کا آخری دیدار بھی نہیں کر پائی تھی۔

جانے کدھر تھی۔۔

اقبال صاحب ہر فکر سے آزاد اپنے آخری سفر کو روانہ ہو چکے تھے۔

اب تو پورے محلہ میں چہ میگوئیاں ہونے لگی تھیں۔ مختلف آوازیں تھیں جنھیں سن کر ممتاز بیگم کا کلیجہ پھٹا جا رہا تھا۔ کہ جانتی تھی ان کی پھولوں سی باکردار بچی بلکل بے قصور ہوگی یقینا اس کے ساتھ کوئی انھونی ہوئی ہوگی۔

ارے ہوگا کسی یونی فیلو کے ساتھ معاشقہ،

منہ کالا کر کے بھاگ گئی،

اپنے باپ کی بھی پرواہ نہیں کی،

مر گیا بیچارا صدمے سے،

غرض ہر طرح کی بکواس کی جا رہی تھی۔

ممتاز بیگم خاموش تھیں کیا کہہ سکتی تھیں کہ زمانے کی تو یہی روایت تھی جیسے کہ حقیقت جانے بنا خود ہی واقعات اخذ کر لینا من گھڑت کہانیاں بنا کر کردارسازی کرنا خود ہی کسی کو کریکٹر سرٹیفیکٹ دیتے ہوئے اس کے ناپاک اور خراب ہونے کی ججمنٹ کر لینا۔۔ افسوس صد افسوس۔

یہ جانے بغیر کہ کوئی کس قدر تکلیف میں ہے کن حالات سے گزر رہا ہو سکتا ہے۔

کوئی کتنا پریشان ہو گا۔

باوقار لوگوں کو بے وجہ ستانے کا

انگلیاں اٹھانا تو کام ہے زمانے کا

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

میر ہادی اور عالی پاکستان کے ٹاپ نیورو سرجن ڈاکٹر عبدالحفیظ کے کیبن میں بیٹھے تھے۔

چھ گھنٹے کا طویل وقت لے کر انھوں نے ہی لویزا کے سر کے پچھلے حصے کی سرجری کی تھی۔

اب وہ کافی دیر سے لویزا کے سٹی سکین اور کیے گئے ٹیسٹس کی رپورٹس کا معائنہ کر رہے تھے۔

رانا میر ہادی کی جان سولی پر لٹکی ہوئی تھی۔ اس کی جان جس عذاب میں جھونک دی تھی لویزا اقبال نے وہ اسے چین نہیں لینے دے رہی تھی۔ کچھ اس لئے بھی وہ سخت جھنجھلایا ہوا تھا کہ ان لوگوں (ڈاکٹرز) نے اب بھی کوئی تسلی بخش جواب نہیں دیا تھا۔

ڈاکٹر کیا ہوا ہے؟ پلیز مجھے بتائیں؟ وہ بچ تو جائے گی؟ آؤٹ آف ڈینجر ہے ناں؟ پلیز ڈاکٹر بتائیں مجھے؟ میں اور پیشنس نہیں رکھ پاؤں گا،، میر ہادی نے اپنی سلگتی اور دکھتی کنپٹیاں سہلائیں۔

آپ کو پیشنس رکھنا پڑے گا رانا میر ہادی صاحب، کیونکہ آپ کی وائف کو کوئی معمولی زخم نہیں آیا، ان کے بیک آف ہیڈ کی سکَل بون ڈمیج ہوئی تھی، اور سکل بون کے

ساتھ اِنر ہیڈ میں بھی انجریز آئی ہیں، سرجری کر دی گئی ہے، اور یہ میریکل ہے یا آپ کی دعاؤں کا نتیجہ کے شی از آؤٹ آف ڈینجر ناؤ، بٹ،

ڈاکٹر عبدالحفیظ نے متانت سے کہا مگر کچھ کہتے کہتے جھجھکے۔

میر ہادی کے چہرے پر سکون چھایا تھا میر ہادی نے اپنا چہرہ ہاتھوں میں لیا اور ایک پر سکون لمبی سی سانس کھینچی، جب کہ عالی ڈاکٹر کی وائف والی بات پر ہی شدید شاک کی کیفیت میں میر ہادی کو دیکھے جا رہا تھا۔۔ جانتا جو تھا لویزا اقبال میر ہادی کی کم ازکم وائف نہیں ہے (ہو ہی نہیں سکتی) ڈاکٹر کے بٹ کہنے سے پھر دونوں نے بے تحاشا چونک کر ڈاکٹر کو دیکھا تھا۔

لیکن کیا ڈاکٹر بتائیں مجھے،،

دیکھیئے مسٹر ہادی وہ یا تو کومے میں جا سکتی ہیں یا پھر میموری لوس یعنی یاداشت جا سکتی ہے وہ بھی کچھ کہا نہیں جا سکتا کب آئے،، آئے بھی یا نہیں آئے،، آپ حوصلہ رکھیئے،، میں نے یہی بتانے کو آپ کو کیبن میں بلایا تھا، ان کی رپورٹس یہی کہتی ہیں کہ ان کی یاداشت چلی جائے گی مگر ہوش میں آنا شرط ہے، دعا کیجیے، لگلے

پندرہ دن پیشنٹ کے لئے اہم اور حساس ہیں، اگر ہوش آ گیا تو ٹھیک، صرف یاداشت جائے گی مگر ایٹلیسٹ وہ ہوش میں تو ہوں گی، اور اگر ہوش نا آیا تو کومے میں چلی جائے گی، کتنے عرصے کے لئے کچھ نہیں کہا جا سکتا،،

ڈاکٹر کے ہر جملے ہر لفظ پر میر ہادی کا چہرہ زرد پڑ چکا تھا۔
پیشنس رکھیں میر ہادی صاحب ابھی تو کافی مرحلے ہیں، جن میں آپ کو صبر و تحمل کا مظاہرہ کرنا ہوگا، ڈاکٹر نے متانت سے کہتے اس کے کندھے تھپتھپا کر اسے حوصلہ دیا اور پھر آئی سی یو کی جانب چلے گئے۔
میر ہادی کی آنکھیں پھر نم ہوئیں تھیں۔ عالی اسے دیکھے گیا۔ کون کہہ سکتا تھا سامنے بیٹھا شخص وہی بے حس اور لاپرواہ میر ہادی ہے، جسے کسی چیز سے فرق ہی نہیں پڑتا تھا جس پر کسی چیز کا اثر ہی نہیں ہوتا تھا،،
اب ایسا کیا ہو گیا تھا کہ وہ یوں ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہا تھا۔
ہادی تم نے نکاح کیا اس سے،، عالی نے سنجیدگی سے پوچھا۔
نو،، ادھر بھی سرد و سپاٹ چہرہ لیے جواب آیا۔

اس کے فادر کی ڈیتھ ہو گئی ہے،، عالی نے پھر اس کا زخم تازہ کیا۔

جانتا ہوں،، میر ہادی سامنے پڑی اس کی رپورٹس کو گھورے گیا۔

تو اب کیا میر ہادی،؟ مرنے دو اسے بھی یا چھوڑ دو اس کو اس کے حال پہ، اسے مکمل طور پر برباد کر کے اب یہ سب کر کے کیا ثابت کرنا چاہتے ہو، عالی تلخ ہوا۔

میری ایسی کوئی اٹینشن نہیں تھی،،

تم نے پریٹینڈ یہی کیا عمل یہی کیا میر ہادی،، عالی نے اس کی بات کاٹ کر جتایا۔

شٹ اپ عالی،، مانتا ہوں میں نے بدلہ لینے کو اسے کڈنیپ کیا، ہاں تھا میر غلط ارادہ مگر نہیں چھوا میں نے اسے، میں اسے واپس بھیجنے والا تھا باعزت،

جانتے ہو ہادی، میں نے اجالا کو کتنی مشکل سے سمجھایا، روڈ پر بے ہوش ملی وہ مجھے، تمھارے آدمیوں نے اس پر بھی تشدد کیا، عالی تنی رگوں سے بتائے گیا، مہر ہادی کا دل کیا ڈوب مرے اور شرمندگی کی اتھاہ گہرائیوں میں گرا۔

ائم سوری،، ائم سوری فار ایوری تھنگ، میں کیا کروں کہ سب پہلے کی طرح ٹھیک ہو جائے،، رانا میر ہادی نے بے بسی کے احساس سے اپنے بال مٹھیوں میں جکڑے۔۔

جانتے ہو جس دن وہ میر لاج آئی تھی، اس دن کے بعد میں کسی ایک رات بھی سکون سے سو نہیں پایا۔ اور اب یہ سب،، میں پاگل ہو جاؤں گا عالی،

وہ جو دولت کے نشے میں چور تھا اور جسے یہ گھمنڈ تھا کہ دولت سے ساری دنیا خرید سکتا ہے آج اپنی ساری دولت دے کر بھی لویزا اقبال کو ٹھیک نہیں کر سکتا تھا۔

اور یہیں آ کر تو بندے کی بس ہو جاتی ہے اور شروع ہوتا ہے خدا کا جاہ وجلال اور عظمت، کہ کل مختیار تو وہی پاک ہستی ہے۔

انسان سمجھتا ہے کہ وہ دولت سے ہر چیز پر قدرت اختیار کر سکتا ہے مگر یہی اس کی سب سے بڑی بھول ہوتی ہے غلط فہمی جس میں وہ مبتلا ہوتا ہے۔ کہ ہر چیز پر قادر تو محض اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ (بے شک)

جاؤ چلے جاؤ میر ہادی، بہت شکریہ کہ اس کے علاج کے لئے تم نے اپنی دولت اپنا پیسہ پانی کی طرح بہایا، اب اسے اس کے حال پر چھوڑ دو، پڑا رہنے دو اسے ہاسپٹل کے بستر پر یا اگر ہوش آیا تو اسے اس کی پھپھو کے گھر پہنچا دوں گا، اگر انھوں نے

بھی کئی راتیں باہر گزاری ہوئی لڑکی کو رکھنے سے انکار کر دیا تو دار الامان چھوڑ آؤں گا،

عالی نے سنجیدگی سے کہا

میر ہادی کے ماتھے پر ان گنت بل آئے۔

شٹ اپ عالیان آج تو یہ بات کی ہے آئندہ مت کرنا، وہ میری وجہ سے اس حال میں پہنچی ہے اب میری زمہ داری ہے، جب تک مکمل صحتیاب نہیں ہو جاتی نا وہ کہیں جا سکتی ہے، نا اسے کہیں کوئی لے جا سکتا ہے، وہ میرے پاس رہے گی، وہ جب تک ٹھیک نہیں ہو جاتی، میں اپنے کیے کا مداوا کرتے ہوئے اسے کی دیکھ بھال کروں گا، جب ٹھیک ہو جائے مجھے میری سزا سنا کر جہاں مرضی جائے، ابھی اسے کوئی میرے پاس سے نہیں لے جا سکتا، کوئی بھی نہیں، اس کا صدا کا ضدی لہجہ

عالی کا دل کیا ماتھا پیٹ لے۔

کس حثیت سے میر ہادی، کس حثیت سے رہے گی وہ تمھارے پاس، زرا مجھے بھی تو پتہ چلے، جو ڈاکٹرز سمجھ،،،،

انسانیت کی حیثیت سے، میر ہادی کا سر سراتا لہجہ فورا اس کی بات کاٹی اور اب لاپرواہ سا تھا۔

میر ہادی کبھی میری بات نہیں مانتے، یار کبھی تو مان لیا کرو حویلی میں پتہ چلا تو،،
عالی جھنجھلایا

مجھے کسی کی کوئی پرواہ نہیں نا رانا میر ہادی کسی سے ڈرتا ہے، میر ہادی نے پھر اس کی بات سکون سے کاٹی جیسے سب کچھ پہلے ہی طے کر کہ بیٹھا ہو۔

رانا میر ہادی، ڈرتے تو ہو، عالی نے گہری نگاہ سے اس لاپرواہ، ڈھیٹ بنے شخص کو گہری نگاہ سے دیکھا۔ جو اپنی تمام تر اچھائیوں برائیوں سمیت اس کا بچپن کا دوست تھا۔ جس کی رگ رگ سے وہ واقف تھا یہ کہانی رانا میر ہادی کی جانب سے جو شدید نفرت سے شروع ہوئی تھی اس کی گہرائی اور گہری حقیقت جانتے ہوئے آنے والے وقت کا سوچ کر اسے جھرجھری سی آ رہی تھی۔ مگر سامنے والا مکمل لاپرواہ، انجان بننے کی کوشش میں ہلکان ہو رہا تھا۔ ہاں مگر زندگی میں پہلی مرتبہ عالی سے بار بار نگاہیں بھی چرا رہا تھا۔

کیا مطلب عالی وضاحت دو، میر ہادی نے پھر دوسری جانب دیکھتے اس سے پوچھا۔

کچھ نہیں میر ہادی، آنے والے وقت سے تو کم از کم ڈرو، عالی نے اسے مبہم الفاظ میں سمجھانا چاہا۔

وہ آنے والے وقت میں ہی دیکھا جائے گا، فی الحال بھابھی پر توجہ دو، شادی قریب ہے، مجھے میرے حال پر چھوڑ دو عالی،

وہ کہتا وہاں سے اٹھا تھا۔

عالی بھی اس کے پیچھے اٹھ کر اس کیبن سے باہر نکلا۔

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

عالی مجھے بتائیں لویزا کہاں، کیا کیا اس فرعون نے اس کے ساتھ ،،؟ بتائیں مجھے وہ زندہ بھی ہے کہ مار ڈالا اس وحشی درندے نے اسے ،، بتائیں مجھے،، نا بتایا تو ابھی کہ ابھی میں پولیس اسٹیشن چلی جاؤں گی، میں اسے جان سے مار ڈالوں گی،،

اجالا کو سکون آور انجیکشن دیا گیا تھا کئی گھنٹوں کے بعد اب جب وہ ہوش میں آئی تھی کب کہ چیخ رہی تھی چلا رہی تھی شدید پینک ہوتی پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔

مسٹر حمزہ اور ان کی بیگم فوزیہ (اجالا کے ممی پاپا) بے تحاشا پریشان تھے۔

اور اب جب عالیان اس سے ملنے آیا تھا تو اس نے حمزو اور فوزیہ کو تسلی دی تھی کہ وہ اسے سنبھال لے گا۔

مگر اس کے سامنے آتے ہی وہ پھر ہذیانی سی ہو کر چلائے جا رہی تھی۔

اجالا سنبھالو اپنے آپ کو میں بتاؤں گا کہ وہ کہاں اور کس حالت میں ہے پہلے خاموش ہو،، بلکل چپ،، عالی نے اسے بازوؤں سے تھاما،

عالی اگر مجھے زرا سا بھی شک ہوا کہ اس سب میں آپ نے زرا سا بھی اس کا ساتھ دیا ہے، یا اس میں ملوث ہوئے تو میں جان لے لوں گی اپنی، یا آپ کی جان لے لوں گی، چھوڑ دوں گی آپ کو، مجھے کھونا پڑے گا آپ کو،

وہ پھوٹ پھوٹ کر روتی چلائے گئی اور عالیان کے مرزا کے پیروں نیچے سے زمین کھینچی۔ وہ تڑپ ہی تو گیا تھا اس کی باتوں پر۔

ہیپے اجالا مجھے کیوں دوش دے رہی ہو، یار خود کو اور مجھے کیوں اذیت دے رہی ہو، میرا کوئی تعلق نہیں اس سب سے،، سنا تم نے، میرا کوئی واسطہ تعلق نہیں، عالی نے اسے سینے میں بھینچا۔۔خبردار اجالا جو ایسی بات آئندہ منہ سے نکالی میں بہت برا پیش آؤں گا، سنا تم نے،، عالی مرزا نے اسے جھنجھوڑ کر ہوش دلانے کی کوشش کی۔

پھر عالیان اسے سب بتاتا چلا گیا، سب بتایا سوائے اس کے کہ لویزا اقبال ابھی بھی رانا میر ہادی کی دسترس میں ہے، بس اسے یہ بتایا کہ میر ہادی اور اس نے علاج کے لئے لویزا کو بیرون ملک بھیجا۔۔ عالی بہت ہی مشکل سے سنبھال پایا تھا اسے۔۔ابھی تو ان کو جانے کیا کیا جھوٹ بولنے تھے۔

اپنی زندگی میں کیا کیا جھیلنا تھا کیا کیا برداشت کرنا تھا۔

♡ ♡ ♡ ♡ ♡ ♡ ♡ ♡ ♡ ♡ ♡ ♡ ♡ ♡ ♡ ♡

آج بارہ دن ہو چکے تھے۔ میر ہادی بظاہر اپنی روٹین میں واپس آ چکا تھا۔ اور یونی کو بھی ٹائم دے رہا تھا۔ جانتا تھا رانا میر ہاشم اور رانا میر دراب اس کی پل پل کی خبر رکھتے تھے۔

وہ اب بھی ڈاکٹرز کی زیرِ نگرانی تھی۔ اس دوران ایک فل ٹائم نرس ہادی نے اس کے لئے ہائر کی تھی۔ وہ خود بھی اپنا فری ٹائم ہاسپٹل میں ہی گزارتا تھا۔ اسے پتہ چلا تھا کہ لویزا کا کزن اسے ہر طرف ڈھونڈتا پھر رہا ہے اور یہ بات اسے شدید قسم کی ناگوار گزری تھی جانے کیوں؟

ظفر نے ہر جگہ اسے ڈھونڈنے کی کوشش کی تھی، تھانے میں رپورٹ بھی لکھوائی۔ تھانے میں رپورٹ درج ہونے کی بھی خبر رانا میر ہادی کو مل چکی تھی۔

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

انہی دنوں میں سے ایک دن پولیس والوں نے ظفر کو تھانے بلایا تھا۔

وہ تھانے آیا تھا۔ انسپکٹر عارف سے ملاقات ہوئی۔

دیکھیئے ظفر صاحب ہم جو آپ کو خبر سنائیں گے وہ آپ کو صبر و تحمل سے سننا ہوگی۔

انسپکٹر نے جھجھکتے تمہید باندھی۔

کیا انسپکٹر صاحب،؟ ظفر شدید قسم کا چونکا۔

دیکھئے ہمیں ایک روڈ ایکسیڈنٹ میں جلی ہوئی گاڑی میں سے ایک لڑکی کی لاش ملی ہے،، انسپکٹر کے ہر لفظ پر ظفر کے چہرے کا رنگ سفید پڑا تھا۔

آپ کہنا کیا چاہتے ہیں انسپکٹر صاحب، ظفر نے نم آنکھیں لیے پہلو بدلا۔

ہمیں ان کے پاس سے کچھ چیزیں ملی ہیں آپ ان کی پہچان کر لیں کہ وہ،

آپ کی ہمت کیسے ہوئی یہ بات کہنے کی انسپکٹر صاحب، ظفر کا چہرہ لال سرخ ہوا۔

حقیقت پسند اور بہادر بنیے ظفر صاحب ایک مرتبہ دیکھ لیں، چیک کر لیں، انسپکٹر عارف نے سنجیدگی سے کہا۔

دکھائیں، ظفر نے شدتِ ضبط کے کڑے مرحلے سے گزرتے کہا۔

تبھی انسپکٹر کے کہنے پر ایک کانسٹبل ایک پیکٹ پکڑا کر گیا جس میں ایک پرس موبائل اور کچھ جیولری تھی۔

ظفر کی نظر اس موبائل پر پڑی تو چہرہ لٹھے کی طرح سفید پڑا تھا۔

کپڑے اور باڈی تو بلکل جل چکی تھی اسی لئے ہمیں بغیر انتظار کیے آخری رسومات ادا کرنی پڑیں۔ انسپکٹر بغور اس کے ایک ایک تاثر کا جائزہ لے رہا تھا۔ (کسی کے کہنے پر)

پھر وہ ضبط کی طنابیں ہاتھوں سے چھوڑتا پھوٹ پھوٹ کر رویا تھا۔ کیونکہ چیزیں اسی معصوم کانچ کی گڑیا کی تھیں جو سوکھی ریت کی طرح اس کی مٹھی سے پھسل کر جانے کس دیس جا چکی تھی۔

وہ پیکٹ سینے سے لپیٹے بچوں کی طرح روتا رہا۔ اور پھر اس تھکے ہارے مسافر کی طرح جھکے کندھوں کے ساتھ وہاں سے نکلا جیسے جسے رہزنوں نے لوٹ لیا ہو اور اس کے پاس کچھ بھی نا بچا ہو، جینے کی وجہ بھی نہیں۔

تسلی کر لینے کے بعد کہ وہ جا چکا ہے انسپکٹر عارف نے کال ملائی جو کہ دوسری بیل پر رسیو کر لی گئی۔

یس، دوسری جانب سے ٹو دی پوائنٹ گھمبیر آواز آئی۔

کام ہو گیا چھوٹے سائیں، یقین کر لیا اس نے آسانی سے، انسپکٹر نے اطمینان سے کہا۔

گڈ، کہہ کر خاموش ہوا۔

سر آپ نے کہا تھا کہ میں یہ بھی نوٹ کروں کہ اس کے کیا تاثرات تھے، تو وہ اتنا بڑا مرد بچوں کی طرح رو رہا تھا، لگتا بہت گہری چوٹ تھی، انسپکٹر نے دلچسپی سے کہا مگر سامنے والے کے ماتھے پر بے شمار بل آئے تھے۔

شٹ اپ انسپکٹر ٹو دی پوائنٹ بات کیا کرو، گو ٹو ہیل ود ہِم،، اب مجھے یہ چیپٹر کلوز چاہیے، ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ،، رانا میر ہادی کا دل میں جانے کیوں جلن کی ایک انوکھی سی ٹیس اٹھی تھی تبھی پھنکارا تھا۔

اوکے سوری چھوٹے سائیں،، انسپکٹر گڑبڑا گیا۔ یہی اپڈیٹ دینی تھی ، اپ بے فکر رہیں یہ چیپٹر کلوز ہی سمجھیں، کیونکہ رپورٹ کلوز کر دی گئی ہے۔

گڈ، رقم اکاؤنٹ میں پہنچا دی جائے گی،، یہ کہہ کر فون رکھ دیا گیا تھا۔۔

ایک مرتبہ پھر ایک رئیس زادے نے قانون کو خریدتے انصاف کی دھجیاں بکھیری تھیں۔ مگر یہ زمینی ناخدا ایسا کرتے یہ بھول جاتے ہیں کہ جب خدا انصاف کرتا ہے تو بڑے بڑے ظالم جھک جاتے ہیں ٹوٹ جاتے ہیں۔۔

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

وہ یونی کی کینٹین میں غائب دماغی سے بیٹھا گہری سوچ میں تھا جب فون رنگ ہوا۔۔وہ چونکا کیونکہ فون پرسنلی طور پر ڈاکٹر عبدالحفیظ کا تھا اس کے چہرے پر سایہ سا لہرایہ۔ یہ سوچ کر کہ وہ ٹھیک تو ہے فورا فون یس کر کے کان کو لگایا۔

یس ڈاکٹر، از ایوری تھنگ آل رائٹ،، میر ہادی بے چین ہوا۔

آف کورس، مسٹر میر ہادی، بلکہ ایک گڈ نیوز ہی ہے آپ کی وائف کو ہوش آ گیا ہے، ڈاکٹر کی خوشی سے کبریز آواز گونجی مگر میر ہادی کے پیروں نیچے سے زمین کھسکی تھی آنے والے وقت کا سوچ کر، یہ سوچ کر کہ وہ اس سے کتنی نفرت کرے گی۔

(اللہ جانے اسے اب اس بات سے کیوں فرق پڑنے والا تھا کہ وہ اس سے نفرت کرے گی یا نہیں)

میر ہادی فورا ہاسپٹل آئیں بٹ اپنی وائف سے ملنے سے پہلے آپ مجھ سے ایک بار ضرور ملئے گا،، لازمی،،

اوکے ڈاکٹر میں آتا ہوں،، اس نے کہہ کر فون رکھا اور فورا وہاں سے نکلا۔

دل و دماغ میں جیسے ایک جھکڑ ایک طوفان سا چل رہا تھا۔

گاڑی نے ہوا سے باتیں کیں تھیں۔ ڈیڑھ گھنٹے کا فاصلہ وہ پون گھنٹے میں ہی طے کر کے ہاسپٹل پہنچا تھا۔

ڈاکٹر حفیظ کے کہنے کے مطابق وہ سب سے پہلے انھیں کے ہی پرسنل کیبن کی جانب آیا تھا۔

اسلام وعلیکم ڈاکٹر حفیظ، وہ کہتا ہلکی ناک کر کے اندر داخل ہوا۔

او،، آیئے مسٹر میر ہادی، بیٹھیں،، ڈاکٹر نے اس سے مصافحہ کیا میر ہادی سامنے رکھے صوفے پر بیٹھ گیا۔

یس ڈاکٹر، بتائیے کیا کہنا چاہتے تھے آپ،، وہ ہمہ تن گوش ہوا۔

مسٹر ہادی، آپ پیشنس رکھئے گا جو بھی بات کروں میں،، ڈاکٹر نے سنجیدگی سے کہا تو وہ چونکا۔

وہ ٹھیک تو ہے ناں ڈاکٹر، میر ہادی نے پہلو بدلا۔ ڈاکٹر نے سامنے بیٹھے شخص کو غور سے آبزرور کیا۔

Absolutely she's all right,,,

لیکن وہ اپنی یاداشت مکمل طور پر کھو چکی ہیں،، ڈاکٹر حفیظ نے کہا تو میر ہادی پریشان تو ہوا مگر دل میں کہیں ایک کمینی سی خوشی بھی ہوئی۔ (جانے کیوں)

اور شاید کبھی واپس آئے بھی نہیں،، مگر ہم علاج جاری رکھیں گے، کہ ان کی یاداشت واپس آ جائے، آپ انھیں پرانی باتیں یاد کروانا، واقعات، ان جگھوں پر لے کر جانا، جہان وہ پہلے جاتی رہیں ہیں آپ کے ساتھ تو مے بی،، ہو سکتا ہے کہ ان کی میموری واپس آ جائے،،

رائٹ ڈاکٹر،، زبان سے ادا کیا (مگر دل نے "کبھی نہیں ڈاکٹر کہ اس کی یادیں لوٹ آتیں تو میر ہادی خود کو کٹہرے میں کھڑا پاتا)

اور جو مین پوائنٹس اور بہت ہی اہم باتیں بتانے کے لئے میں نے آپ کو پرسنلی بلایا وہ یہ کہ اس وقت وہ بہت ہی حساس حالت میں ہیں، ابھی بھی انھیں انتہائی نگہداشت کی ضروت ہے۔ ان کا مینٹلی سٹیٹ بہت نازک مرحلے سے گزر رہا ہوگا۔ ایک ہزبینڈ ہونے کے ناطے آپ کو پیشنس رکھنا ہوگا۔ وہ سو طرح کہ سوال پوچھیں گی، آپ کو ہر صورت سو طرح کے ہی جواب ہی دینے ہوں گے، انھیں مطمین کرنا ہوگا۔ وہ سب کچھ بھول چکی ہیں،، ہو سکتا ہے یاد کرنے کے لئے پینک کریں، آپ کو سنبھالنا ہوگا، کئیر کرنی ہوگی، ذہن پر زیادہ زور نہیں ڈالنے دینا خود ہی ہر بات کا جواب دینا ہوگا آپ کو، ایک زرا سا ڈپریشن اور ٹینشن ان کی زندگی اور صحت کے لئے بہت بڑا خطرہ بن سکتا ہے، آپ سمجھ رہے ہیں ناں مسٹر ہادی میں کیا کہنا چاہتا ہوں۔۔زرا سا شک یا کوئی بھی نیگٹو سوچ ان کے لئے شدید نقصان کا باعث بن سکتی ہے،

ڈاکٹر نے کہا تو اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

مگر ''میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اس وقت آپ کی بے تحاشا توجہ، محبت اور کئیر کی ضرورت ہے، ایک بچی کی طرح ٹریٹ کرنا ہوگا ان کو،، آپ کر پائیں گے،،

ڈاکٹر نے گہری نگاہوں سے اس کا جائزہ لیا۔

یس ڈاکٹر، دو لفظی جواب تھا مگر پختہ ارادوں کو ظاہر کرتا چٹانی سا مضبوط لہجہ تھا۔۔

ایک ڈاکٹر ہونے کی حیثیت سے میں ہر بات آپ کو کھول کر بتا دینا چاہتا ہوں کہ بعد میں آپ کو کسی پریشانی کا سامنا نا کرنا پڑ جائے،،

Yes,, Doctor Say,,, I'm listening carefully,,,,

میر ہادی نے اطمینان سے کہا تھا۔

اونھھہ،، ڈاکٹر حفیظ نے ہنکارا بھرا "ابھی کیونکہ وہ مینٹلی اور فزیکلی بہت ہی زیادہ ویک ہیں تو آپ کو ان کی کیئر کرتے ہوئے،، مطلب ہزبینڈ ہونے کے ناطے ابھی کچھ عرصے آپ ان سے فزیکلی ریلیشن بھی نہیں بنا سکتے،،

ڈاکٹر کی بات پر میر ہادی نے بری طرح پہلو بدلا تھا۔ چہرے نے لہو چھلکایا۔ جبکہ ڈاکٹر نے انتہائی دلچسپی سے اس کا بلش ہوا چہرہ دیکھا۔۔

یس ڈاکٹر میں کروں گا کیئر اس کی، اب کیا مل سکتا ہوں اسے،، اس نے تقریباً جبڑے بھینچ کر کہا تھا۔ ڈاکٹر حفیظ قہقہہ لگا کر ہنس پڑے۔

اس نے اچنبھے سے ڈاکٹر کا دیکھا۔

جائیے مسٹر ہادی،، آپ ملئیے،، مگر ان کے سوالات سے ایریٹیشن کا شکار مت ہوئیے گا۔ کیونکہ ان کے زہن میں کوئی یاد نہیں تو وہ سوالات پوچھ کر جاننے کی کوشش کریں گی۔

ڈاکٹر حفیظ نے ایک مرتبہ پھر یاد دہانی کروائی۔

یس ڈاکٹر شیور،، اس نے اثبات میں سر ہلاتے یہاں سے اٹھنے میں ہی آفیت سمجھی۔

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

میر ہادی دروازے تک آ کر رکا تھا۔ اب تک تو گھنٹے بھر سے باہر بیٹھ کر زہن میں باتیں اور واقعات ترتیب دیتا رہا تھا جو اس کی من گھڑت تھی اور جو اندر جا کر اس کو سنانی تھیں۔۔

اپنی کنپٹیاں سہلائیں۔

کیا بولے کیا سنائے جس سے وہ بلکل مطمئن ہو جائے۔ اب ڈاکٹر اسے اس کا ہزبینڈ مان چکے تھے۔ یقینا اسے بھی بتا چکے ہوں گے تو وہ کیسے مکر جاتا۔ تب زہن نے ایک کہانی ترتیب دی تھی۔

وہ بھینچے جبڑوں لرزتے قدموں کے ساتھ آہستگی سے ڈور کھول کر اندر داخل ہوا تھا۔ سامنے ہی وہ بیڈ پر نیم دراز سر پٹیوں میں جکڑے ہوئے بے چینی سے ہاتھوں کی انگلیاں چٹخاتی برسوں کی مریضہ لگ رہی تھی۔

رانا میر ہادی کہ چال میں واضح لرزش تھی۔ لویزا بڑے غور سے اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ قریب آ کر کرسی پر بیٹھا ۔ لویزا اسے غور سے دیکھے گئی یا شاید پہچاننے کی کوشش کر رہی تھی، اس کی نگاہوں کی تپش میر ہادی کو جیسے پگھلا رہی تھی۔

کیسی ہو،؟ وہ پوچھ بیٹھا۔

آپ میر ہادی ہیں ناں،؟ کمزور سی آواز آئی۔

(میر ہادی کو لگا ساتوں آسمان اس کے سر پر گرے یہ سوچ کر کہ کیا وہ اسے پہچان گئی ہے) ایک سایہ سا چہرہ پر لہرایا سہم کر ایک جھٹکے سے سر اٹھا کر لویزا کی جانب دیکھا۔

وہ ڈاکٹرز، نے کہا کہ آپ میرے ہزبینڈ ہیں، اس دن کے بہت روئے اور پریشان ہوئے ، بٹ آئم سوری میں یاد نہیں کر پا رہی آپ کو بھی ،، وہ بے لبسی سے لب کاٹتی بولی۔

اٹس اوکے ،، میر ہادی نے سکون کی سانس لی، تم بس اپنی صحت کا خیال رکھو، میر ہادی نے نگاہیں چرائیں۔

سنیں،، ہمارے گھر والے مطلب میرے اور آپ کے گھر والے نہیں آئے مجھ سے ملنے،

ایک یہی سوال تھا جس کا سامنا کرنا میر ہادی کو پل صراط سے گزرنے کے مترادف لگ رہا تھا۔

"سنیئے میں سب کچھ بھول گئیں ہوں،، مگر سب کچھ جاننا چاہتی ہوں، ڈاکٹرز اور سسٹر مجھے مسز میر ہادی بول رہے تھے یا میرا نام لویزا پکار رہے تھے،، اس کے علاوہ مجھے کچھ معلوم نہیں،، آپ پلیز مجھے بتائیں ہمارے بارے میں،، میں جاننا چاہتی ہوں،، مجھے جاننا ہے،، ہماری فیمیلز تو ہوں گی،، کدھر ہیں سب،، کون کون تھا،، مجھے بتائیں،، نہیں تو میں سوچ سوچ کے پاگل ہو جاؤں گی،، لویزا نے پینک ہوتے اپنی کنپٹیاں سہلائیں۔

تب رانا میر ہادی کی آواز ہاسپٹل کے اس سرد سے روم میں گونجی تھی۔

"تم یقینا بھول گئی ہو، لو میرج تھی ہماری بلکہ کورٹ میرج،، بھاگ کر شادی کی تھی ہم نے ،، وہ اسے گہری نگاہ سے دیکھے گیا۔تمھارے بیلنئر پاپا کو اپنا یہ ایک معمولی کمپنی میں کام کرتا داماد پسند نہیں آیا تھا۔حالانکہ کمپنی نے مجھے گھر اور گاڑی دونوں دے رکھی ہے،، اور میرے گھر اور خاندان والے بھی آؤٹ آف کاسٹ رشتہ نہیں کرتے اسی لئے ان سب نے ہم سے ہر تعلق ہر رشتہ ناتا ختم کر لیا۔ بلکہ انھوں نے ہی ہمیں الگ کرنے کو یہ ایکسیڈنٹ کروایا ، اسی لئے میں تمھیں ان سب سے دور یہاں لے آیا، تمھارا علاج کروایا اور اب تم الحمدللہ بلکل ٹھیک ہو تو بس کچھ بھی سوچنا بند کرو اور اپنا

خیال رکھو،اب جب انھوںنے مطلب ہمارے گھر والوں نے ہمارے ساتھ ایسا کرنے کی کوشش کی ہے، ہمیں الگ کرنے کی کوشش کی تو ہم تو بلکل نہیں ملیں گے ان سے،

میر ہادی کی فراٹے سے جھوٹ بولتی زبان ایک مرتبہ بھی نہیں لڑکھڑائی تھی۔ ہاں مگر اس کی نگاہوں سے نگاہیں ایک مرتبہ بھی نہیں ملائیں تھیں۔

"تو کیا ہم سے کوئی نہیں ملتا،؟ وہ شدید مایوس ہوئی اپنی کہانی سے۔

نو، اطمینان سے کہا گیا۔

میں کتنے دنوں سے ہاسپٹل میں ہوں،؟ اس نے ادھر ادھر دیکھا۔

ٹو ویکس سے،، وہ اب بھی سکون سے بولا۔

ہم گھر کب جائیں گے ہادی،؟ وہ اکتا کر بولی۔

ان لبوں سے یہ نام ایسے سن کر اور اس سوال پہ میر ہادی کے دل کی دھڑکن پہلی مرتبہ اتنی تیز ہوئی تھی کہ اسے اپنے دل کی دھمک کانوں میں سنائی دی تھی۔

آج ہی ڈسچارج مل جائے گا، وہ پہلو بدل کر بولا۔

پلیز مجھے جلدی گھر لے چلیں، میں اکتا گئی ہوں اس ہاسپٹل سے،، وہ منہ بسور کر بولی۔

اوکے میں سسٹر کو بھیجتا ہوں، کافی دن ہو گئے بیڈ پر، تم چلنے کی پریکٹس کرو، میں ڈسچارج پیپر بنواتا ہوں، وہ اپنی جگہ سے اٹھا۔ لویزا نے اثبات میں سر ہلایا۔

مگر بہت غور سے اس کا چہرہ دیکھے گئی وہ گڑبڑا کر فورا وہاں سے نکلا۔

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

وہ ڈسچارج پیپر پر سائن کرا رہا تھ جب فون رنگ ہوا یس کر کہ کان کو لگایا تو سامنے دادا سائئیں کی بھاری گھمبیر آواز سننے کو ملی تھی۔

کیوں برخوردار، شہر میں تمھاری کونسی بیوی پیدا ہو گئی ہے جس کا علاج کرواتے پھر رہے ہو، جانتے ہو ناں رانا میر ہادی، ہمارے خاندان کے رسم ورواج روایات، بھول

گئے کہ یاد کرواؤں کہ حویلی میں تمھاری خاندانی بیوی موجود ہے، اور کون ہے وہ لڑکی، کہاں سے اٹھا کر لائے اسے،،

رانا میر ہاشم کی پھنکار سنائی دی تو اس کی تیوری پر بھی بے شمار بل آئے تھے۔

جیسا آپ سمجھ رہیں ہیں ویسا کچھ نہیں ہے دادا سائیں، بھروسہ رکھیں، حویلی آؤں گا تو سب بتا دوں گا، اور اس سے زیادہ وضاحت بھی نہیں دوں گا آپ کو، اس کا بھی اکھڑ لہجہ تھا، باپ دادا کی طرح، رانا میر ہادی کون سا کم تھا۔

چھوٹے سائیں، اگر کھیلنے کو پاس کھلونہ ہو تو جب وہ ٹوٹ جائے تو اسے پھینک دیتے ہیں، اس کی مرمت نہیں کرواتے پھرتے، دادا سائیں جانے کیا سمجھ رہے تھے پر وہ جو سمجھ رہے تھے اس نے میر ہادی کا دماغ گھما ڈالا تھا۔

آپ کو لگتا ہے کہ میں ایسے شوق پالوں گا،، وہ دانت پیس کر بولا۔ کیونکہ آج تک اس نے اپنے بڑوں کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے شراب و رنگین محفل سے ہی سیر حاصل کیا تھا، ایک شراب کے بعد شباب تھا جس میں اسے آج تک کوئی دلچسپی نہیں رہی تھی۔

اونہہ، دادا سائیں نے ہنکارا بھرا ۔ ''ہمیں تو کوئی اعتراض نہیں ہوتا اگر تم یہ شوق پالتے بھی رانا صاحب، اب بھی کوئی اعتراض نہیں اگر صرف یہ ایک شوق ہی ہے، اس سے آگے بڑھنے کی اجازت تمھیں ہر گز نہیں ملے گی رانا میر ہادی ،

ان کا بھی لہجہ گھمبیر تھا رانا میر ہادی کو آگ لگی۔

میرے معاملات سے دور رہیں، دادا سائیں، جب کوئی سچ مچ کی شکایت ہوئی یا آپ کی بات میں وزن ہوا تو بولیئے گا نہیں تو مجھے میرے حال پر چھوڑ دیں، مہربانی ہوگی آپ کی، اور مجھ پر نظر رکھنا بند کریں، یہ جو بھی مخبر ہیں آپ کے مجھے پتہ لگ گیا کون ہیں تو زندہ گاڑھ دوں گا زمین میں انھیں، چاہے آپ کے کتنے بھی وفادار کیوں نا ہوئے، اسی لئے بول رہا ہوں میرے معاملات سے دور رہیں اور اپنے آدمیوں کو بھی بول دیں، مجھ سے الجھنے کی غلطی نا کریں،،

رانا میر ہادی کا تیز، باغی سا لہجہ جسے سن کر ہمیشہ رانا میر ہاشم کو خوشی ہی محسوس ہوتی تھی۔ آج بھی سینہ اکڑ کر تن سا گیا۔ مگر پھر بھی اسے خبردار کرنا ضروری تھا۔ سو وہ کر کے فون رکھ چکے تھے۔

مگر انھیں اب احتیاط کے طور پر اپنے وفاداروں کو میر ہادی جیسے طوفان سے زرا دور ہی رکھنا تھا۔

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

جب وہ روم میں آیا تو وہ سسٹر کا ہاتھ تھام کر آہستہ آہستہ چل رہی تھی۔
دیکھیں میں چل پا رہی ہوں ہادی، اس دیکھتے ہی وہ بولی تو میر ہادی نے سر ہلا کر اسے وش کیا۔
چلیں،، میر ہادی نے کہا تو لویزا نے مڑ کر اس کا اپنی جانب بڑھا ہوا ہاتھ دیکھا۔
چلیں،، بول کر لویزا نے اس کا ہاتھ تھاما
سسٹر انھیں یہ شال اچھی طرح اوڑھا دیں،، میر ہادی نے ایک شاپر کی جانب اشارہ کیا۔ سسٹر نے اچھے سے شال اسے اوڑھائی اور احتیاط میر ہادی نے اس کا چہرہ بھی چھپا دیا۔

آہستگی سے چلتی اس کے ساتھ باہر آئی۔

میر ہادی نے اسے گاڑی کی فرنٹ سیٹ پر بٹھایا۔ اور آج خود ڈرائیونگ کی۔

راستے بھر گاڑی میں خاموشی چھائی رہی۔ میر ہادی نے چور نگاہوں سے اپنے پاس بیٹھی اس لڑکی کو دیکھا۔۔ جو سیٹ سے سر ٹکائے آنکھیں موندے لیٹی تھی۔۔ مگر جانے کیا یاد آنے پر آنکھیں کھول کر سیدھی ہوئی۔

ہادی میرے پاپا بہت ناراض ہیں کیا مجھ سے،، سوال تھا کہ ہتھوڑا جو میر ہادی کے اعصاب پر برسا تھا۔ مگر اس کی زندگی اور صحت کے لئے جانے کتنی کڑی آزمائش سے گزرنا تھا اسے یہ تو بس ابھی شروعات تھی۔۔

ہاں بہت،، اور وہ ناراض ہو کر ہم سے دور بھی چلیں گئے ہیں، میر ہادی نے ضبط کے کڑے مراحل طے کر کہ بولا تھا۔

کدھر،، وہ بے چین ہوئی یا شاید مسکین کی روح بے چین تھی۔

بہت دور،، بیرونِ ملک،، یہی پتہ چلا، مبہم سا جواب دیا۔

وہ چپ سی ہو گئی اور باہر دیکھنے لگی۔۔

میر ہادی نے سرد سی آہ بھری

کون سمجھے گا تیری آنکھوں کی پیچیدگیاں
کیسے سلجھیں گے تری زُلفوں کے اُلجھے ہوئے خم

کیا عجب ہے کسی بات پہ ترے ہونٹ ہلیں
کتنے اٹکے ہوئے ، بھٹکے ہوئے ، رُکتے ہوئے دم

گاڑی میر لاج کے پورچ میں رکی تھی۔ وہ جلدی سے اتر کر اس کی جانب آیا۔ اور گارڈز نے ایک حیرت انگیز نظارا دیکھا کہ ان کے چھوٹے سائیں رانا میر ہادی نے لویزا کی جانب آ کر اس کے لئے درواز کھولا۔ وہ اس کے ہمرائی میں میر لاج کے اندر داخل ہوا۔

♡♡♡♡♡♡♡♡

عالی دھواں دھواں چہرہ لیے اس کے سامنے بیٹھا تھا جیسے اس کا وجود بھانپ بن کر فضا میں تحلیل ہو جائے گا۔

یہ کیا بات ہوئی اجالا تم کسی اور کے کیے گئے گناہ کی سزا مجھے کیوں دینا چاہتی ہو،، میں کچھ نہیں جانتی عالی آپ کو میری شرط ماننا پڑے گی جب تک میں لویزا کا چہرہ نہیں دیکھوں گی یہ نکاح نہیں ہو گا۔ وہ یونہی ضد پر اڑی ہوئی تھی۔۔ حالات کے پیشِ نظر عالی نے اصرار کیا تھا اور ایک دن بعد اجالا کے مما بابا نے ان کا سادگی سے نکاح ہونا طے کیا تھا۔ مگر یہ سنتے ہی اجالا نے ایک ہنگامہ کھڑا کر دیا تھا اور یہ ضد لے کر بیٹھی تھی کہ جب تک کہ وہ لویزا کو نہیں دیکھے گی یہ نکاح نہیں ہوگا۔۔

اجالا یہ کیا ضد ہے، تم جانتی ہو وہ علاج کے لئے ،،

بس کر دیں عالی، جب نہیں بولا جاتا جھوٹ تو بولنا بند کریں، آپ کی آنکھوں میں صاف لکھا ہے کہ آپ مجھ سے کچھ چھپا رہیں ہیں، جہاں تک میرا اندازہ ہے وہ یہ کہ پندرہ دن بیت چکے ہیں وہ کونسا علاج ہے جو ابھی تک نہیں ہوا، سچ بتائیں مجھے نہیں تو یہ نکاح بھی نہیں ہوگا،، میں کسی صورت لویزا کے بغیر یہ نکاح نہیں کروں گی،،

اب کی بار وہ پھوٹ پھوٹ کر روئی تھی۔عالی نے بے بسی سے لب کاٹتے اسے دیکھا اور جھٹکے سے اٹھ کر باہر گیا۔۔

اجالا نے بھی بری طرح اپنے لب کاٹے تھے۔

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

میر ہادی آہستگی سے اس کے ساتھ چلتا اندر لاؤنج سے ہو کر ایک روم میں داخل ہوا تھا۔

یہ جدید طرز پر بنا ایک انتہائی خوبصورت اور فرنیشڈ بنگلو تھا جسے اب وہ بغور دیکھتی آگے بڑھی تھی۔ روم میں بھی داخل ہو کر وہ پرشوق نگاہوں سے اس کشادہ ،انتہائی خوبصورت ڈیکوریٹ کیے گئے شاندار روم کو دیکھ رہی تھی۔

کوئی نہیں جان سکتا تھا اس وقت رانا میر ہادی کے کیا احساسات تھے وہ سرد و سپاٹ چہرہ بے تاثر آنکھیں لیے بس آہستگی سے چلتا اس روم میں اس کے پیچھے آیا تھا۔

لویزا نے بہت آہستگی سے گول گھوم کر روم کو چاروں جانب سے دیکھا تھا۔

"ہادی یہ ہمارا روم تھا، لویزا نے پوچھا۔ رانا میر ہادی نے اپنے منہ سے ایک سرد سی لمبی سانس خارج کی کہ وہ جانتا تھا کہ سوالات کا سلسلہ ایک مرتبہ پھر شروع ہو چکا ہے۔

اور اب اسے کمال تحمل سے پھر جھوٹ کا انبار لگانا تھا۔

ہممم، مختصر جواب دیا۔

ہماری کوئی پک نہیں ہے ہادی یہاں پر، کیوں؟ اس کی آنکھوں میں حیرت تھی میرا ہادی گڑبڑایا مگر وقت رہتے سنبھل گیا۔

ایک دن پہلے ہوا تھا ہمارا نکاح میڈم، ہم ادھر ہی شفٹ ہونے والے تھے جب ایکسیڈنٹ ہوا، اطمینان قابلِ دید تھا۔۔

آپ کے فون میں بھی نہیں ہے کوئی پک ہماری یا ہماری فیملی کی، لویزا نے جھنجھلا کر کہا۔

تمھارا موبائل ایکسیڈنٹ میں سپوئل ہو گیا، میرا ہاسپٹل میں گم ہو گیا،میں نے نیو لیا ہے،تمھارا بھی لے آؤں گا، اطمینان قابلِ دید تھا۔

ہادی میں کدھر جا رہی تھی جب ایکسیڈنٹ ہوا، وہ اب بیڈ پر بیٹھ چکی تھی--

ہم کورٹ میں تھے، مجھے ضروری کال آئی تھی تو مجھے آفس جانا تھا، میں نے تمھیں ڈرائیور کے ساتھ اور اپنے سامان کے ساتھ گھر بھیجا خود آفس کے لئے نکلا، جنھوں نے ایکسیڈنٹ کیا ان کی دانست میں ہم دونوں گاڑی میں تھے،

تبھی ہادی کا فون رنگ ہوا تھا۔ اس نے فون نکال کے چیک کیا عالی کا تھا۔

تم آرام کرو، سسٹر روزی آتی ہی ہوں گی، میں نے انھیں تمھارے لئے اپائنٹ کیا ہے، تمھاری دیکھ بھال کے لئے، میر ہادی کہتا فون کان سے لگا کر باہر چلا گیا۔

لویزا نے تھکن محسوس کی تو بیڈ پر لیٹ گئی۔

ادھر ہادی کو جو سننے کو ملا اس کے ماتھے پر بے شمار بل آئے تھے --

اوکے رائٹ میں آتا ہوں اور بھابھی جی کا مزاج درست کرتا ہوں، ہادی کا لہجہ اب بھی عجیب تھا۔ عالی بھنایا۔-

کیا مطلب یار،،

کچھ نہیں ، میں آتا ہوں خود ہی ہینڈل کر لوں گا انھیں،، وہ فون رکھتا اٹھا۔

سامنے سے سسٹر روزی آتی دکھائیں دیں۔

آپ خیال رکھیے گا اس کا، اور بول دیجئے گا ضروری کام سے باہر گیا ہوں جلد لوٹ آؤں گا،،

ہادی نے کہا تو سسٹر نے اثبات میں گردن ہلائی۔

ہادی فون پاکٹ میں رکھتا باہر نکلا۔

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

راستے بھر گاڑی میں وہ زہن میں الفاظ ترتیب دیتا آیا تھا اب آر یا پار، اپنے ایک آخری ڈر سے بھی سامنا ہو ہی جائے۔۔ دنیا میں عالی کے سگے رشتہ دار اجالا اور اس کے ماں باپ ہی تھے۔ اپنے پیرینٹس کی تو کافی عرصے پہلے ڈیتھ ہو چکی تھی اور وہ اپنے پیرینٹس کا اکلوتا بچا تھا۔

فوزیہ بیگم عالی کی خالہ تھیں۔ عالی کے والدین کی ڈیتھ کے بعد فوزیہ بیگم نے ہی اسے سنبھالا تھا۔

میر ہادی اجالا لوگوں کے گھر پہنچا۔ اجالا کے مما بابا اور عالی لاؤنج میں بیٹھے تھے۔ وہ سب سے مل کر صوفے پر بیٹھ گیا۔

اس نے عالی کو فون پر کہا تھا کہ اجالا کے پیرینٹس کو بھی ساری حقیقت بتا دے۔

شاید وہ بتا کر بیٹھا تھا تبھی لاؤنج میں پن ڈراپ سائیلنس چھائی ہوئی تھی۔۔

عالی، بھابھی کو بلاؤ مجھے ان سے بات کرنی ہے،، ہادی کہتا صوفے پر بیٹھ گیا۔

کیا بات کرنی ہیں آپ نے مجھ سے ہاں،، اور آپ کی ہمت کی تو داد دینی پڑے گی جو اتنا سب کچھ کر کے آپ یہاں تک آ گئے اور مجھ سے بات کرنے کی بھی ہمت ہے آپ میں ،، اجالا کا لہجہ چبھتا سا تھا۔مگر سامنے بیٹھے ڈھیٹ بندے پر کسی چیز کا اثر زرا کم ہی ہوتا تھا۔

اجالا بی ہیو،، آرام سے بیٹھ کر بات کرو،، فوزیہ بیگم نے ٹوکا مگر وہ اگنور کرتی اس کے سامنے آ کر کھڑی ہوئی

لویزا کہاں ہے،؟ ہاتھ باندھ کر اس سے پوچھا۔

تب میر ہادی اسے سب بتاتا چلا گیا اور سچ سچ ۔ اجالا کا چہرہ لٹھے کی طرح سفید پڑ چکا تھا۔ دل کیا سامنے کھڑے بندے کو شوٹ ہی کر دے جو اس کی ہنستی بستی دوست کی زندگی اجاڑ چکا تھا۔۔

اب کہاں ہے وہ، اجالا ماہی بے آب کی طرح تڑپی۔

میر لاج، میرے گھر میں،

کیوں؟ (اجالا صدمے سے گنگ ہی تو ہوئی تھی اس کی ڈھٹائی اور دیدہ دلیری پر) اجالا نے آئبرو اچکائی۔

کیوں کہ اس کی یاداشت جا چکی ہے، اور بائی مسٹیک وہ مجھے،، میر ہادی کی زبان لڑکھڑائی "میں پہلے بتا چکا ہوں، کیوں،، وہ جھنجھلایا۔

سنیں مسٹر رانا میر ہادی، میں ایک لمحہ، ایک بھی پل اسے اس جہنم میں آپ کے ساتھ نہیں رہنے دوں گی آئی سمجھ، اجالا کا لہجہ تیز تر ہوا۔

اس کی مینٹلی کنڈیشن بہت کریٹکل ہے، وہ بائی مسٹیک مجھے اپنا ہزبینڈ سمجھ رہی ہے ڈاکٹرز نے،،

شٹ اپ مسٹر میر ہادی،، یہ جان بوجھ کر کیا آپ نے،، ہے ناں،، سڈیوس کرنا چاہتے ہیں اسے، مقصد کیا ہے آپ کا یہ کرنے کا، اجالا چلائی کیونکہ یہ سب سن کر پیشنس نہیں رکھ پا رہی تھی--

مجھے کسی کو سڈیوس کرنے کی ضرورت نہیں میری ہر ضرورت پوری کرنے کو حویلی میں میری بیوی موجود ہے، رانا میر ہادی کا سرسراتا لہجہ، اجالا کے چہرے نے لہو چھلکایا ۔ باقی سب کو بھی اس کی اتنی بے خوفی اور بے باکی پر جیسے سانپ سونگھ گیا تھا۔

میں اسے کسی قیمت پر وہاں نہیں رہنے دوں گی، وہ دانت پیس کر بولی۔

اوکے رائٹ، اگر وہ اپنے ہزبینڈ کو چھوڑ کر آپ کے ساتھ آئے گی تو مجھے کوئی اعتراض نہیں، رانا میر ہادی اور اس کا اطمینان اسے زہر لگ رہا تھا اجالا کو۔

آپ ہوتے بھی کون ہیں اعتراض کرنے والے، میں اسے سب بتا دوں گی، وہ پھر غرائی۔

شیور، اگر اسے مرتا دیکھ سکتی ہیں تو بصدِ شوق کریں جو آپ کا دل کرتا ہے، ڈاکٹر حفیظ نے کہا ہے کہ اس کی مینٹلی کنڈیشن اتنی حساس حالت میں ہے کہ زرا سا زہنی دباؤ

اس کے لیے جان لیوا ثابت ہو سکتا ہے تو اسے مرتا دیکھنا چاہتی ہیں تو جو آپ کا جی چاہتا ہے آپ وہ کریں،، میر ہادی نے کہا تو اجالا نے بے دردی سے اپنے لب کاٹے۔ زرا مجھے بتائیں گے آپ کہ ایک سوری بلوانے کے لئے تو آپ اس حد تک چلے گئے تھے کہ خیر جانے دیں، مگر اب آپ کو کیوں ہمدردی کا بخار آیا ہے،، اجالا کسی بھی طور مطمئن نہیں ہو رہی تھی وہ بلکل نہیں چاہتی تھی کہ لویزا اس گھمنڈی اور بے حس انسان کے پاس رہے۔

جانتا ہوں یہ ممکن نہیں مگر میں اپنے کیے گئے اعمال کا ازالہ کرنا چاہتا ہوں، کوئی بھی گارنٹی لے لیں، میں یقین دلاتا ہوں کہ اسے اب مجھ سے کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی، میں اسے حفاظت سے رکھوں گا، پرامس کرتا ہوں، وہ انتہائی بے تاثر لب و لہجے میں بولا تھا کہ اجالا دانت کچکچا کر رہ گئی۔

عالی انھیں بول دیں، آج کے بعد ان کا مجھ سے کوئی لینا دینا نہیں، مجھ سے کلام کرنے کی یہ جرأت بھی نا کریں تو بہتر ہوگا، اور مجھے لویزا کے پاس لے جائیں، ملنا ہے مجھے اس سے، ابھی اور اسی وقت، اجالا اب عالی کی جانب گھومی تھی۔

عالیان نے رانا میر ہادی کی جانب دیکھا جس نے سنجیدگی سے اثبات میں سر ہلایا۔
پھر وہ تینوں میر لاج کے لئے نکلے تھے۔

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

میم پلیز آپ آرام کریں، سر مجھے ڈانٹیں گے،، روزی جو اسے کھانا کھلا کر میڈیسن دے کر ہٹی تھی اسے خراماں خراماں اب باہر کی جانب جاتا دیکھتی روہانسی ہو کر بولی۔
پلیز سسٹر ہاسپٹل میں پچھلے پندرہ دنوں سے ریسٹ ہی کر رہی تھی،، اب مجھے کرنے دو جو میں کرنا چاہتی ہوں،، لویزا کی بیچاری سی شکل دیکھ کر سسٹر نے اثبات میں سر ہلایا اور کچن میں چلی گئی۔
ابھی وہ لاؤنج میں داخل ہوئی تھی جب وہ تینوں اندر آتے دکھائی دیئے۔

اجالا اسے دیکھ اس کی جانب لپکی تھی اسے بھینچ کر گلے سے لگایا اور رو دی۔ لویزا کی آنکھوں میں حیرت تھی۔ اس نے سوالیہ نگاہوں سے میر ہادی کی جانب دیکھا وہ بے اختیار نگاہیں چرا گیا تھا۔

کافی دیر بعد اجالا بھیگی پلکیں لیے پیچھے ہٹی تو لویزا اسے انجان نگاہوں سے غور سے دیکھ رہی تھی۔

اجالا کو اس کی ناشناس آنکھوں میں دیکھ صدمہ ہوا۔۔

ائم سوری، مگر ہادی نے بتایا ہوگا آپ کو میرے بارے میں، میں پہچان نہیں سکی،، وہ شرمندہ اور پریشان سی ہوئی۔

میں تمھاری بیسٹ فرینڈ اجالا ہوں،، اجالا نے اس کے ہاتھ تھام کر معصوم سی شکل دیکھی۔

او شکر ہے مجھے کوئی ملا تو سہی، میں تو پریشان تھی کہ میں نے سب کو کھو دیا، لویزا کے چہرے کو پیاری سی مسکان نے چھوا جو کوئی پاس کھڑا بغور دیکھنے میں مصروف تھا۔

وہ دونوں لویزا کے روم میں چلیں آئیں۔ اجالا بڑے محتاط انداز میں اس سے بات کر رہی تھی ناچاہتے ہوئے بھی جو کہانی میر ہادی نے سنائی تھی اس کے مطابق کہ اب اس کی صحت اور زندگی کا سوال تھا۔

میر ہادی اور عالی سٹڈی میں جا چکے تھے۔

پھر ڈنر کا وقت ہو گیا تو ان چاروں نے ہی ڈائنگ ہال میں ڈنر کیا۔ نجانے کیوں مگر ویزا کو ماحول ہر طاری غیر معمولی خاموشی ایک عجیب سا تناؤ محسوس ہوا تھا۔ وہ یہ بھی نوٹ کر چکی تھی کہ اجالا میر ہادی سے مخاطب تو دور کی بات دیکھ بھی نہیں رہی ہے۔

کھانا کھا چکے تو اجالا لویزا کے ساتھ باہر لان میں چلی آئی تھی۔

لویزا پلیز، میرے ساتھ میرے گھر چلو،، اجالا نے بے لبسی کے احساس سے اپنے لب کاٹتے اس کے ہاتھ تھام کر کہا تھا۔

عالی اور میر ہادی جو کے باہر آ رہے تھے۔ہادی یہ بات سن کر ٹھٹھک کر رکھا تھا۔ ماتھے پر ڈھیر سارے بل آئے۔ غصیلی نگاہوں سے اس ضدی لڑکی کو دیکھا جو کہ اس یار کی زندگی نا ہوتی تو وہ کب کا ان گستاخیوں اور بدتمیزیوں پر اس کا مزاج درست کر دیتا۔

لویزا کو حیرت ہوئی تھی۔مگر

ہاں تم فکر مت کرو میں اب بلکل ٹھیک ہوں، ہادی میرا بہت خیال رکھتے ہیں، جلد ہی انھیں کے ساتھ لگاؤں گی چکر میں، اور اب تو شادی بھی ہونے والی ہے تو اس میں بھی شرکت کروں گی، لویزا نے سہولت سے منع کہا تو اجالا جزبز ہوئی۔

لویزا سمجھنے کی کوشش کرو، تمھیں میرے ساتھ رہنا چاہیے،، اجالا سمجھا نہیں پا رہی تھی اسے تبھی آنکھیں نم ہوئیں تھیں۔

میں سمجھ سکتی ہوں، انھونے مجھے تم لوگوں سے چرا لیا، یہ سب بہت جلد اور اچانک ہوا، قبول کرنا تھوڑا مشکل ہے، اور مجھے لگتا ہے اسی وجہ سے تم انھیں پسند نہیں کرتیں، مگر اب جو بھی ہے یہی میرا گھر ہے اور مجھے اپنے شوہر کے گھر رہنا چاہیے، لویزا نے اسے اپنی سمجھ کے مطابق رسان سے سمجھایا۔

اجالا نے ایک نفرت بھری گھوری سے میر ہادی کو نوازا جو اب لویزا کے منہ سے یہ سب سن کر جیسے مطمئن سا ہو کر لاپروائی سے وہاں کھڑا تھا۔

چلیں،

اجالا لویزا کے گلے ملی۔

عالی نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا اور وہ دونوں چلے گئے۔ لویزا کافی دیر انھیں جاتا دیکھتی رہی۔

چلو اندر، کافی ٹھنڈ ہو گئی ہے، میر ہادی جو اس کے پیچھے کھڑا بغور اسے دیکھے جا رہا تھا آخر بول ہی دیا۔

وہ اس کے ہمراہی میں اندر کی جانب آئی۔

میری دوست آپ کو کچھ خاص پسند نہیں کرتی، لویزا نے چھیڑنے کے انداز میں کہا۔

اور تم،؟ بہت بے اختیار ہو کر پوچھا تھا رانا میر ہادی نے۔

میں،، لویزا نے دانتوں تلے لب دبایا اور ساتھ چلتے چور سی نگاہوں سے اس بے حد ڈیشنگ، ٹال اور ہینڈسم بندے کو ملاحظہ فرمایا۔''سوچ کر بتاؤں گی، اس نے اپنی دانست میں مزاق کیا مگر وہ مسکرا بھی نا سکا۔

اچھا بتائیں ناں وہ آپ کو کیوں پسند نہیں کرتی، آپ دونوں کا جھگڑا ہوا تھا کیا، ؟

ہمم، میں نے اس کی دوست کو جو اس سے چرا لیا شاید اس لیے، وہ روم میں پہنچ چکی تھی جب ہادی واپسی کے لئے مڑا۔

آپ پھر کدھر جا رہے ہیں، ؟ لویزا نے حیرت سے کہا۔

کیا مطلب،، ہادی نے نا سمجھی سے پیچھے مڑ کر اسے دیکھا ۔

مم،، مطلب کے لیٹنا نہیں آپ نے اسی لئے پوچھا کدھر جا رہے ہیں،؟ وہ گڑبڑائی۔

لیٹنے ہی جا رہا ہوں اپنے روم میں ، ہادی نے اطمینان سے کہا تو لویزا کو حیرت ہوئی۔

تم نے ابھی تک اپنی رپورٹس تو نہیں دیکھی ہوں گی، ان پر موجود احتیاطی تدابیر کی ڈسکرپشن پڑھ کر سونا، سسٹر روزی تو جا چکی ہے کسی بھی چیز کی ضرورت ہو تو پاس ہی انٹر کام ہے مجھے بتا دینا، گڈ نائٹ، وہ اس کی حیرت زدہ آنکھوں میں دیکھ کر کہتا وہاں سے جا چکا تھا۔

لویزا حیران سی ہی بیڈ تک آئی تھی۔ پھر بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پر پڑی اپنی رپورٹس کے پلندے پر نگاہ پڑی تو بے اختیار ہی ہاتھ بڑھا کر رپورٹس اٹھا لیں۔

انھیں کھول کر تسلی سے احتیاط و پرہیز کی ڈسکرپشن کو دیکھا۔۔

پڑھ کر وہ کانوں تک سرخ ہوئی تھی۔

اففففففففففففف لویزا گدھی کہیں کی،، ڈوب مرو،، پہلے ہی پڑھ لیتیں، شرم سے دوہری ہو کر جلدی سے کمفرٹر میں گھس کر تکیے میں منہ دے لیا۔

ادھر وہ راکنگ چئیر پر بیٹھ کر جھولتا اپنی جان سگریٹ کے دھوئیں جھونک رہا تھا۔ نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ کسی کروٹ کسی لحظہ سکون میسر نہیں تھا۔

جو بات بات پر،،،،،،،،،، تکرار کرنے والا تھا
وہ شخص تم سے بہت پیار کرنے والا تھا

تمھی نے مان لیا ،،،،،،،،،میری بے گناہی کو
میں اپنے جرم کا،،،،،، اقرار کرنے والا تھا

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

کھڑکی سے چھن کر کے آتی سورج کی کرنوں نے اس کے چہرے پر نرم سا بوسہ دیا تو میر ہادی کی آنکھ کھلی تھی۔ وہ بڑی مشکل سے سو پایا تھا رات کو۔

وہ جلدی سے اٹھا تھا کپڑے لے کر واش روم گیا اور فریش ہو کر باہر آیا۔

سسٹر آ چکی ہوگی۔ سوچتا ہوا جلدی سے باہر نکل کر ڈائننگ ٹیبل تک آیا۔ کچن میں میڈ کے پاس سسٹر روزی موجود تھی۔

سسٹر روزی ، لویزا نہیں اٹھی، اس نے اس کے روم کی جانب دیکھتے پوچھا۔

نو سر، میں دیکھ کر آئی ، میم سو رہیں تھیں تو میں نے سوچا جتنا وہ آرام کریں اتنا ہی ان کی صحت کے لئے اچھا ہے، میں نے اسی لئے نہیں جگایا انھیں،

گڈ،، اب جا کر دیکھ کر آئیں، جاگ گئ ہو گی، میر ہادی نے سنجیدگی سے کہا۔ سسٹر روزی، لویزا کے روم کی جانب گئ۔

وہ جتنے دن ہوسپٹل میں رہی، اور اب بھی جب سے گھر آئی تھی اس کے سر پر سکارف تھا۔

اب جب وہ نہا کر ڈریسنگ کے آئینے کے سامنے آئی تھی۔ اور سر سے ٹاول ہٹایا تو صدمے سے گنگ ہوئی تھی۔ کافی دیر پھٹی پھٹی نگاہوں سے اپنے بالوں کو دیکھے گئ جو کہ پچھلی گردن سے اوپر تین چار انچ تک بلکل صاف کر دیئے گئے تھے۔ اور اب اوپری

سطح پر بھی جو بال تھے وہ بھی کندھوں سے نیچے تک تھے اور کاٹے گئے تھے۔ اس کی آنکھوں سے آنسو رواں ہوئے تھے۔ انسان یادیں اور واقعات بھول سکتا ہے مگر اپنی ذات سے متعلق چیزیں یاد رہتی ہیں، وہ جانتی تھی،،، ہاں ٹاول کھولتے ہوئے اسے پتہ تھا بالوں کی آبشار سلجھانے میں اسے کافی وقت لگے گا اور اس کے بال کمر کے نیچے تک لمبے تھے۔ مگر یہ کیا؟

وہ روتی چلی گئی۔ بہت روئی۔

روزی روم میں داخل ہوئی تو وہ فرش پر گھٹنوں کے بل بیٹھی بری طرح رو رہی تھی۔

روزی گھبرا کر واپس پلٹی۔

سر،، وہ لویزا میم بہت بری طرح رو رہی ہیں، روزی بھاگ کر ڈائننگ ہال میں داخل ہوئی اور میر ہادی کو اطلاع دی۔

واٹ، مگر کیوں،؟ کیا ہوا ہے،؟ میر ہادی کے دل کی دھڑکن بری طرح بے ترتیب ہوئی تھی۔ تیزی سے اٹھ کر اس کے روم کی جانب گیا۔

روم میں داخل ہوا تو واقعی وہ ڈریسنگ کے سامنے بیٹھی رو رہی تھی وہ تیزی سے اس کے سامنے آ کر گھٹنوں کے بل بیٹھا تھا۔

پیرٹ فراک کے اوپر سبز سکارف لیے وہ زمین پر سرخ وسفید معصوم پری بنی بیٹھی تھی
میر ہادی غور سے اسے دیکھے گیا۔

اتنی ملتی ہے میرے شعروں سے صورت تیری
لوگ تجھ کو میرا محبوب سمجھتے ہوں گے

ہیے لیزا، کیا ہوا؟ بتاو مجھے، ہادی کا نرم لہجہ، اسے اور رونا آیا۔
ہادی،، مم،، میرے بال،، وہ ہچکیوں کے بیچ آہستگی سے بولی ۔ اور ہادی کا دل کیا
پوری دنیا کو آگ لگا دے۔
ہیے اٹس اوکے ڈئیر، میر ہادی نے اس کا دوپٹہ ہاتھ پہ لپیٹ کر وہ آنسو صاف کرتے
قیمتی موتی دوپٹے سے چنے۔ "تم ان کے بغیر بھی دنیا میں سب سے زیادہ حسین ہو،
اور مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا ان کے ہونے نا ہونے سے یو گیٹ دیٹ، تمھیں بھی
نہیں پڑنا چاہیے، اتنے بڑے حادثے کے بعد بھی تمھارے ہاتھ پاؤں سلامت ہیں یہ اللہ
تعالیٰ کی بہت بڑی بلیسنگز ہیں ہم پر، جو چیز سلامت ہے، اس کا شکر ادا کرنا چاہیئے

ناکہ جو چیز چلی گئی اس کا افسوس کر کے ناشکری کی جائے جبکہ وہ واپس بھی مل سکتی ہے، ایم ائی رائٹ،؟

وہ جو جب سے اس کے سامنے آیا تھا اس سے نگاہیں چرا کر یا ادھر ادھر دیکھ کر بات کرتا تھا مگر اب ایک ایک لفظ اس کی آنکھوں میں جھانک کر بولا تھا جیسے ہر جملہ صدقِ دل سے بولا ہو۔

لویزا نے بھیگی پلکیں لیے اثبات میں سر ہلایا اور مسکرا دی (یہ بھی نظارا دنیا کا انوکھا نظارا تھا) وہ نظر نہیں ہٹا پا رہا تھا۔

رانا میر ہادی بہت بڑی مشکل میں پھنس چکا تھا اور اب اس سب سے فرار حاصل کرنا چاہتا تھا

چلو بریک فاسٹ کرتے ہیں،، ہادی نے اسے بازو سے تھام کر اٹھایا تھا۔

بہت نزدیک ہے،،،، وہ دائرے میں
مگر ایک فاصلہ چاروں طرف ہے

ڈائننگ ٹیبل تک آ کر اس کے لئے چئیر پیچھے کھسکائی۔ میڈ نے حیرت سے اپنے صاحب کو دیکھا تھا۔ جو اب لویزا کے ساتھ والی چئیر پر براجمان ہوا تھا مگر بھنچے جبڑوں کے ساتھ جیسے جانے کتنی تکلیف میں ہو یا کتنا برداشت کر رہا ہو۔

وہ بریک فاسٹ کر رہے تھے جب افضل اندر آیا۔ اسے پتہ تھا لویزا میڈم کے سامنے اسے بھول کر بھی رانا میر ہادی کو چھوٹے سائیں نہیں بولنا تھا۔

سر،، اس نے آ کر میر ہادی کو مخاطب کیا۔

اونھھھ، بولو افضل؟ وہ جوس کا گلاس لبوں سے لگاتا بولا۔

سر آپ نے فون آف کر رکھا ہے، باس کا فون تھا آپ کو فون آن کرنے کو بولا، اور کہا کہ فوراً ان سے بات کریں،

(مطلب حویلی سے دادا سائیں کا فون تھا اور اسے فورا ان سے بات کرنے کا حکم سنایا گیا تھا)

رائٹ، بریک فاسٹ کر کے کر لیتا ہوں بات، وہ لاپروائی سے بولا۔

وہ جو صرف اس کا ساتھ دینے کو بظاہر لقمے زہر مار کر رہا تھا جوس پی کر جلد ہی بریک فاسٹ سے ہاتھ کھینچ لیا۔

میں فون کر کے آتا ہوں، اس نے لویزا کی جانب دیکھ کر کہا اور فون لے کر باہر نکل آیا۔

دادا سائیں کا نمبر ڈائل کر کے فون کان کو لگایا تو اگلی دوسری بیل پر فون اٹھا لیا گیا۔

"اسلام و علیکم داداسائیں،

"وعلیکم السلام ،برخوردار کیسے ہو، ہمارے پوتے نے بھی اپنے خاندان کے مطابق شوق پال ہی لیے پھر،، دادا سائیں کا انتہائی معنی خیز لہجہ، جس کا مطلب تھا انھیں میر لاج میں اس کی موجودگی کا علم ہے جو جتا بھی دیا گیا تھا۔ حسب معمول اس کی تیوری پر بل آئے تھے۔

کام کی بات کریں دادا سائیں،، وہ دانت پیس کر بولا تھا۔

زمرد (ہادی کی پھپھو جانی کا بیٹا) کا نکاح ہے پرسوں، اپنی مصروفیات ایک سائیڈ پر رکھ کر فوراََ حویلی پہنچو، دادا سائیں کا لہجہ بھی تحکم بھرا تھا۔

اوکے، پہنچ جاؤں گا، آپ فکر مت کریں، کہہ کر فون رکھ دیا گیا تھا۔

عجیب بہت ہی عجیب دہری کیفیت کا شکار ہو رہا تھا یہاں سے فرار چاہتا تھا۔ سبب بھی بن گیا تو سو فوراً اندر ڈائننگ ٹیبل تک آیا جہاں وہ اب ہلکے ہلکے سپ لیتی جوس پی رہی تھی۔ وہ اس پر ایک گہری نگاہ ڈالتا اپنے روم میں چلا آیا تھا اور اب چھوٹے سے بیگ میں اپنے کپڑے اور سامان رکھ رہا تھا۔ جب دروازے پر ہلکی دستک دے کر وہ اس کے سر پر پہنچ چکی تھی۔

آپ کہیں جا رہے ہیں،، لویزا کا لہجہ حیرت میں ڈوبا ہوا تھا۔

یس، ایک لفظی جواب آیا۔

پر کدھر، وہ پریشان ہوئی۔

کمپنی کے کام سے دوسرے شہر، باس بھیج رہے ہیں،، وہ مصروف سا تھا۔

آپ مت جائیں ناں،، وہ روہانسی ہوئی اور بہت قریب چلی آئی اتنا کہ میر ہادی زرا سا بائیں جانب گھومتا تو اس کے پھول سے وجود سے ٹکرا جاتا۔ میر ہادی کے ہاتھ ٹھٹھک کر رکے تھے مگر اس کی جانب دیکھنے سے گریز ہی کیا تھا اس نے۔

"میں ہاسپٹل میں رہنے کی وجہ سے پہلے ہی پندرہ لیو لے چکا ہوں، اب میرے کھڑوس باس رعایت برتنے کے موڈ میں ہر گز نہیں ہیں ،سو جانا تو پڑے گا مجھے، اسے رسان سے سمجھانا چاہا۔

ایک نظر بھی اس کی جانب نہیں دیکھا تھا۔ جیسے دیکھ لیا تو پتھر کا ہو جائے گا۔

اوکے چلتا ہوں، اپنا بہت سارا خیال رکھنا، تین چار دن کی بات ہے لوٹ آؤں گا، کسی چیز کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں، تمھارا ہر طرح سے خیال رکھا جائے گا، وہ روانی سے کہتا باہر کی جانب بڑھا۔

لویزا کے پیروں نیچے سے زمین کھسکی۔ مگر وہ سن کب رہا تھا سنا کہ جا چکا تھا۔ لویزا بری طرح جھنجھلائی تھی اس کے اس رویے سے۔ مگر صبر کے گھونٹ پینے کے علاوہ کوئی چارہ بھی تو نہیں تھا۔ اسی لئے بھاگ کر آ کر اپنے کمرے میں بند ہو چکی تھی۔

میر ہادی اپنی گاڑی تک آیا تھا جب افضل اس کے پیچھے لپکا۔

نو افضل، اب کی بار تم میرے ساتھ نہیں آؤ گے، مجھے تم پر بھروسہ ہے، سو میڈم کو تمھارے سپرد کر کہ جا رہا ہوں، خیال رکھنا اس کا،، میر ہادی کہتا ہوا گاڑی میں بیٹھ چکا تھا۔

چھوٹے سائیں، ایسا پہلی مرتبہ ہو رہا ہے کہ میں آپ کہ ساتھ نہیں جا رہا، افضل نے جھجھکتے کہا۔ جس سے صاف ظاہر تھا اسے اپنے چھوٹے سائیں کا یہ حکم کچھ خاص پسند نہیں آیا تھا۔

اٹس اوکے، تم یہی سمجھنا کہ یہاں بھی میرے ہی وجود کے حصے کی دیکھ بھال اور رکھوالی کر رہے ہو، رانا میر ہادی کہہ کر خود ہی گڑبڑایا تھا

چلو ڈرائیور،، فوراََ سن گلاسز لگاتے ڈرائیور کو کہا۔ رانا میر ہادی کی زبان پھسلی تھی مگر کون جانتا تھا کہ اس کی زبان پھسل رہی تھی یا کم بخت دل ہی پھسل کر ہاتھوں سے نکلا جا رہا تھا۔

افضل نے گہری نگاہ دھول اڑاتی جاتی گاڑی کو دیکھا اور ایک سرد سی آہ بھری۔

دعا ہے چھوٹے سائیں آپ کو یہ کم بخت مرضِ عشق نا لاحق ہو جائے، آپ کو تڑپتے، برباد ہوتے نہیں دیکھ پائے گا یہ آپ کا وفادار غلام،

افضل دل میں اس سے مخاطب تھا۔ کیا ہی اچھا تھا جب وہ پتھروں اور چٹانوں کی طرح بے حس تھا۔ اب تو جیسے اس کی تمام احساس اپنی پوری جزئیات سمیت جاگ اٹھے تھے۔

ایسا بے حس کے پگھلتا ہی ناں تھا باتوں سے
آدمی تھا کہ ،،،،،،،،،،،،،،،،،،،تراشا ہوا پتھر دیکھا
دکھ ہی ایسا تھا کہ ،،،،،،رویا تیرا محسن ورنہ
غم چھپا کر اسے،،،،،،،،،، ہنستا ہوا اکثر دیکھا

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

ظفر آنکھوں پر ہاتھ رکھے کافی دیر سے اپنے کمرے میں لیٹا ہوا تھا۔ کسی پل کسی کروٹ سکون نہیں تھا۔ تبھی باہر سے دبی دبی سسکیوں کی آواز آئی تو وہ بے چین سا ہو کر اٹھ تھا۔

اٹھ کر باہر آیا ۔ آواز کچن کی جانب سے آرہی تھی۔ وہ کچن کی جانب آیا۔ تو دیکھا اس کی ماں ممتاز بیگم ڈائنگ ٹیبل کے پاس بیٹھی رو رہی تھیں۔

امی،، کیا ہوا آپ کو،، وہ بے چین سا ہو کر آ کر ان کے گلے لگا تھا۔

ارے یہ دنیا والے زرا بھی جو خوفِ خدا ہے ان کے اندر، عجیب بے حس اور ظالم لوگ ہیں، ہماری اس پھول جیسی معصوم بچی پر کیسی کیسی تہمتیں اور الزام لگا رہیں، یہ بے حس لوگ مرے ہوؤں کو بھی نہیں بخشتے، ارے میں نے اتنی بار کہا کہ ہماری بچی حادثے کا شکار ہوئی ہے مگر جو ان بے حس لوگوں کی سوراخ زدہ زبانوں پر قفل لگا ہو،، وہ روتی ہوئی جی بھر کر لوگوں کو کوستی اپنے دل کی بھڑاس نکالے گئیں۔

جانے دیں ناں امی کیوں اپنا بی پی ہائی کر رہیں، ان کا تو کچھ نہیں بگڑے گا آپ اپنی طبیعت خراب کر بیٹھیں گیں ، جانے دیں ناں،

ظفر نے انھیں تسلی دینی چاہی۔

ارے کیسے جانے دوں، اس بچی کا تو دور کی بات، میرے اتنے نیک ، تحمل مزاج بھائی کو نا بخشا ان دنیا والوں نے، ان کی طبعی موت کو بھی خودکشی بنا دیا، ارے ہر حد پار کر دی ان لوگوں نے بھی،

یہ کیا کہہ رہی ہیں امی آپ، ؟ ظفر صدمے سے گنگ ہی تو ہوا تھا۔

ہاں، اسی لئے تو آج دل پر لگی ہے میرے بچے، ارے یہ دنیا والے کیا جانے کتنا بھروسہ اور اعتماد تھا ہمیں ہماری بچی پر، اور اقبال، اقبال تو آنکھیں بند کر کے اعتبار کرتا تھا اپنی گڑیا پر، مگر یہ لوگ اور ان کی باتیں،، ممتاز بیگم پھر رونے لگیں ۔

ظفر بھی بے حد دکھی ہوا تھا اٹھا اور کولر سے پانی بھرتا اس دردناک دن کے بارے میں سوچنے لگا۔۔

اقبال صاحب کو تو کافی عرصے سے دل کے عارضہ لاحق تھا ۔ مگر یہ بات انھوںنے لویزا سے چھپا کر رکھی تھی۔ ظفر نے بارہا کہا کہ وہ لویزا کو حقیقت سے آگاہ کر دیں مگر انھوںنے ایسا کرنے نہیں دیا۔ اس دن انھیں صبح سے ہی سینے میں ہلکے درد کی شکایت تھی اور وہ آفس سے گھر آ گئے تھے۔ ظفر کو فون کر کے ڈاکٹر کو گھر لانے کو بولا تھا۔

For more books 0313-6137393

ظفر بھاگم بھاگ ڈاکٹر کو لے کر گھر پہنچا تھا۔ مگر طبیعت زیادہ خراب ہو جانے کی وجہ سے ایمبولینس کو فون کر دیا گیا تھا انھیں ہاسپٹل لے جانے کے لئے ۔

اس وقت وہ لویزا کو بار بار فون کرتا رہا تھا مگر شاید سمینار اور آڈیٹوریم میں شور شرابے کی وجہ سے وہ فون پر دھیان نہیں دے پائی تھی۔ (یہ وہی وقت تھا جب آڈیٹوریم میں وہ تماشہ ہو رہا تھا۔)

ایمبولینس آئی مگر تب تک دیر ہو چکی تھی۔ اقبال صاحب جانبرد نا ہو سکے اور میجر ہارٹ اٹیک کی وجہ سے اپنے خالق حقیقی سے جا ملے تھے۔ وہ لویزا سے بار بار کونٹیکٹ کرنے کی کوشش کرتا رہا مگر کچھ دیر بعد اس کا فون بند ہو چکا تھا۔

رات گئے تک بھی جب لویزا اپنے بابا کی میت پر نا پہنچ سکی تو لوگوں میں چہ میگوئیاں شروع ہوئیں (اور یہ بھی بکواس لوگوں سے ہی میر ہادی کے آدمیوں نے سنی تھی کہ اقبال صاحب نے خود کشی کی ہے)

اگلے دن تک انتظار کے بعد انھیں اپنی آخری منزل تک پہنچا دیا گیا۔

پانی گلاس سے باہر گرنا شروع ہوا تو ظفر چونک کر اپن خیالات سے باہر آیا تھا۔۔ پانی کا گلاس اپنی ماں کے لبوں سے لگایا اور ان کو تسلی دی۔

مگر وہ بے بس تھا جو کچھ بھی ہو چکا تھا جو کچھ بگڑ چکا تھا اسے وہ کسی صورت ٹھیک نہیں کر سکتا۔

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

کوئی جو پوچھے کہ ہیں آج کیوں ہیں سرخ آنکھیں

تو آنکھیں مَل کے یہ کہتا ہوں،،،،،،،، رات سو نا سکا

ہزار چاہوں گا ،،،،،،،،،،،،،مگر یہ نا کہہ سکوں گا کبھی

کہ رات رونے کی خواہش تھی ،،،،،،،،مگر رو نا سکا

آج دو دن ہو چکے تھے اسے حویلی آئے۔ ایک ضروری کام کا بول کر حویلی سے نکلا تھا۔
ساتھ اس کے گارڈ بھی تھے۔
اس کے ہاتھ میں کچھ پیپر تھے۔ گاڑی سردار کمال کی حویلی کے پورچ میں رکی تھی۔ وہ پوری شان و شوکت لیے گاڑی سے باہر نکلا تھا۔ پورے مردان خانے میں ایک ہلچل سی مچ چکی تھی ۔ پورے مردان خانے میں ہلچل سی مچ گئی تھی۔ رانا میر ہادی آیا تھا کوئی معمولی بات تو نہیں تھی۔

اسے بڑی عزت کے ساتھ مردان خانے میں بٹھایا گیا تھا اس نے سردار کمال سے ملنے کی خواہش ظاہر کی تھی۔

یہ پیغام اندر سردار کمال تک بھی پہنچا دیا گیا تھا۔ کچھ ہی دیر میں سردار کمال مردان خانے میں تشریف لائے تھے۔
نگاہ سامنے اٹھی تو وہ بلیک شلوار قمیض پر مردانہ شال کندھوں پر ڈالے سن گلاسز لگائے ٹانگ پر ٹانگ جمائے انھیں آج بھی وہی سرپھرا گھمنڈی وڈیرا لگا جس کے بغیر سوچے سمجھے جلد بازی میں لیے گئے فیصلہ نے ان کی معصوم بچی کی زندگی برباد کر دی تھی۔

سردار کمال اس کے سامنے آ کر بیٹھے اور نفرت سے اسے گھورا۔

کیا بات ہے رانا صاحب، ابھی کچھ اور برباد کرنا باقی ہے جو تشریف لائے، اور سرداروں کی حویلی کو رونق بخشی، سردار کمال کے لہجے میں نفرت بھری چبھن سی تھی ۔مگر حسب معمول سامنے والے کے اطمینان میں فرق نہیں آیا تھا۔ سن گلاسز اتارتے ہوئے گویا ہوا۔

"جانتا ہوں سردار صاحب خود سے نفرت کرنے کے لئے میں نے کئی لوگوں کو کئی وجوہات دے رکھی ہیں، مگر چلیں کوئی بات نہیں، شاید اس سے کچھ افاقہ ہو جائے، میر ہادی نے وہ فائل سردار کمال کی جانب بڑھائی۔

کیا ہے یہ رانا میر ہادی،، سردار کمال نے اچنبھے سے فائل کی جانب دیکھا۔

آپ کی بچی کی رخصتی میرے حکم پر ہی کی ہوئی تھی، کیونکہ ملکوں کے بیٹے کو بھی اس نکاح میں زرا برابر دلچسپی نہیں تھی تو میں نے خون بہا کی رقم ادا کر کے بچی کو طلاق دلوا دی ہے یہ وہی آزادی کا پروانہ ہے، اب آپ کی بچی آزاد ہے، یہی پیپر آپ کو دینے آیا تھا،، یہ کہہ کر رانا میر ہادی نے دوبارہ سن گلاسز اٹھا کر پہنی تھیں اور اٹھ کر کھڑا ہوا۔

سردار کمال نے سر خوشی اور تشکر کے احساس سے رانا میر ہادی کو دیکھا تھا۔ جس نے واپسی کے لئے باہر کی جانب اپنے قدم بڑھائے تھے۔۔

رانا میر ہادی یہ سب کرنے کی کوئی خاص وجہ، سردار کمال پوچھ بیٹھے۔

اس کے جاتے قدم وہیں تھم سے گئے تھے۔آنکھوں کے پردے پر ایک معصوم سا چہرہ لہرایا مگر جھنجھلا کر فورا ہی سر جھٹک دیا۔

بلکل، ملکوں کو سمجھا کر آیا ہوں کہ معاف کر دو، سکون جیسی دولت حاصل کر لو گے، جو ہر کسی کے نصیب نہیں ہوتی ،،رانا میر ہادی نے کہا

اس کے باوجود سردار کمال کو اس کے انگ انگ سے ایک بے چینی سی ظاہر ہوتی محسوس ہوئی تھی۔

جیتے رہو، خوش، رہو میر ہادی، سردار کمال نے کہا تو اس نے سر کو خفیف سی جنبش دی اور وہاں سے نکلتا چلا گیا اور اب واپس آ کر کافی دیر سے اپنی زینوں پر چہل قدمی کر رہا تھا۔

اک "ع" تھی ، پھر "شین" تھا

کچھ آگ تھی ، کچھ راکھ تھی

اک دشت تھا، اک بحر تھا

صحرا بھی تھا اور پیاس تھی

پھر اک خلا بے انت سا

اک بند گلی سا راستہ

ویرانیاں ، تنہائیاں

پھر "ق" تھا ،

پھر سارا منظر راکھ تھا ،

سب خاک تھا ،

بس "عشق" تھا ، بس "عشق" تھا

وہ کب سے زمینوں پر چہل قدمی کرتا گہری سوچ میں تھا۔ جب سے آیا تھا ایک پل، ایک لمحے تو کیا ایک ساعت کے لئے بھی وہ اس کے دل و دماغ پر سوار ،،اترنے کا

نام نہیں لے رہی تھی۔ لاکھ زہن جھٹکا سو طرح کے حیلے بہانے کر چکا تھا۔ مگر اپنی ہر کوشش میں بری طرح فیل ہوا تھا۔ کھیتوں میں کام کرتے کسان مرد و عورتوں نے چھوٹے سائیں کو اپنے آس پاس چکر لگاتے دیکھا۔

وہ جو دنیا کو اپنے جوتے کی نوک پر رکھا کرتا تھا حیرت انگیز طور پر آج ان کے پاس آ کر ان سے ان کے مسلئے مسائل پوچھ رہا تھا۔

تبھی حویلی سے اس کے لئے پیغام آیا ۔ دادا سائیں نے یاد کیا تھا۔

تبھی وہ حویلی کی طرف روانہ ہوا تھا۔

مردان خانے میں سب موجود تھے۔۔ زمینوں کے مطلق کچھ ضروری ڈسکشن چل رہی تھی۔ میر ہادی نے اپنی پوری دلچسپی سے اس بیٹھک میں شرکت کی تھی۔

دادا سائیں اور بابا سائیں دو دن سے اس میں آئی تبدیلی اور غیر معمولی سنجیدگی نوٹ کر رہے تھے۔

بیٹھک برخواست ہوئی تو وہ تینوں اندر آئے۔۔ اور اب تینوں آپس میں ہلکی گفتگو میں مصروف تھے جب بابا سائیں کو کوئی بات یاد آئی۔

میر ہادی تم نے اپنے اکاؤنٹ سے ایک بڑی رقم نکالی، کیا میں جان سکتا ہوں، کیا ضرورت پڑ گئی تمھیں اتنی خطیر رقم کی،؟ بابا سائیں نے پوچھا تو میر ہادی کے اطمینان میں زرا برابر بھی فرق نہیں آیا تھا جبکہ دادا سائیں نے بغور اس کے چہرے کو دیکھا تھا جیسے کچھ ڈھونڈنے کی کوشش کی ہو۔

ملکوں کو دیئے ہیں خون بہا کے طور پر، سرداروں کی بچی کو آزادی دلوائی ہے، اس نے سکون سے کہا۔۔

مگر یہ رقم تو سردار بھی باآسانی ادا کر سکتے تھے، دادا سائیں نے بے تاثر لہجے میں کہا۔

ہمم کر سکتے تھے، مگر تب کرتے جب پنچائیت میں، میں یہ حکم دیتا مگر یہ میرا غلط فیصلہ تھا تو مجھے ہی سدھارنا تھا اسی لئے اپنے پرسنل اکاؤنٹ میں سے دیئے پیسے، اینی اوبجیکشن،، اس نے سکون سے کہا۔

اماں سائیں اور ممتاز بیگم تو ورطہ حیرت میں ہی ڈوبی ہوئیں تھیں کہ یہ الفاظ انھوںنے میر ہادی کہ ہی منہ سے سنے تھے۔

نہیں، ہمیں کیا اعتراض ہو سکتا ہے، گاؤں کا ہونے والے سرپرست ہو جو مرضی کرو،، بابا سائیں نے لاپروائی سے کہا۔

تبھی لاؤنج میں بختاور داخل ہوئی تھی اس کے ساتھ ہی میڈ لوازمات اور چائے سے بھری ٹرالی کھسکائے چلی آئی۔

تم جاؤ، میں سرو کر دوں گی، اس نے پیچھے مڑ کر میڈ سے کہا اور سب کو چائے دینے لگی۔

چھوٹے سائیں، بختاور کو کب اپنے ساتھ شہر لے کر جا رہے ہو پھر سارا سارا دن حویلی میں بور ہوتی رہتی ہے یہ ، دادا سائیں نے بلکل اچانک کہا تھا میر ہادی کے جبڑے بھینچ چکے تھے یہ سمجھ کر کہ انھوننے نے یہ شوشا کیوں اور کس لیے چھوڑا ہے۔۔

جبکہ بختاور اس کا سنجیدگی میں ڈوبا چہرہ دیکھ پہلو بدل کر رہ گئی تھی۔

میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں دادا سائیں، بہت جلد میرا اینول ایگزیم ہونے والا ہے تو میں یہیں حویلی ہی شفٹ ہو جاؤں گا، پھر میرا شہر رہنے کا کوئی ارادہ نہیں، میر ہادی نے سہولت سے بات سنبھالی تھی دادا سائیں خفیف سا مسکرائے تھے۔

میر ہادی چائے پیے بغیر ہی جھٹکے سے اٹھا تھا اور اپنے کمرے میں چلا گیا۔

وہ کافی دیر سے راکنگ چئیر پر بیٹھا اپنی جان سگریٹ میں جھونک رہا تھا۔ جان بس حلق میں ہی اٹکی چاہتی تھی۔ تبھی دروازہ کھول کر بختاور روم میں داخل ہوئی تھی۔ ہاتھوں میں بھانپ اڑاتی کافی کا مگ تھا۔

یہ لے لیں، آپ نے چائے بھی نہیں پی، بختاور نے کپ میر ہادی کی جانب بڑھایا جو کہ اس نے بغیر کچھ بھی کہے شرافت سے تھام لیا۔ بختاور اسے غور سے دیکھے گئی جس کے رنگ ڈھنگ ہی مکمل طور پر بدل چکے تھے۔ جو پورا کا پورا بدل چکا تھا۔ اب بھی بلیک شلوار قمیض میں وہ مغرور شہزادہ سوگوار سا لگ رہا تھا۔

میر ہادی نے بس ایک نگاہ غلط اس کے مکمل سجے سنورے روپ پر ڈالی تھی جو اپنے بھائی کے نکاح میں شمولیت کے لئے بلکل تیار کامدار میرون جوڑے میں اس کے سامنے کھڑی تھی۔

آپ کے کپڑے نکال دیئے ہیں میں نے، میر ہادی کے دیکھنے پر اس نے گڑبڑا کر کہا تو اس نے بھی اثبات میں سر ہلا دیا۔ اور سیدھا ہو کر گھونٹ گھونٹ کافی کی تلخی اپنے اندر اتارنے لگا۔

آپ کافی سے زیادہ ڈسٹربڈ ہیں میں نے اتنا پریشان آپ کو پہلے کبھی نہیں دیکھا، بختاور نے ہاتھوں کی انگلیاں چٹخاتے جھجھکتے دل میں آئی بات بول ہی دی۔

بختاور میرے پاس تمھیں دینے کو کچھ بھی نہیں ہے، تم اچھی طرح جانتی ہو، شروع دن سے میں نے حق کے اس شادی سے پہلے بھی پورے خاندان کے سامنے بولا تھا کہ میں یہ شادی نہیں کرنا چاہتا، مگر تم نے ضد کر کے مجھ سے شادی کی، میں ہزار دفعہ کی پوچھی بات پھر سے تم سے پوچھوں گا، تمھیں اس بے نام کے کھوکھلے رشتے سے آزادی چاہیے، اب بھی وقت ہے، میرے پیچھے اپنی زندگی برباد مت کرو، یہ وٹہ سٹہ کی بےہودہ رسم، میری بہن ثمرہ جب اپنے گھر میں بہت خوش ہے تو تمھارا بھی پورا حق خوشیوں بھری زندگی پر،،

آج میر ہادی کے لہجے میں بیزاریت کی بجائے عاجزی اور صدیوں کی تھکن سی تھی۔

بختاور کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں بھینچا تھا۔

اور میں بھی ہزار دفع کی دہرائی بات پھر سے دہراؤں گی کہ مجھے آپ سے کچھ نہیں چاہیے ، آزادی بھی نہیں،میرے لئے وصل کے کچھ پل ، کچھ راتیں ہی بہت ہیں جو آپ نے مجھے بھیک سمجھ کر ہی سہی اپنی قربت بخشی، مگر آج ایک سوال کا جواب ضرور جاننا چاہوں گی، بختاور نے کہا تو میر ہادی نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی جانب دیکھا۔

نام کیا ہے اس کا؟ بختاور نے اطمینان سے کہا۔

واٹ،، میر ہادی شاکڈ سا اسے دیکھے گیا۔

میں نے پوچھا کون ہے وہ جس نے آپ کی زندگی میں آ کرآپ کا چین سکون، نیند سب کچھ غارت اور برباد کر کے رکھ دیا ہے،

وہ جو دو دن سے اپنے آپ سے بھی چھپتا پھر رہا تھا بری طرح پکڑا گیا تھا۔

تیری قسم ،،،،ہم پکڑے گئے ہیں
ہتھکڑیوں میں جکڑے گئے ہیں
ہم کو محبت ڈھونڈ رہی تھی نام پتہ سب پوچھ رہی تھی۔

بختاور تم امی سائیں لوگوں کے ساتھ چلو میں تیار ہو کر آ جاؤں گا، تم لیٹ ہو رہی ہو، جاو جا کر پھپھو سائیں کے ساتھ کاموں میں ہاتھ بٹاؤ، وہ دوسری جانب دیکھتا سرد و سپاٹ بے تاثر چہرہ لیے بولا۔

بختاور نے سرد سی آہ بھری اور کمرے سے نکلتی چلی گئی۔

ادھر وہ اچانک ہی بری طرح بے چین ہوا تھا جیسے دل کسی نے پاؤں تلے کچلا فون پر میسج ٹون رنگ ہوئی تو فورا نکال کر دیکھا۔

جس میں راجہ نہیں ہے رانی کا
اس کہانی کا دکھ سمجھتے ہے

رانا میر ہادی کی دھڑکنیں بری طرح منتشر ہوئیں تھیں۔ کافی مبہم ساپیغام تھا جو وہ اچھی طرح سمجھ چکا تھا۔

فورا فون پر وہی نمبر ڈائل کیا۔

وہ دو دن سے میر لاج میں بولائی بولائی سی پھر رہی تھی۔ روزی اس کا بے تحاشا خیال رکھتی تھی مگر رات آٹھ بجے تو اسے بھی واپس جانا ہوتا تھا۔ وہ پھر تنہا ہو جاتی تھی۔ دن میں اجالا چلی آتی۔ اس کے ساتھ کافی وقت گزارتی مگر پھر اسے بھی جانا ہوتا تھا۔ چار دن بعد اس کا بھی نکاح تھا۔ بے تحاشا مصروفیت میں سے وہ اپنا وقت نکال کر اس کے پاس آتی اور اس کی دیکھ بھال کرتی۔ ابھی لویزا مکمل صحت یاب نہیں ہوئی تھی سو اجالا کے ساتھ شاپنگ پہ نہیں جا سکتی تھی۔ بلکہ لویزا کی شاپنگ بھی اجالا نے ہی کی تھی۔

اس بے مہر، ستمگر نے جا کر ایک مرتبہ بھی اس کا اتا پتہ نہیں لیا تھا نا بات کی، حال تک نا پوچھا جو اس کے لئے زیادہ تشویشناک بات تھی۔ اب اس کے دل میں ہزار طرح کے وسوسے اور وہم آنے لگے تھے کہ وہ کیوں اسے اگنور کر رہا ہے۔۔ اب بھی

رات کے نو بج چکے تھے وہ اپنے روم میں کھڑکی کے پاس بیٹھی تھی جب دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔

میر ہادی، سر خوشی سے زبان سے پھسلا کہ وہ لوٹ آیا مگر دروازہ کھولا تو سامنے افضل نگاہیں جھکائے کھڑا تھا۔

جی بابا، خیریت، کوئی کام تھا آپ کو، وہ بری طرح مایوس ہوئی تھی مگر لہجہ حتی الامکان نرم کیا۔

جی بٹیا، یہ دینا تھا آپ کو، افضل نے ایک باکس اس کے سامنے کیا۔

یہ کیا ہے بابا، اس نے حیرت و تجسس سے اس باکس کو دیکھا۔

موبائل ہے آپ کا بیٹا چھوٹے،،، میرا مطلب ہے سر نے آپ کے لئے بھیجا ہے،،

شکر ہے ان کو خیال تو آیا،، لویزا نے منہ بنایا اور باکس تھام لیا۔

افضل واپس گیا لویزا نے ڈور لاک کیا اور بیڈ پر آ کر وہ باکس کھولا۔ مہنگا ترین آئی فون تھا۔ نمبر بھی ایکٹو کر کے دیا گیا تھا۔ کانٹیکٹ لسٹ میں ایک ہی نمبر سیو تھا۔

Rana Meer Hadi

اسنے جلدی سے نام ایڈیٹ کیا۔

کڑوا کریلا،

اور اپنی حرکت پر خود ہی قہقہہ لگا کر ہنس دی۔ وہ ہنسے چلی جا رہی تھی ۔ ہنستے ہنستے کب آنکھوں سے آنسو جاری ہوئے اسے بھی پتہ نہیں چلا تھا۔

تبھی ایک میسج لکھ کر فارورڈ کیا تھا۔

اب وہ گھٹنوں میں منہ دیئے روئے چلی گئی۔ کئی منفی سوچیں جو دو دن سے روح کو کچوکے لگا رہیں تھیں اب پوری آب و تاب کے ساتھ دل و دماغ پر حاوی ہوئیں تھیں۔

مجھے یہ مہنگے کھلونے نہیں چاہیں، مجھے تو وہ قیمتی وقت چاہیے تھا جو شاید اب آپ کے پاس میرے لئے نہیں ہے۔ ہوگا بھی کیوں، بھلا ایک بیمار بیوی جو آپ کو کوئی سکھ کوئی سکون نہیں دے سکتی اس سے کیا دلچسپی رہی ہو گی آپ کو۔۔

یہ وہ سوچیں تھیں جو اسے اندر ہی اندر کھائے جا رہیں تھیں۔

تبھی فون رنگ ہوا اور جگمگاتی سکرین پر کڑوے کریلے کا نمبر بلنک ہوا تو اسے حیرت ہوئی۔

اس نے جلدی سے آنسوؤں سے تر چہرہ صاف کر کے فون یس کر کے کان کو لگایا

السلام وعلیکم،، لویزا نے اپنا لہجہ بشاش کرنا چاہا۔

تم رو رہیں تھیں،، رانا میر ہادی کے سرسراتے لہجے نے اس کے رونگٹے کھڑے کیے تھے۔

وہ نا ہاں کر سکی نا ناں، باغی سے آنسوؤں نے پھر گال بھگو ڈالے۔

رونا بند کرو، لویزا میر ہادی، اور یہ جو فضول کی سوچیں اور خرافات دماغ میں پال رہی ہو انھیں اپنے چھوٹے سے دماغ سے نکال باہر کرو، نہیں تو واپس آ کر حشر بگاڑ دوں گا،، میر ہادی کے پھنکارتے لہجے سے وہ رونا دھونا بھول گئی تھی۔
کک، کیا، میں کیا سوچ رہی تھی، وہ بری طرح بوکھلائی تھی (وہ کیا جادوگر تھا جو اتنی دور بیٹھا بھی اس کے دل کے بھید جان گیا تھا)

جو بھی سوچ ہے دل و دماغ سے نکال باہر کرو، کام تو کافی سارا تھا مگر میں کل واپس آ رہا ہوں، میرے آنے سے پہلے اپنا مزاج درست کر لو نہیں تو میں کر دوں گا، اب بھی وہ ڈانٹنے کے انداز میں بولا تو لویزا بھی بھنائی۔

کیا غلط سوچ ہے ہادی میری، ان دو دنوں میں آپ نے ایک مرتبہ بھی مجھ سے بات نہیں کی ایک مرتبہ بھی میرا حال احوال تک نہیں پوچھا، سچ بات تو یہ ہے کہ اپ کو میری کوئی فکر ہی نہیں، مجھ سے محبت ہی نہیں اور نا میری کوئی پرواہ ہے آپ کو،، وہ پھٹ پڑی۔

"تمھیں مجھ سے یہ شکایت ہے رانا لویزا میر ہادی کہ میں تم سے محبت نہیں کرتا، تمھاری پرواہ نہیں کرتا،جبکہ میں ڈرتا ہوں کہ کہیں مجھے تم سے عشق ہو گیا تو تمھاری زندگی جہنم بن جائے گی، یہ محبت اور انسیت اگر عشق میں بدل گئی تو جیسے میرا جینا حرام ہوا ہے تمھارا بھی بلکل ویسے ہی کردوں گا ، چین، سکون نیندیں سب کچھ چھین لوں گا میں، جبکہ ابھی تمھاری نازک جان یہ سب جھیلنے کے بلکل بھی قابل نہیں ہے،

فون سے ابھرتی آواز میں اس قدر جنون اور شدت تھی کہ لویزا کو جھرجھری سی محسوس ہوئی تھی۔

چند پلوں کے لئے دونوں جانب خاموشی چھائی تھی۔

میں ٹھیک ہوں اب، آپ فکر مت کریں، کہہ کر لویزا، نے فون رکھ دیا تھا۔
ہتھیلیاں پسینے سے بھیگ چکیں تھیں۔
اونہہہہ کڑوے کریلے،،
بڑی شرافت سے بڑبڑاتے کمفرٹر میں منہ دے کہ دبک گئی تھی۔

ادھر وہ جو سلگ سلگ کر اب راکھ بن چلا تھا دل کی بھڑاس نکال کر کچھ تو سکون ملا تھا جھٹکے سے اٹھا اور کپڑے لے کر واش روم گیا تھا۔

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

محفل اپنے عروج پر تھی۔
وہ رائل گرین ٹو پیس میں اپنی پھپھو کی حویلی کے دلہن کی طرح سجائے گئے احاطے میں داخل ہوا تھا۔ دو دن کے مقابلے میں اب اس کے چہرے پر قدرے سکون اور اطمینان سا تھا۔ وہ ہمیشہ کی طرح مرکزِ نگاہ بنا تھا۔ ہر نگاہ اٹھی اور پلٹنا بھول گئی

تھی۔ ہر لڑکی اسے دیکھ کر ایک آہ سی بھر رہی تھی ہر کوئی بختاور میر ہادی کی قسمت پر رشک کر رہا تھا، مگر وہ بے نیازی سے آگے بڑھا اور سٹیج کے قریب اماں سائیں کے ساتھ والی کرسی پر بیٹھ گیا۔

پھپھو فرحین اس سے ملنے آئیں تھیں اور اس کی ڈھیروں بلائیں لے ڈالی تھیں۔

رانا میر ہادی کی مکمل توجہ اب اپنے فون میں موجود اس دو جملہ شعر کی جانب تھا جس نے ابھی ابھی اس کا کچھ سکون پہنچایا تھا۔ وہ بار بار اس میسج کو پڑھے جا رہا تھا۔۔ جیسے میسج نا ہوا کوئی نشہ ہو جس نے جسم و جاں پہ سرور سا طاری کیے رکھا تھا۔

نکاح کا پاکیزہ بندھن بندھ چکا تو ہر طرف مبارکباد کی صدا گونجی تھی۔ یہ زمرد کا نکاح تھا۔ اس کی پھپھو کا بیٹا اور ہر بات میں اس کا مقابلہ کرنے والا ۔ کیونکہ میر ہادی تو اپنا دامن سیاست سے جھاڑ چکا تھا کہ اسے سیاست سے زرا برابر بھی دلچسپی نہیں تو آگے اس کے بڑوں کی سیٹ زمرد کے سنبھالنے کا زیادہ چانس تھا۔

نکاح کے بعد محفلِ غزل اپنے عروج پر تھی۔۔ ملک کی مشہور گائیکہ اپنے سروں کا جادو چاروں اطراف بکھیر رہی تھی۔

لے آئی پھر کہاں پہ قسم ہمیں کہاں سے

یہ تو وہی جگہ ہے گزرے تھے ہم جہاں سے

میر ہادی کے پاس والی چیئیر پر بختاور آ کر بیٹھی تھی۔ مگر میر ہادی تو پتہ نہیں کونسے جہان کی سیر کو نکلا ہوا تھا جو وہاں موجود ہو کر بھی وہاں نہیں تھا ۔ کب سے کسی غیر مرئی نقطے کو گھورنے میں مصروف تھا۔

محفل میں آپ کی ہم کچھ اور تو نا لائے

جزبات میں سجا کہ الفاظ لے کے آئے

یاد آئیں گے بہت ہی جائیں گے جب یہاں سے

یہ تو وہی جگہ ہے گزرے تھے ہم جہاں سے

بختاور نے اس کے ہاتھ پہ اپنا ہاتھ رکھ کر اپنی جانب متوجہ کرنا چاہا، میر ہادی نے تیزی سے اس کی گرفت سے اپنا ہاتھ نکالا تھا۔ اور اتنی ہی تیزی سے وہاں سے نکلتا چلا گیا۔

کیونکہ اب اسے اپنے آپ سے وحشت سی ہو چلی تھی۔

یہ رات اس نے انگاروں پر بسر کی تھی۔

صبح ہوتے ہی میر ہادی شہرِ لاہور کے لئے روانہ ہوا تھا۔

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

آج میر ہادی خود ڈرائیونگ سیٹ پر براجمان تھا۔ اس کے پیچھے گارڈز کی گاڑی تھی۔

نگاہیں سامنے طویل سڑک پر مرکوز، تھیں ۔ دھیان کے پردے پر کچھ اور ہی چل رہا تھا۔

دل و دماغ میں ایک جنگ سی چھڑی ہوئی تھی۔

مگر اسے اپنے دل کو سمجھانا تھا۔

وہ اس کی نہیں تھی۔ اسے چلے ہی جانا تھا میر ہادی کی زندگی سے۔ دور بہت دور۔ اتنی دور کے وہ شاید ہی کبھی دوبارہ اپنی زندگی میں اسے دیکھ بھی پائے گا۔ اور صحت یاب ہونے کے بعد تو وہ جانے کتنی نفرت کرے گی اس سے۔

تو دل آنکھیں موند کر جس راہ پر اندھا دھند چل نکلا تھا وہ پاگل پن ہی تھا اس کا۔

سو اسے بے اختیار نہیں ہونا تھا۔ دل کی لگامیں کسنی تھیں ہر صورت ہر قیمت۔

وہ یہ سب سوچ رہا تھا یہ جانے بغیر کہ اس کے یہ سب ارادے ابھی کچھ دیر بعد ہی بھر بھری مٹی کا ڈھیر ثابت ہوں گے۔ جو زرا سی ہوا سے فضا میں بکھر جاتی ہے۔

گاڑی میر لاج کے ڈرائیو وے پر رکی تو وہ گاڑی سے نکلا۔ چابی افضل کو تھمائی گاڑی پارک کرنے کے لئے ۔ تیزی سے اندر آیا تھا۔

چاروں جانب دیکھا۔ کوئی نہیں تھا۔ سرد سی آہ بھری۔

مگر کچن سے سسٹر روزی نکلی تھی۔

گڈ نون سر، کیسے ہیں آپ؟ سسٹر نے وش کیا تو اس نے سر ہلاہا۔

میں ٹھیک، لیزا کدھر ہے؟ سسٹر،،

اپنے روم میں ہیں سر،، روزی کو اس کی بیقراری پر ہنسی آئی۔مگر وہ پھر کچن میں گم ہو گئی۔

قدم خود بخود اس کے کمرے کی جانب بڑھے تھے۔ رک کر ڈور ناک کیا۔ مگر دو تین مرتبہ دستک دینے کے باوجود جواب ندارد۔
آخر وہ تنگ آ کر جھجھکتے دروازہ کھول کر اندر آیا۔ کمرہ خالی منہ چڑھا رہا تھا۔ پانچ منٹ ویٹ کیا کہ شاید واش روم میں ہو۔ مگر کوئی آواز نہیں تھی۔
وہ جھجھکتے واش روم کے ڈور تک گیا۔
لیزا،، آواز دی۔ مگر اندر کوئی ہوتا تو جواب بھی آتا۔
لویزا،، ایک مرتبہ پھر پکارا۔ اب اس کا دماغ پوری طرح گھوم چکا تھا۔ اتنی سی دیر میں دل پسلیوں سے سر پٹخنے لگا تھا یہ سوچ کر کہ،

لویزا،، وہ دھاڑا اور جھٹکے سے واش روم کا دروازہ کھولا تھا۔ مگر واش روم خالی دیکھ وہ سلگ اٹھا تھا۔ تیزی سے باہر آیا۔ اب پورا میر لاج اس نے دیکھ لیا تھا۔

افضل،،، افضل، وہ شیر کی طرح دھاڑتا سرخ چہرے اور لہو چھلکاتی آنکھیں لیے باہر آیا تھا۔

جی چھوٹے سائیں،، افضل لپک کر پاس آیا تھا۔

لویزا اندر نہیں ہے، کدھر گئی؟ وہ چلایا۔

پر چھوٹے سائیں وہ باہر تو نہیں نکلیں،، افضل نے تعجب سے کہا۔

اندر نہیں ہے وہ، میں پوچھتا ہوں بھنگ پی کر پہرہ داری کر رہے ہو تم لوگ جو پتہ نہیں کہ کدھر گئی، ڈھونڈو اسے نہیں تو سب کو زندہ جلا دوں گا،، میر ہادی کا بس نہیں چل رہا تھا ان سب پر پٹرول ڈال کر ابھی آگ لگا دے۔

افضل نے اپنے چھوٹے سائیں کو سر تا پا غور سے دیکھا تھا اور مسکرایا۔

واٹ دا ہیل، افضل، اس گستاخی کا مطلب؟ وہ دھاڑا تو افضل اپنی بے اختیاری پر گڑبڑایا۔

چھوٹے سائیں، میڈم اندر ہی ہیں، شاید کہیں جان بوجھ کر چھپی ہیں، مزاق کر رہی ہوں گی آپ کے ساتھ، افضل نے نیچے دیکھتے کہا کہ کہیں چھوٹے سائیں کا دھواں دھواں چہرہ دیکھ اس کی پھر ہنسی نا چھوٹ جائے۔

واٹ،، اسے آگ لگی۔ جزبز سا وہ مٹھیاں بھینچ کر اپنا غصہ کنٹرول کرنے کے چکر میں بے حال ہو رہا تھا۔

کسی بھی اتنی جرأت نہیں تھی کہ اس کے چہرے کی جانب ہی دیکھ لیتا۔

وہ بھسم کرنے والے انداز میں پھر اندر گیا۔

وہ جو گاڑی کی آواز سن کر منہ بناتی سٹڈی میں بکس ریک کے پیچھے جا چھپی تھی نہیں جانتی تھی بھوکے شیر سے الجھ رہی ہے۔

بھاری قدموں کی سٹڈی کی جانب آتی آہٹ سے وہ گھبرائی تھی مگر پھر ڈھیٹ بن گئی۔۔ وہ جو سٹڈی میں داخل ہوا تھا۔ ایک گہرا سانس کھینچا۔ ایک دلفریب خوشبو نے روح تک کو معطر کیا۔

وہ جارحانہ تیور لیے آگے بڑھا تھا۔ لویزا کی سانس خشک ہوئی تھی۔

جھٹکے سے کلائی سے کھینچ کر اسے بکس ریک کے پیچھے سے نکال کر اپنے سامنے کھڑا کیا تھا۔ رانا میر ہادی کے بھسم کر دینے والے تیور اور ماتھے پر پڑے بے شمار بلوں نے

لویزا کو یہ اچھی طرح باور کرا دیا تھا کہ اس کا یہ بچکانہ مزاق سامنے والے کو کچھ خاص پسند نہیں آیا ہے۔

واٹ دا ہیل،، یہ کیا بے ہودہ مزاق تھا لویزا،، وہ غرایا۔

وہ میں چیک کر رہی تھی کہ آپ کو میرے ہونے نا ہونے سے کوئی فرق پڑتا ہے، وہ بڑے مزے سے کان کھجا کر بولی۔ (دل کی دھڑکنیں بری طرح منتشر ہوئیں تھیں اس کا اپنے لئے غصہ، فکر اور پریشانی دیکھ کر)

رانا میر ہادی کا دل کیا اس کا حشر بگاڑ دے۔ ایک قدم آگے بڑھ کر اس کا جبڑا ہاتھ کی گرفت میں لیا تھا۔

آئندہ بھول کر بھی یہ بے ہودہ مزاق مت کرنا میرے ساتھ لویزا، برداشت نہیں کروں گا میں، میر ہادی نے اسے جھڑکا۔ مگر ادھر خاطر خواہ اثر نہیں ہوا تھا۔ اپنے چہرے سے اس کا ہاتھ پیچھے ہٹایا۔

تو آپ سیدھی طرح بتا دیں ناں جو میں پوچھ رہی تھی، معصومیت سے کہا گیا۔

واٹ، کلائی ابھی بھی میر ہادی کی گرفت میں تھی اور وہ چاہتا تھا اسے کبھی بھی ناں چھوڑے۔

یہی کہ میرے ہونے نا،،

شٹ اپ لیزا، فضول سوال نہیں، کیسی طبیعت ہے تمھاری؟ وہ کہتا اسے سٹڈی سے باہر لے کر آیا تھا۔ باہر آ کر کلائی چھوڑ دی۔

مگر وہ اس کے پیچھے ہی اس کے روم میں چلی آئی وہ جو اپنا کوٹ اتارنے والا تھا لویزا نے کندھوں سے تھام کر اسے اتارنے میں اس کی مدد کرنی چاہی۔ میر ہادی نے حیرت سے زرا سا مڑ کر اسے دیکھا۔

کیا،، ہیلپ کر رہی ہوں،، لویزا نے سکون سے کہا۔

میں اپنے کام خود کر سکتا ہوں تم بس اپنا خیال رکھا کرو، میڈیسن لی ٹائم پہ،، وہ نظریں چراتا بولا۔

میں ٹھیک ہوں، انداز میں لاپروائی تھی۔ آپ میری آنکھوں میں دیکھ کر بات کیوں نہیں کرتے؟ لویزا کا انوکھا سوال، وہ چونکا۔

تمھاری جیسی آنکھوں والے ،،

اگر ساحل پر آئیں،،

تو لہریں شور مچا دیں،،

لو آج سمندر ڈوب گیا، لو آج سمندر ڈوب گیا،،،

"وہ تمھاری آنکھوں کی وجہ سے، میر ہادی نے اس کی جانب دیکھ کر کہا جو براؤن کرتی شلوار میں براؤن سکارف لیے اب حیرت سے پھیلی بڑی بڑی کٹورا آنکھیں لیے اسے دیکھ رہی تھی۔

کیوں؟ میری آنکھوں نے کیا کیا،، وہ کمر پر ہاتھ باندھ کر لڑاکا انداز میں بولی صدمہ ہی تو لگا تھا اس کی معصوم آنکھوں کو دیئے گئے اس الزام پر،

"وہ میں ڈرتا ہوں کہیں ان سحر زدہ آنکھوں کے ساحری زدہ دام میں ناں پھنس جاؤں، وہ صوفے پر بیٹھا اپنے شو لیس کھولتا سنجیدگی سے بولا۔

لویزا کھکھلا کر ہنسی تھی۔ رانا میر ہادی نے آئیبرو اچکا کر اس کی جانب دیکھا۔ اس نے خود پر سنجیدگی طاری کرتے نفی میں سر ہلایا تھا۔

کھانا کھایا،، میر ہادی نے پوچھا۔

نہیں آپ کا ویٹ کر رہی تھی،، لویزا نے کہا تو وہ ڈریسنگ کی جانب بڑھا۔

دو منٹ، تم چلو میں فریش ہو کر آتا ہوں، وہ اپنے کپڑے لیے واش روم گیا لویزا کچن کی جانب چلی آئی۔

اجالا تھکی ہاری سی شاپنگ کر کے واپس آئی تھی۔ اور اب نڈھال سہ بیڈ پر گری تھی۔ کل نکاح تھا اور آج وہ نکاح کا جوڑا لے کر آئی تھی۔ عالی کی فرمائش پر جوڑا ریڈ کلر کا تھا۔ ریڈ کلر کی لونگ ٹیل میکسی تھی۔ جس پر نفیس اور فینسی ایمبرائیڈڈ گولڈن کلر کا کام تھا۔ ابھی سہی طرح سانس بھی نہیں لے پائی تھی کہ فوزیہ بیگم نے کہا کہ ابھی کہ ابھی جوڑا پہن کر انھیں دکھائے۔
وہ بری طرح جھنجھلائی مگر ماں کا کہنا بھی نہیں ٹال سکتی تھی۔ سو واش روم گئی اور جوڑا پہن کر باریک کامدار دوپٹہ سر پر اوڑھ کر باہر آئی، آئینہ کے سامنے آئی تو خود پہ ہی

پیار آ گیا ۔ بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔ اس کے ساتھ ہی کسی کی والہانہ نگاہوں کا سوچ کر چہرے نے لہو چھلکایا۔

وہ سر جھٹکتی باہر آئی۔

ارے میری پرنسز بہت خوبصورت لگ رہی ہے، بس کسی کی نظر نا لگے، فوزیہ بیگم نے اس کی ہزاروں بلائیں لے ڈالیں۔

وہ روہانی سی ہو کر جلدی سے روم میں چلی آئی۔ اور ڈور لاک کر لیا۔

ابھی بیک زپ کھولنے والی تھی کہ لیزوو یاد آئی۔ جلدی سے موبائل اٹھایا۔

پکس بنا کے سینڈ کرتی ہوں، لیزا کو، بڑبڑاتے دوپٹہ سر پر جمایا اور مختلف پوز میں اپنی سیلفیز لینے لگی۔

ہوش تو تب اڑے جب ایک پوز میں وہ بلکل اس کے پیچھے اطمینان سے موبائل کی سکرین میں کھڑا دکھائی دیا۔

عالی،، ہاؤ ڈئیر یو،، وہ چلائی۔ مگر اس سے پہلے ہی قریب آ کر وہ اس کے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ چکا تھا۔

کیا یار مرواؤ گی، مام باہر ہیں سن لیں گی، عالی نے چٹخارا بھرتے اجالا کا ڈائیلاگ بولا تو اسے صدمہ ہی تو لگا۔ غصے سے اس کے سینے پہ مکے برسائے۔

مگر وہ اس کی دونوں کلائیوں کو جکڑ کر کمر کے پیچھے پن کر چکا تھا۔

عالی یہ کیا بدتمیزی ہے،،

اپنی ہونے والی بیوی کی نظر اتار رہا ہوں،اس کے حسن کو نہار کر،، سر گوشی میں کہتے کنپٹی پہ سلگتے لب رکھے۔ وہ جی جان سے لرزی۔۔

عالی پلیززززز،،،، وہ روہانسی ہوئی۔۔ پریشان مت کریں،، اس نے اس کے سینے میں منہ دیا۔

ہمم رائٹ،، آج نہیں کرتا، مگر کل کو چھوڑوں گا نہیں ، کل تو پرمٹ بھی مل جائے گا، پریشان کرنے کا،، وہ سکون سے کہتا اس کے ہوش اڑا گیا۔ چھوڑا اب بھی نہیں۔

بہت ہی کوئی خراب ہیں آپ،، اجالا نے اپنی بھڑاس نکالی۔

جانتا ہوں،، عالی نے مزے سے کہا۔

چھوڑیں مجھے،، وہ مچلی۔

اچھاااا،، اب کی بار شرافت کا مظاہرہ کرتے سچ میں اسے چھوڑ دیا۔

مگر اطمینان سے وہیں کھڑا رہا۔

عالی جائیں یہاں سے،، وہ بھنا کر بولی۔ تو عالی قہقہہ لگاتا جہاں سے آیا تھا ادھر سے ہی باہر نکل کر غائب ہو گیا۔۔۔

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

رات ڈنر کے بعد وہ اپنا لیپ ٹاپ اٹھائے سٹڈی میں چلا آیا تھا۔ لویزا بری طرح جھنجھلائی۔

دوپہر کا کھانا کھا کر بھی وہ باہر نکلا اور غائب ہی ہو گیا اب بھی آیا ڈنر کیا اور سٹڈی منٹو چلا گیا۔ وہ تن فن کرتی اس کے پیچھے ہی سٹڈی میں داخل ہوئی تھی۔ سامنے ہی وہ صوفے پر اپنی گود میں لیپ ٹاپ لیے بیٹھا تھا۔۔ وہ چونکا۔

کیا ہوا لویزا خیریت ؟ مصروف سے انداز میں کہا۔

یس، خیریت میں بور ہو رہی تھی ،، آپ کے پاس تو میرے ساتھ بات کرنے کا بھی ٹائم نہیں ،، وہ جھلائی سی چئیر پر بیٹھ گئی۔

اب وہ بغیر ہینڈلز کے کرسی پر ترچھی بیٹھی اس کی بیک پر دونوں ہاتھ رکھے ہاتھوں پر چن ٹکائے میر ہادی کو فرصت سے دیکھنے میں مصروف تھی۔

وہ لیپ ٹاپ پر جھکا جزبز سا ہوا تھا۔

لیزا پلیز،، جا کر آرام کرو،،

نہیں میں شدید قسم کا بور ہو رہی، اور آپ کو کیا بول رہی آپ اپنے کام پہ کانسنٹریٹ کریں،، لویزا نے دانتوں تلے لب دبایا۔ میر ہادی نے پہلو بدل کر رہ گیا مگر جانتا تھا وہ زیادہ دیر چپ نہیں بیٹھ پائے گی۔

سنئیے، لویزا کے چہرے پر سنجیدگی مگر آنکھوں میں انتہائی شرارت بھری چمک تھی۔

اونہھہ،، وہ مصروف سا تھا۔

یہ آپ ابھی اتنے زیادہ ہوئے ہیں کہ کچھ اسپیشل ڈپلومہ حاصل کیا ہے،، لویزا نے معصومیت سے کہا۔

کس چیز میں،؟ میر ہادی کی مکمل توجہ لیپ ٹاپ کی سکرین پر تھی۔

سڑیل پن میں،، وہ آہستگی سے بولی مگر میر ہادی کی تیز سماعتوں سے یہ تین الفاظ ٹکرا ہی گئے۔

واٹ،، میر ہادی نے آئیبرو اچکا کر اس کی جانب دیکھا جو ہنسی ضبط کرنے کے چکر میں بے حال ہو رہی تھی۔

واٹ ،، واٹ،؟ سارے فساد کی جڑ تو یہ وَٹ ہی ہے جو آپ کے ماتھے سے ختم نہیں ہوتے ، لویزا منہ میں بڑبڑائی مگر وہ باخوبی اس کی گوہر افشانیاں سن رہا تھا۔

یو مین کہ میں سڑیل ہوں،، میر ہادی نے کنفرم کرنا چاہا۔

نہیں، ادھر بھی سکون سے جواب دیا گیا۔ "بس تھوڑے سے کڑوے کریلے ہیں،، کہہ کر دانتوں تلے لب دبایا۔

آں ہاں،، اور خود تو جیسے شہد ہو ناں الویرا کہیں کی ، پتہ ہے ناں، ایلوویرا کتنا کڑوا ہوتا ہے،اور تم وہی ہو کڑوی ایلویرا،، میر ہادی کہ لہجہ بھی اب غیر سنجیدہ تھا۔

ہاااااں،، ہاؤ ڈئیر یو ہادی، آپ نے مجھے ایلوویرا کیوں کہا،

جیسے تم نے مجھے کڑوا کریلا کہا، میر ہادی نے اطمینان سے کہا۔

اور آپ کو دیکھ کر مجھے ابھی ابھی ایک شعر یاد آیا، لویزا نے کہا تو میر ہادی نے سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھا۔

سو گنا بڑھ جاتی ہے
خوبصورتی مسکرانے سے
پھر بھی کچھ لوگ باز نہیں آتے
بیگن سا منہ بنانے سے

لویزا کے شوشے پر میر ہادی نے اسے گھوری سے نوازا۔ مگر وہ چھوٹی سی ناک چڑھاتی اسے ٹھینگا دکھاتی اس کے سامنے سے لیپ ٹاپ اٹھا کر دوڑ لگا چکی تھی۔۔

Shhhhhiiiiiiiiiitttttttttttt,,,,,, stop Lizaa

گر جاؤ گی ڈیم اٹ، لگ جائے گی تمھیں،، رک جاؤ،

میر ہادی تلملا کر اٹھا اس کے پیچھے بھاگا تھا۔ وہ کھلکھلا کر ہنستی لاؤنج میں آئی تھی۔

لویزا کا پیر رپٹا تھا اس سے پہلے کہ وہ لیپ ٹاپ سمیت زمین پر ڈھیر ہوتی ایک مضبوط بازو نے اس کے پیٹ کے گرد چٹانی سا حصار قائم کیا تھا۔

میر ہادی نے اسے جھٹکے سے سیدھا کیا تھا۔ وہ اس کے بہت قریب اس کے بازوؤں کے حصار میں تھی مگر میر ہادی کا دماغ بلکل گھما چکی تھی ۔ اس وقت کا سوچ کر میر ہادی کے دل نے پسلیوں سے سر پٹخا تھا جب وہ گرتی اور اسے چوٹ لگ جاتی۔

ہادی نے اس کی ویسٹ سے فوراََ ہاتھ ہٹایا۔

میں نے کہا تھا ناں، رک جاؤ، گر جاؤ گی، ابھی گرتیں اور سر پر چوٹ لگ جاتی، بچی ہو جو اتنی سی بات سمجھ نہیں آتی، میر ہادی نے اسے بری طرح جھڑکا۔

آ،، آپ مجھے ڈانٹ رہیں ہیں،، وہ روہانسی ہوئی۔

یس، ڈانٹ رہا ہوں، میر ہادی کا لہجہ اب بھی سخت تھا۔

لیپ ٹاپ کی وجہ سے، لویزا نے جان بوجھ کر پلکیں جھپکاتے معصومیت کے تمام ریکارڈ توڑے۔

نو،، تمھاری وجہ سے، تم گر جاتی، سر پر چوٹ لگتی پھر سے، ڈیم اٹ اتنی سی بات سمجھ میں نہیں آرہی تمھارے، وہ اب بھی اسے جھاڑ پلا رہا تھا۔

مجھے ڈانٹ رہے ہیں آپ بہت برے ہیں ، لویزا نے منہ بنایا۔مگر میر ہادی نے اس کا بازو پکڑا تھا گرفت میں شدت اور جنون سا تھا۔

بلکل ،،،،ہوں برا، تمھارے معاملے میں، میں کس قدر برا ہوں یہ تو ابھی تمہیں بھی نہیں اندازہ ، جھٹکے سے اسے ہلکا سا اپنے قریب کیا تھا ۔ لویزا حیرت سے اسے دیکھے گئ۔

اب اگر نہیں چاہتی کہ میں اٹھا کر تمھیں بیڈ پر پٹخ کر آؤں، تو چپ چاپ جا کر سو جاؤ اور آرام کرو،، میر ہادی نے وارننگ دیتے اس کے ہاتھ سے لیپ ٹاپ لیا۔

اووووو سچ میں، میں تو ڈر گئی،، لویزا نے پاؤں جھلاتے اطمینان سے کہا جس سے صاف ظاہر تھا کہ وہ اسے زچ کر رہی ہے۔

یہ دیکھو میری ماں،، لیڈی موگیمبو،، میرے جڑے ہاتھ، جانتا ہوں، کسی سے نہیں ڈرتی، اب جاؤ، مجھے آفس کا کام کرنے دو، میر ہادی نے ہاتھ جوڑ کر عاجزی سے کہا۔(،وڈیرا جی کی واٹ لگ چکی تھی ایلوویرا کے ہاتھوں)

وہ ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہوئی تھی۔ میر ہادی اسے کھلکھلاتے ہنستے غور سے دیکھے گیا۔

اس کی نظروں کی تپش تھی کہ وہ بوکھلا کر سیدھی ہوئی۔

اوکے، رائٹ جاتی ہوں، کیا یاد کریں گے، کس سخی سے پالا پڑا ہے، انداز شاہانہ تھا وہ کندھے سے نادیدہ چیز جھٹکتی اپنے روم میں چلی گئی تھی۔

رانا میر ہادی اس کے جاتے قدم دیکھتا رہا۔ ایک سرد سی آہ بھری اور پھر سٹڈی کا رخ کیا۔

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

اسے بھیج تو دیا تھا روم میں مگر اب ہر چیز سے جیسے جی اچاٹ ہو چکا تھا۔ میر ہادی نے جھنجھلا کر لیپ ٹاپ سائیڈ پر رکھا ۔ مردانہ گرے شال کندھوں پر ڈالے باہر لان میں چلا آیا۔

رات اور سوچ گہری تھی۔

اور نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔

گلی میں رات بھر پھرتا ہے کوئی

گلے میں ،،،،،،، نیند کا تعویذ ڈالے

لویزا جو کہ نائٹ ڈریس سادہ سی فیروزی ٹی شرٹ اور بلیک ٹراؤزر پہن کر بیڈ تک آ ہی رہی تھی۔ کچھ غیر معمولی سا محسوس ہوا تو ونڈو تک آئی۔ سامنے ہی کھڑکی کے اس پار وہ اتنی ٹھنڈ اور دھند میں دیوانوں کی طرح لان میں چہل قدمی میں مصروف تھا۔ ادھر اس کی بھی نگاہیں بھٹک کر کھڑکی تک اٹھی تھیں۔

آنکھوں سے آنکھوں کا تصادم ہوا تھا۔ رانا میر ہادی کی آنکھوں میں بیک وقت لپک، وحشت اور ادھورا پن چھلک رہا تھا۔ جیسے کسی بچے کو شدت سے کسی چیز کی طلب ہو اور وہ اس کی پہنچ سے کافی دور ہو۔ لویزا جانتی تھی ، اچھی طرح کہ وہ ادھورا ہے، وہ دونوں ادھورے ہیں اور ادھورے پن میں ہی زندگی گزار رہے ہیں، وہ اسے مکمل خوشیاں نہیں دے پا رہی تھی۔

لویزا نے ایک سرد سی سانس کھینچی۔ وہ نفی میں سر ہلاتا اسے اس کے ارادوں سے باز رکھنے کی ناکام سی کوشش کرتا رہا مگر وہ تیزی سے پیچھے مڑی، شال کندھوں پر اوڑھی اور باہر نکلی۔

وہ لان میں چلی آئی تھی۔ میر ہادی نے اسے غصے سے گھورا مگر وہ لاپروائی سے اس کے قریب چلی آئی۔

مجھے تو بول رہے تھے آفس کا کام کرنا ہے اور اب خود کیوں بھٹکتی آتما بنے گھوم رہیں ہیں اتنی ٹھنڈ میں،، وہ ٹھنڈ سے دانت بجاتی بولی۔۔

تم کیوں آئیں باہر،، فوراََ اندر جاؤ،، میر ہادی نے سنجیدگی سے کہا۔ اور مڑ کر جھولے پر بیٹھ گیا۔

کیوں آپ ڈرتے ہیں مجھ سے ،،

نہیں اپنے آپ سے ڈرتا ہوں،، وہ دوسری جانب دیکھ کر بولا۔

وہ اس کی بات کا مطلب اچھی طرح سمجھ چکی تھی۔

اس کے پاس آ کر جھولے پر اس کے پہلو میں بیٹھی۔ اس کے ہاتھ کے نیچے سے چادر کھینچ کر چادر کا وہ سرا اپنے گرد لپیٹ لیا۔ میر ہادی سانس روک کر اس کی ایک ایک حرکت دیکھتا رہا۔ اب لویزا کا بازو میر ہادی کے بازو سے مس ہو رہا تھا۔

وہ اس کے دیکھنے کو کچھ اور ہی سمجھی۔

کیا ،،،ٹھنڈ لگ رہی ہے مجھے بہت زیادہ،، انداز لاپرواہ سا تھا۔ مگر وہ پاس بیٹھے شخص کی رگ رگ میں جزبات پوری جزئیات کے ساتھ جگا چکی تھی۔۔

سنیں ہادی،، لویزا نے ہادی سے زرا سا رخ دوسری جانب موڑ کر کہا۔ وہ لب کاٹتی گہرے گہرے سانس لے رہی تھی۔ جیسے کچھ کہنے کے لیے ہمت مجتمع کر رہی ہو۔ لویزا کا سرد ہاتھ اچانک ہی میر ہادی کے سلگتے پر حدت ہاتھ کے اوپر آیا تھا۔

ہمممم،،،، میر ہادی کی سانس اس کے سینے میں ا لجھی ہوئی تھی۔

ڈاکٹر نے آپ کو میرے پاس بیٹھنے سے بھی منع کیا ہے،، بات کافی مبہم انداز میں کی گئی تھی مگر وہ اس میں چھپی گہرائی کو اچھی طرح جان چکا تھا۔ تبھی تڑپ کر اپنی

شال سے نکلا اور شال کا دوسرا سرا بھی اس نازک سی جان کے گرد لپیٹ دیا جو اب ٹھنڈ کی شدت سے کپکپانے لگی تھی۔

لیزا فوراََ اٹھو اور اپنے روم میں جاؤ، میر ہادی کے لہجے میں شدید قسم کی جھنجھلاہٹ تھی۔ تبھی غرا کر بولا تھا۔

لویزا بغیر بحث کیے اٹھ کر اندر چلی گئی۔

جب کہ کسی کو اذیتوں اور درد کی سلگتی بھٹی میں جھونک گئی تھی تبھی اتنی ٹھنڈ میں بھی وہ وہیں ٹہلتا اپنی جان سگریٹ میں جھونکتا رہا۔

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

صبح بارہ بجے کے قریب اس کی آنکھ کھلی رات بے خوابی کی بدولت سر کافی بھاری ہو رہا تھا۔ آج عالی کا نکاح بھی تھا۔ وہ گھنے سیاہ بالوں میں ہاتھ پھیرتا اٹھا تھا۔۔ فریش ہو کر ٹاول سے بال رگڑتا باہر آیا۔۔ کچن میں جھانکا تو کوئی نہیں تھا۔ صرف میڈ کچن کا

پھیلاوا سمیٹنے میں مصروف تھی۔ اور روزی باہر ڈائنگ ٹیبل کے پاس بیٹھی نیوز پیپر پڑھ رہی تھی۔

گڈ مارننگ سر،، روزی نے وش کیا۔

مارننگ، لیویزا کدھر ہے، بریک فاسٹ کر لیا؟ میڈیسن لے لی؟ وہ چیئر پر بیٹھتا بولا۔

یس سر، وہ تو کب کی کر چکیں بریک فاسٹ، اورمیڈیسن بھی لے لی، اب تو نکاح میں شرکت کے لئے تیاری کر رہی ہیں،، روزی نے کہا تو وہ بے تحاشا چونکا۔۔

مطلب کیسی تیاری؟ لہجہ خود بخود تیکھا ہوا تھا میر ہادی کا۔

ڈریس وغیرہ ریڈی کر رہی ہیں،، روزی نے کہا تو میر ہادی کا دل کیا اپنی لا علمی اور لاپروائی پر ماتھا پیٹ لے۔

مگر میں نے تو اسے کوئی شاپنگ نہیں کروائی،

وہ سر میم اجالا نے کی ہے ان کی ساری شاپنگ،،

رانا میر ہادی کے تو تلوؤں پر لگی اور سر پر بجھی تھی۔

سب سے پہلے موبائل میں کچھ کام کر کے جلدی سے بریک فاسٹ کیا اور جوس کا گلاس ہاتھ میں پکڑے دھیمے قدموں سے چلتا اس کے روم تک آیا۔۔

(محبت غیر اختیاری شے ہے اس پر نا بس ہے نا قابو، محبت کی آگ سلگائے نہیں سلگتی بلکہ خود بخود دہکتی ہے)

ہلکی دستک دے کر اندر داخل ہوا تو وہ سامنے ہی اجالا کی دی گئی گرے کلر میکسی بیڈ پر پھیلائے، اس کے ساتھ کی میچنگ جیولری بھی بیڈ پر رکھے اب ڈریسنگ میں سر دیئے جانے کیا ڈھونڈ رہی تھی۔۔

کیا ہو رہا ہے ایلوویرا،، وہ بیڈ کے قریب کھڑے ہو کر بولا۔

وہ میں تیاری کر رہی تھی، اجالا نے کہا میں پہلے ہی آ جاؤں، تیار بھی ادھر ہی کروا دے گی وہ، مسکراتے ہوئے مصروف سا انداز پہ رانا میر ہادی جی جان سے جل کر راکھ ہوا تھا۔

یہ دیکھئے یہ سینڈل میچ کرتے ہیں ناں،، وہ الماری سے اجالا کے لائے ہوئے سینڈل نکال کر مڑی مگر میر ہادی کا دھواں دھواں چہرہ دیکھ حیران ہوئی تھی۔

تبھی دروازہ ہلکا سا ناک ہوا تھا۔

یس کم ان،، میر ہادی نے کہا تو حیران سی دیکھے گئی۔

افضل ہاتھوں میں ڈھیر سارے شاپر لیے اندر آیا اور بیڈ پر رکھ کر چلا گیا۔

یہ کیا ہے،، وہ متجسس سی آگے بڑھی۔

ڈریسز اور باقی چیزیں ہیں مسز،، آن لائن آرڈر کیے تھے، کیونکہ تم صرف میری زمہ داری ہو اسی لئے میرا لایا ڈریس پہنو گی،، اور میرے ساتھ ہی فنکشن میں جاؤ گی،، اس نے غیر معمولی سنجیدگی سے کہا تو لویزا حیران ہوئی۔۔

ارے آپ تو فضول میں ٹچی ہو رہے ہیں، اتنے پیار سے لا کر دیا ہے اجالا نے، اب اگر نا پہنا تو اسے کتنا برا لگے گا، وہ شاید سامنے کھڑے شخص کا دھواں دھواں چہرہ اگنور کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔۔

نو تم میری وائف ہو میری زمہ داری ہو تو میرا لایا ڈریس پہنو گی، اینڈ دیٹس فائنل، اس کی آواز میں اب غصہ اور تپش سی تھی۔

لویزا اس کے مقابل آ کر کھڑی ہوئی اور صلح جو انداز میں بولی۔

اوکے آج یہ پہن لیتی ہوں آئندہ صرف آپ کے لائے ڈریس پہنا کروں گی،،

نو،، مین نو،، میر ہادی نے زچ ہو کر اس ڈریس کو گھورا۔

ارے دیکھیں تو سہی کتنا اچھا ڈریس ہے کیا خرابی ہے اس میں،، وہ بھی اب اس کی ضد سے خائف ہو رہی تھی۔

ہے تو نہیں مگر ہو سکتی ہے،، لہجہ معنی خیز تھا۔

مطلب، لویزا چونکی۔

تبھی رانا میر ہادی نے ہاتھ میں تھاما جوس کا گلاس جس میں دو تین گھونٹ باقی تھے میکسی پر جوس کا چھڑکاؤ کیا تھا۔ لویزا کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔

ارے یہ آپ کیا کر رہے ہیں،، لویزا نے میر ہادی کا ہاتھ پکڑا۔اور میر ہادی نے اس کے دونوں بازو مضبوطی سے تھامے تھے۔

ڈونٹ یو ڈئیر وائفی، اگر مجھ پر یا میری چیز پر کسی اور کو یا کسی اور کی چیز کو فوقیت دی تو اس کا بلکل ایسا ہی حشر کروں گا کہ دوبارہ کسی بھی چیز کے قابل نا رہے، یہ میری مسٹیک ہے مجھے تمھاری ضروریات کا خیال رکھنا چاہئے، یہ شاپنگ مجھے کرنی چاہیے تھی، مگر میں کام کے سلسلے میں چلا گیا، بٹ بیٹر دین نیکسٹ ٹائم، اب جلدی سے فریش ہو کر وہ ڈریس پہنو، بیوٹیشن آتی ہی ہو گی،

میر ہادی کے لہجے میں لویزا کو خود کے لئے ایک لپک سی ایک تڑپ سی محسوس ہوئی تھی۔ وہ نرمی سے اس کے بازو چھوڑ کر روم سے چلا گیا ہاں مگر جاتے ہوئے وہ گرے میکسی اٹھا کر اس کا گولہ سا بنا کر ڈسٹ بن میں پھینکنا نہیں بھولا تھا۔

لویزا نے اس کی پیٹھ کو گھورا۔

ایک اس بندے کی سمجھ نہیں آتی تھی کبھی یوں گریز برتتا تھا جیسے راستے میں بھی کبھی نہیں ملا ہو، اور کبھی یوں مہرباں ہوتا تھا جیسے اس سے بڑھ کر کوئی اس کے لئے پاگل بھی نا ہو۔ مگر لویزا ابھی یہ کہاں جانتی تھی کہ واقعی اس سے بڑھ کر اس کے لئے کوئی پاگل بھی تو نہیں ہونے والا تھا۔

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

رنگ تھا روشنی تھا،،،، قامت تھا

جس پہ ہم مر مٹے قیامت تھا

خواب ،،،،تعبیر بن کے آئے تھے

کیا عجب ،،،موسمِ رفاقت تھا

وہ تیار ہو کر باہر آئی تھی۔ نیلے اور سبز رنگ بلکہ مور پنکھ میں موجود تمام رنگوں کے امتزاج کی گھٹنوں سے نیچے تک فراک پاجامہ، بڑے سے دوپٹے کے اوپر حجاب اور ہلکے میک اپ میں وہ آسمان سے اتری پری لگ رہی تھی۔

وہ جو لاؤنج میں اپنا کوٹ پہن رہا تھا اس کے ہاتھ وہیں رک گئے تھے۔ میر ہادی نے بھی رائل بلو تھری پیس پہنا تھا۔ اور اب اپنی جگہ پہ سٹل سا تھا۔

وہ جھکی نگاہوں سے اس کے پیچھے اس کے قریب آئی تھی اور کوٹ تھام کر اس پہنایا تو وہ چونک کر ہوش کی دنیا میں آیا تھا اپنی بے اختیاری پر پھر گڑبڑایا۔

ایک خوشبو سی تھی جو اس کے آنے سے فضا میں رچ بس گئی تھی۔ اور اسی خوشبو کا تو وہ ایڈیکٹ ہو چلا تھا۔ اس نے ایک گہری سانس بھر کر یہ خوشبو اپنی روح میں اتاری۔

کونسا پرفیوم لگایا ہے،، میر ہادی کے سوال پر وہ چونکی۔

آپ مزاق اڑا رہے ہیں میرا، کیونکہ پرفیوم لگانا تو میں بھول ہی گئی، وہ روہانسی ہوئی اور دوبارہ روم میں جانے لگی ۔ میر ہادی نے اس کی کلائی تھامی تھی۔

مزاق بلکل نہیں تھا یہ، مجھے یہی خوشبو پسند ہے جو تمھارے وجود سے اٹھتی ہے اور فضا کو مہکا دیتی ہے، لہجہ بہکا ہوا سا تھا۔ لویزا کو اپنی کلائی جلتی محسوس ہوئی۔

چلیں، وہ بھی ہوش میں آیا۔ دونوں آ کر گاڑی میں بیٹھے تھے آج وہ خود ڈرائیونگ کر رہا تھا۔

گاڑی میر لاج سے نکلی تھی۔

آپ نے بتایا نہیں میں آپ کے دیئے ڈریس میں کیسی لگ رہی ہوں،

نو نہیں بتایا،، اور بتاؤں گا بھی نہیں،، میر ہادی کی نگاہیں سامنے سڑک پر مرکوز تھیں۔

وہ اس کی بے اختیاری تو دیکھ ہی چکی تھی مزید بے بس کرنے کا ارادہ ترک کرتی باہر دیکھنے لگی، مگر باہر کون کمبخت دیکھ رہا تھا۔ وہ تو اپنے موبائل کی آف سکرین میں سے اپنے مغرور شہزادے کو دیکھ رہی تھی۔ جو سرخ و سفید رنگت کے اوپر براؤن سن گلاسز

لگائے بھرپور مردانہ وجاہت کا شہکار تھا اور اب لویزا کے دل کی سلطنت کا بھی بے تاج بادشاہ ہی تھا۔

وہ کافی دیر سے اس کی یہ معصومانہ حرکت نوٹ کر کے اپنے لب بری طرح کچل رہا تھا۔

لیزا،، مت کرو میری جان، پچھتاؤ گی، میں ڈسٹریکٹ ہو رہا ہوں، میر ہادی کی جھنجھلائی آواز آئی تو چوری پکڑے جانے پر اس نے دانتوں تلے لب دبایا اور جلدی سے موبائل نیچے کر لیا۔

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

وہ ہال میں داخل ہوئے جہاں اجالا اور عالی کے بہت خاص رشتے دار و قریبی لوگ تھے۔

وہ دونوں ایک دوسرے کی ہمراہی میں اندر داخل ہوئے تو کئی لوگوں کا مرکز نگاہ بنے۔

میر ہادی عالی کے پاس سٹیج پر چلا گیا جبکہ وہ برائیڈل روم میں چلی آئی۔

یو دھوکے باز، چیٹر کاک دوست اب کیا لینے آئی ہو اب بھی جاؤ اپنے اس سو کالڈ شوہر کے پاس، اجالا اسے دیکھتے چلا کر بولی تو لویزا قہقہہ لگا کر ہنس پڑی۔

اجالا ریڈ میکسی میں دلہن بنی انتہائی خوبصورت لگ رہی تھی۔

یار تم نہیں جانتی وہ میرے معاملے میں کتنے ایگریسو ہیں بس ضد پکڑ لی کہ میرے ساتھ ہی جانا ہے، لویزا نے لہو چھلکاتے چہرے کے ساتھ اجالا کو بتایا تو وہ بھونچکا ہی تو رہ گئی۔

اور یہ ڈریس،، میرے والا کہاں ہے لویزا،،، اب کی بار لویزا بری طرح گڑبڑائی تھی۔ جبکہ اجالا صدمے سے گنگ ہوئی تھی۔

وہ اجالا،، پلیز مائنڈ مت کرنا، اور اتنے اچھے موقعے پر اپنا موڈ مت خراب کرنا، یہ بھی انھوںنے ضد کی کے میں پہنوں،،

کیا مطلب کیسی ضد،، اجالا کا بس نہیں چل رہا تھا اس پاگل وڈیرے کا جا کر منہ نوچ لیتی جو خواہ مخواہ ہی لویزا پر اپنا تسلط قائم کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

وہ بول رہے تھے کہ میں سب سے پہلے ان کی زمہ داری ہوں تو میری ہر ضرورت کا خیال وہ رکھیں گے، اور آج کا ڈریس بھی ان کا دیا ہوا پہننا چاہیے مجھے،، لویزا نے نرمی سے اسے سمجھانے والے انداز میں کہا مگر اس کا دھواں دھار غصے سے لال بھبھوکا چہرہ دیکھ افسوس ہوا کہ اس کو سچ ہی کیوں بتایا۔۔

سچ میں لویزا، تم غلام نہیں ہو اس آدمی کی، تمھاری اپنی بھی کوئی مرضی ہے کہ نہیں،، چبا چبا کر کہتی وہ اچھی خاصی طیش میں آ چکی تھی۔۔ مگر لویزا کا اس قدر حسین اترا چہرہ دیکھ کر اس نے مٹھیاں بھینچ کر اپنے غصے پر کنٹرول کرنے کی کوشش کی۔۔

تبھی فوزیہ بیگم انھیں بلانے آ گئیں تھیں۔ سب مہمان پہنچ چکے تھے۔ بس نکاح ہونا باقی تھا۔ لویزا اس کا ہاتھ تھام کر اسے باہر لائی۔ سٹیج تک لا کر اس کے ہلکے لرزتے وجود کو عالی کے پہلو میں بٹھایا۔

اجالا نے ایک نگاہ غلط سٹیج کے قریب بے نیاز سے کھڑے اس شخص پر ڈالی جس کہ پہلو میں اب لویزا کھڑی ہادی کی کسی بات پر مسکرا رہی تھی۔ اجالا نے پہلو بدلہ۔

ایجاب و قبول کا مرحلے کی شروعات ہوئی اور بہت ہی جلد دو محبت کرنے والے دل ایک پاک بندھن میں بندھ گئے۔ مبارک باد کی صدا بلند ہوئی۔

اجالا اور عالی سب سے مبارک باد وصول کرنے لگے۔

تھینکس وائفی خود کو زندگی بھر کے لئے میرے نام لکھنے کے لئے،، عالی کی معنی خیز سرگوشی اجالا کی ہتھیلیاں پسینے سے تر ہو گئیں۔

فوٹوگرافر اب ان کی مختلف پوز میں تصویریں لے رہا تھا۔ اجالا نے اشارے سے لویزا کو اپنے پاس بلایا۔ مگر وہ ہادی کا ہاتھ تھامے سٹیج پر آئی تو اجالا نے خونخوار نگاہوں سے میر ہادی کو گھورا۔ مگر وہ لویزا کے پیچھے آتا بے نیازی سے کندھے اچکا گیا۔ وہ دونوں سٹیج پر آئے۔

سر سامنے کھڑے ہوں،، فوٹوگرافر نے کہا تو ہادی لویزا کو لیے سامنے کھڑا ہوا۔

میم تھوڑا کلوز ہوں سر کے،، فوٹوگرافر نے کہا تو ہادی نے لویزا کی ویسٹ پہ ہاتھ رکھا۔

اب وہ دونوں ایک کپل کی طرح پکس بنوا رہے تھے۔

"عالی اپنے دوست سے کہیں کہ میری فرینڈ سے دو فٹ کے فاصلے پر رہے ،،نہیں تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا،، اجالا نے دانت پیس کر عالی سے کہا غصے سے اس کا چہرہ لال بھبھوکا ہو چکا تھا۔ عالی نے بھی حیران نگاہوں سے رانا میر ہادی کو دیکھا تھا جیسے وہ یہ سب جان بوجھ کر اور اجالا کو تپانے کو کر رہا ہو، جیسے اجالا ہادی کی رقیب ہو۔ اب پتہ نہیں ان دونوں میں سے کون جل رہا تھا۔ میر ہادی اجالا سے یا اجالا میر ہادی سے۔

لویزا فوزیہ بیگم کے بلانے پر ان کے پاس گئی تھی۔

ہادی عالی کے پاس آیا تھا۔

آخر آپ چاہتے کیا ہیں، وہ آپ کی جاگیر کا کوئی حصہ نہیں، جس پر قبضہ جمانے کی کوشش میں ہیں آپ، آپ کی ہمت کیسے ہوئی اسے فورس کرنے کے لئے کہ وہ میرا چھوڑ کر آپ کا لایا ہوا ڈریس پہنے، کوئی رشتہ نہیں آپ کا اس سے کوئی حق نہیں،،بھول گئے تو یاد کرواؤں،،؟ یاداشت تو لگتا ہے آپ کی چلی گئی ہے،، اجالا

نے چبا چبا کر کہتے اپنی ساری بھڑاس نکالی تو رانا میر ہادی کی رگیں تن گیئں تھیں۔۔ جھٹکے سے اٹھ کر کچھ بھی کہے بغیر کھانا کھائے بغیر باہر نکل آیا تھا۔

مگر یہ حقیقت ہی تو تھی۔

لیکن اگر حقیقت ہے تو اتنی تلخ کیوں ہے۔ کیوں اس کی دل وجان میں سوئیاں سی چھبی ہیں۔ کیوں روم روم سلگ اٹھا تھا۔

عالی اس کے پیچھے ہی باہر آیا تھا جو گاڑی کے پاس کھڑا اپنی کنپٹیاں سہلا رہا تھا۔ اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

میر ہادی کیا ہے یہ سب یار،، عالی نے جھنجھلا کہا۔۔

رانا میر ہادی اس کی جانب مڑا تھا۔ گاڑی سے ٹیک لگائی پاکٹ سے سگریٹ نکال کر سلگائی تھی۔

عشق ہے،، اس نے اطمینان سے کہا۔ عالی کے سر پر ساتوں آسمان گرے تھے۔ کئ لمحے تو عالی کچھ بول ہی نہیں پایا تھا۔

رانا میر ہادی اپنے ہوش میں تو ہو،، عالی نے حیرت کی انتہا پر کھڑے ہو کر اس سے پوچھا۔

اس میں بے ہوشی، یا مدہوشی والی کونسی بات ہے،، وہ گہرے کش بھرتا سکون سے بولا۔

یہ میں نے رانا میر ہادی کے ہی منہ سے سنا لویزا اقبال کے لئے، جسے وہ اپنی سب سے بڑی دشمن کہتا تھا،، عالی نے اسے یاد دلایا کہ وہ اس کی کیا ہے اور صرف کیا ہو سکتی ہے۔

تم نے سہی سنا بلکل عالی،، اسی دشمن سے عشق ہو گیا ہے رانا میر ہادی کو،، اس کے اطمینان میں جانے کیوں رتی برابر بھی فرق نہیں آ رہا تھا۔ عالی کا دل کیا اسے جھنجھوڑ کر ہوش کی دنیا میں لائے جو شاید پی کر آیا تھا۔

مت کھیلو آگ سے میر ہادی جل جاؤ گے،، جلا بیٹھو گے اپنے دل و جاں،، باز آ جاؤ،، عالی نے اسے آنے والے وقت سے ڈرانا چاہا۔

"میں تو کب سے عشق کی بھٹی میں سلگ چکا عالی اب وہ کون سی آگ ہے جو میر ہادی کو جلا سکے،، کرب سے کہتے اس نے جیسے اپنا ہی مزاق اڑایا۔

جانے دو اسے ہادی،، ابھی بھی وقت ہے،، عالی نے اسے مشورہ دیا۔

اب تو وہ مر کر ہی میر ہادی کی دسترس سے آزاد ہو سکتی ہے عالی،، میری رگ و جاں میں بس چکی ہے وہ ،،خود سے الگ کروں گا تو مر جاؤں گا،، وہ سکون سے بولا۔

اور حویلی والے، ؟ تم شاید پی کر آئے ہو ہادی، حویلی والوں کا کیا؟ وہ اس کی اجازت دیں گے تمھیں، تم،،،

مجھے کسی کی کوئی پرواہ نہیں ناں کسی سے ڈرتا ہوں، وہ کسی غیر مرئی نقطے کو گھورتا بولا۔ یہ سب تسلیم کر کے دل و جاں میں ایک سکون ایک سرور سا دوڑ چلا تھا۔

آنے والے وقت سے ڈرو ہادی،، جب اس کی یاداشت واپس آ گئی،، تب اسے یہ پتہ چلے گا کہ تم اس کے شوہر نہیں تھے، تم دونوں کے بیچ کوئی رشتہ نہیں تھا تم نے اسے اپنی داشتہ بنا کر اپنے پاس رکھا ہوا تھا،، تو وہ،،،

"عالی،، وہ دھاڑا اور اس کی بات بیچ میں ہی کاٹ دی۔۔

پہلی بات وہ اتنی ہی پاکیزہ ہے جتنی میرے پاس آئی تھی اور دوسری میں اس کی وہ یادیں نوچ کر دور پھینک دوں گا جو اسے مجھ سے دور کریں گی،، میں اس کا ماضی اس سے الگ کر کے دور پھینک دوں گا۔ وہ اپنے بال مٹھی میں جکڑتا ہزیانی سا ہوا۔ میں کبھی اس کی یادداشت واپس نہیں آنے دوں گا،، کبھی نہیں کسی قیمت پر نہیں،، کسی صورت نہیں،، وہ اطمینان سے اپنا فیصلہ سنا چکا۔

عالی نے اس پاگل خبطی کو دیکھا۔۔ جو اب جانے کیا قیامت و قہر ڈھانے والا تھا

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

میر ہادی کب سے چل رہا ہے یہ،، عالی نے اسے بری طرح گھورا۔ شاید تب سے،، جب وہ مجھ سے پہلی مرتبہ ٹکرائی تھی،، میر ہادی کے جواب نے اسے تپا ڈالا تھا۔

میر ہادی پاگل تو نہیں ہو گئے ہو،، عالی کا لہجہ تیز تھا۔

"آف کورس، یس، ایلویرا کے لئے پاگل ہو گیا ہوں،،

"یہ غلط ہے میر ہادی،،

"میں اسے بلکل ٹھیک اور سہی کر دوں گا عالی ،،

"وہ کیسے؟ عالی نے دانت پیس کر کہا۔ مگر اس سے پہلے بحث مزید طول پکڑتی اندر سے لویزا آتی دیکھائی دی تھی۔

"آپ لوگ یہاں کیا کر رہے ہیں،؟ سب کھانے پر ویٹ کر رہے ہیں آپ لوگوں کا،، لویزا نے کہا تو دونوں نے ایک دوسرے کی جانب دیکھا۔ اور اس کے پیچھے پیچھے دونوں اندر چلے آئے۔

ان چاروں نے سٹیج پر بیٹھ کر کھانا کھایا۔ لویزا نے پھر ان تینوں کی غیر معمولی خاموشی اور ماحول میں ایک تناؤ سا محسوس کیا تھا۔ کیوں کہ کب سے وہی بولے جا رہی تھی۔

لویزا آج پلیز میرے ساتھ چلو،، بہت پھیلاوا ہے جو سمیٹنا ہے، میری تھوڑی ہیلپ بھی ہو جائے گی،، اجالا نے سب کو اگنور کر کے لویزا کو کہتے ہوئے اسے اپنے ساتھ لے جانے کے لئے بہانہ گھڑا۔

(مگر مقابل بھی سرپھرے وڈیرا جی تھے)

For more books 0313-6137393

اجالا کی اس بات پر لویزا نے میر ہادی کی جانب دیکھا۔

"آئی تھنک آپ اس پیشنٹ سے ہیلپ مانگ رہیں ہیں بھابھی، جسے خود ڈاکٹر نے بیڈ ریسٹ بتایا ہوا ہے، اگر ادھر بھی آپ کا خیال نا ہوتا تو میں کبھی بھی لیزا کو اتنے جھنجھٹ میں نہیں ڈالتا،، اس کے گھر پر ہی ریسٹ کرنے کو زیادہ ترجیح دیتا،،

میر ہادی کی بات پر اجالا نے اسے خونخوار نگاہوں سے گھورا جو سرے سے اس کے بہانے کو ہی رد کر چکا تھا۔

"لیزا،، مجھے ایک امپورٹنٹ کام کے لئے جانا ہے، تمھیں گھر ڈراپ کردوں، جلدی آؤ،،

وہ کہہ کر باہر جا چکا۔

لویزا نے مسکین سی شکل بنا کر اجالا کی جانب دیکھا۔ اجالا بمشکل ہی مسکرا پائی تھی۔

جاؤ وہ ویٹ کر رہا ہوگا،، اجالا بہت مشکل سے بول پائی۔ اور اٹھ کر اسے بھینچ کر گلے ملی تھی۔۔

وہ شدید غصے میں اپنی جیولری نوچ نوچ کر ڈریسنگ پر پھینک رہی تھی۔۔اور عالی اس کی ایک ایک حرکت نوٹ کر رہا تھا۔

آخر سمجھتا کیا ہے وہ خود کو، چیپ، گھمنڈی انسان،، ہمت کیسے ہوئی اس کی،، کیوں کر رہا ہے وہ یہ سب،، آخر چاہتا کیا ہے اب اس معصوم جان سے،، برباد تو کر دیا ہے اسے پوری طرح ،، اب کیا چاہتا ہے وہ،، اجالا ہائپر ہوئی۔

وہ لویزا کو چاہتا ہے اجالا،، عالی نے نگاہیں چراتے اجالا کے سر پر بم پھوڑا۔۔

واٹ،، یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ،، ہوش میں تو ہے وہ بندہ،

ہاں سچ بول رہا ہوں اجالا ،،آج اس نے خود میرے سامنے کنفیس کیا کہ وہ لویزا سے عشق کرتا ہے، پاگل ہے اس کے لئے اور اب ساری زندگی اسے نہیں چھوڑے گا،، عالی نے سنجیدگی سے اجالا کو رانا میر ہادی کے نادر خیالات بتائے۔

خام خیالی ہے اس شخص کی،، وہ تو دنیا کا آخری مرد ہو، اور دوبارہ پیدا ہو کر بھی آ جائے تب بھی میں اسے لویزا نا دوں، وہ کس غلط فہمی کا شکار ہے عالی میں یہ سب

صرف لویزا کی جان بچانے کو برداشت کر رہی ہوں، نہیں تو آئی سوئیر اس بندے کا منہ نوچ لیتی،،

اجالا نے طیش میں اپنا جوڑا نوچا۔

آؤچ،،،،،،،،،،،، خود کو ہی درد دے بیٹھی،

واٹ دا ہیل اجالا خود کو کیوں تکلیف دے رہی ہو،، عالی غراتا اس تک پہنچا تھا اور اسے بازوؤں سے پکڑ کر جھنجھوڑ ڈالا۔

وہ اس کے سینے میں منہ دیئے رو رو کر آج کی ساری بھڑاس اور غم و غصہ نکالنے لگی

--

ریلیکس یار،، عالی نے اس کی کمر کے گرد بازو حمائل کیے۔"میں کس طرح تمھیں سمجھاؤں کہ یہ سب لویزا کا نصیب تھا، اس کی تقدیر میں یہی لکھا تھا،، اور میر ہادی کی وجہ سے تم ہمارے اتنے قیمتی پل کب سے ویسٹ کر رہی ہو تمھیں اندازا بھی ہے اس چیز کا،،

وہ اسے سمجھاتے نا چاہتے ہوئے بھی شکوہ کر بیٹھا تو اجالا کے رونے کی شدت میں کمی آئی وہ واقعی کب سے لویزا کی ٹینشن میں عالی کو اگنور کر کے ، آج ہی ان کے بیچ

بندھے جانے والے اس انوکھے اور اچھوتے رشتے کے بہت ہی قیمتی پلوں کو محسوس کرنے کی بجائے رونے دھونے میں مصروف تھی۔

آئم سوری،، بلآخر اسے بیچارے مسکین شوہر پر ترس آ ہی گیا اور سوں سوں کرتے منہ سے قیمتی لفظ ادا ہوئے۔

اٹس اوکے،،، روندو کہیں کی،، عالی نے چھیڑا تو وہ اپنے اصلی روپ میں واپس آئی۔

واٹ،، ہاؤ ڈئیر یو،، یہ تو میں اس بات پر آنسو بہا رہی تھی کہ ممی پاپا نے کس ہمٹی ڈمٹی کے پلو سے باندھ دیا مجھے،، وہ بھی سنجیدگی سے آنسو صاف کرتی بولی۔

واٹ میں کارٹون،، اور اپنے بارے میں کیا خیال ہے،، چمگادڑ،، عالی نے ہنسی ضبط کرتے کہا۔۔ اور وہ حسب معمول تپ گئی۔

واٹ عالی میں منہ توڑ دوں گی آپ کا،،

توڑ دو،، ویسے یہ رات تو منہ چومنے کی ہے،، عالی کے شوشے نے اس کے چودہ طبق روشن کیے تھے۔

عالی،، زیادہ فری ناں ہوں،، اس نے انگلی اٹھا کر وارن کرنا چاہا۔

وہ تو نکاح کے دو بول کے بعد آٹومیٹک ہو گیا ہوں،، عالی نے اس کی کمر کے گرد بازو حمائل کیے۔۔

عالی باز آئیں،، اجالا اس کی پناہوں میں کسمسائی۔

کبھی یوں بھی بول دیا کرو ظالم لڑکی، عالی پاس آئیں،، اس کی گال کو لبوں سے چھوا۔

چلو میں تمھیں بتاؤں آج تم کتنی خوبصورت لگ رہی تھیں،،

اس کے ایک ایک نقش کو اپنے لبوں سے چھو کر محسوس کیا۔ اور محبت کا خراج پیش کیا۔

مم،، مجھے،، نہیں جاننا،، وہ اٹکتی سانس کے دوران اتنا ہی بول پائی۔۔

عالی نے اسے سینے میں بھینچ لیا۔ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ٹھہرا تھا اس کا دھیان اپنی جانب مبزول کر کے۔

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

پورے دو ماہ گزر چکے تھے۔۔

میر ہادی اپنے ایگزیم میں بزی ہو گیا اور اپنی زیادہ تر راتیں فارم ہاؤس گزاریں۔ وہ تو چاہتا تھا لویزا بھی پڑھ پائے مگر ڈاکٹرز نے یہ بھی منع کر دیا تھا کہ اس سے اس کے برین اور آنکھوں پر وزن پڑتا جو کہ اس کے لئے ٹھیک نہیں تھا۔

اس دوران لویزا پورے پندرہ دن اجالا کے پاس بھی رہی تھی۔

اب جب ایگزیم سے فری ہوا تھا تو وہ حویلی جا چکا تھا اور وہاں جا کر زمینوں کے بکھیڑوں میں ایسا الجھا کے پورے دو ہفتے اسے وہیں لگ گئے تھے۔

اس دوران وہ کتنا تڑپا تھا کس قدر درد محسوس کرتا تھا یہ تو وہی جانتا تھا۔ یہ دن رات اس نے کیسے گزارے تھے۔ مسئلہِ محبت کا کوئی حل نہیں تھا جو سجھائی دیتا تھا۔

نا اس کے قریب جا سکتا تھا نا اس سے دور رہ پا رہا تھا۔ کرتا بھی تو کیا۔

ادھر لویزا کی عجیب ہی حالت تھی۔ وہ اس کا گریز سمجھ سکتی تھی۔مگر اب تو جو ان کی بیچ دیوار بنی ہوئی تھی وہ بندش بھی کئی دنوں سے ہٹ چکی تھی تو وہ کیوں اس سے بے رخی برت رہا تھا اس کی سمجھ سے بالاتر تھا۔۔۔اب تو اس کا عجیب ہی رویہ دیکھا اس

نے۔ ان دو ماہ میں وہ آفس کے نائٹ شفٹنگ کام کا بول کر بس دن میں ہی آیا گھر،، اور بیچ میں پندرہ دن تو وہ بھی نہیں آیا تھا۔
دونوں کا صبر کا پیمانہ چھلکنے ہی والا تھا۔ بس وقت جانے کونسا طے کیا جانا تھا۔

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

یہ انھیں دنوں میں سے ایک دن تھا وہ حویلی سے لوٹ آیا تھا۔ مگر میر لاج کی بجائے فارم ہاؤس رکا رہا۔۔ دل کو کسی پل قرار نہیں تھا۔ بے خوابی روٹین بن چکی تھی۔
آج صبح سے موسم کافی ابر آلود تھا اور رات تک اسی موسم نے اندھی طوفان کا رخ اختیار کر لیا تھا۔ تبھی پورے شہر کی بجلی گئی تھی۔۔ اس نے افضل کو کال ملائی تھی۔ جوکہ تیسری بیل پر رسیو کر لی گئی۔ مگر جو سامنے سے سننے کو ملا تھا اس سنے اس کے ہوش اڑا دیئے تھے۔ وہ بجلی کی سی تیزی سے اپنا موبائل وائلٹ، اور گاڑی کی کیز اٹھاتا فارم ہاؤس سے نکلا تھا۔

ادھر وہ جو آج جاگ رہی تھی۔ ہر رات کی طرح آج رات بھی نیند اور وہ اس سے کوسوں دور تھے۔۔ رات طوفانی اور دل دہلا دینے والی تھی کہ تبھی لائٹ چلی گئی تھی۔۔ جنریٹر چلتے چلتے اچانک بند ہو گیا تھا۔ کافی دیر تو اس نے موبائل کا ٹارچ جلا کر رکھا مگر پھر چارجنگ ختم ہونے پر وہ بھی جواب دے گیا۔ تب وہ جی جان سے گھبرائی تھی۔۔

پورے رستے اسے اس بات نے پریشان کیا تھا کہ اب وہ اس اندھیرے اور طوفان سے بے تحاشا ڈرتی ہے۔۔ وہ جو اس کے زہن پر سوار تھی دل ہمیشہ اسی کے ساتھ اس کے قریب رہنے کا تمنائی ہونے لگا تھا۔۔

ریش ڈرائیونگ کرتے ہوئے وہ وہاں پہنچا تھا ۔ رات کے ایک بج چکے تھے۔ گاڑی جھٹکے سے میر لاج کے پورچ میں رکی تھی۔۔

وہ تیزی سے گاڑی سے نکل کر اندر لاؤنج میں داخل ہوا تھا۔ میر لاج اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔ کیونکہ جنریٹرز خراب ہو چکا تھا اور کسی گارڈ میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ اندر ہی چلا جاتا اور صورتحال معلوم کر لیتا۔۔

ہادی اندر کی جانب بڑھا۔

لویزا،، اس نے باہر سے چلا کر اسے آواز دی۔۔ مگر جواب ندارد،، وہ بے تحاشا گھبرایا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا موبائل کا ٹارچ جلاتا بے دھڑک اس کے کمرے میں داخل ہوگیا تھا۔

لیزا،،، اس نے پھر پکارا کمرے سے دبی دبی سسکیوں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔۔ میر ہادی کا دل کسی نے پاؤں تلے کچلا۔

لویزا،، اس نے پھر نرمی سے پکارا۔۔

وہ جو بیڈ کے پیچھے چھپی بیٹھی تھی تڑپ کر باہر نکلی اور میر ہادی کے کشادہ سینے سے لپٹتی اس کے سینے میں منہ دے کر سسک پڑی۔ لویزا کے آنسو اس کی قمیض میں جزب ہوئے تھے۔۔

میر ہادی کے سینے میں طوفان سا اٹھا تھا۔ خوف و ہراس سے ٹھنڈے پڑتے وجود کے گرد نرمی سے اپنی مردانہ شال پھیلا کر کمر کے گرد بازو لپیٹ کر اسے مزید خود میں سمیٹا۔۔

کہاں چلے جاتے ہیں آپ مجھے چھوڑ کر؟ کیوں جاتے ہیں؟آخر قصور کیا ہے میرا؟ آپ کو پتہ ہے میں کتنا ڈر گئی تھی،، اتنے دنوں کا غبار نکالتی وہ سسک پڑی-- میر ہادی بس آنکھیں موندے اسے محسوس کیے گیا جیسے اس کا احساس اپنی روح میں اتار لینا چاہتا تھا--

گہری رات، معنی خیز خاموشی،، پرفسوں تنہائی اور باہوں میں ایک نرم و گداز وجود،، وہ تو اسے اپنا شوہر، اپنا محرم، اپنے جسم و جاں کا مالک سمجھ کر اس کی جانب بڑھی تھی--

(مگر کیا میر ہادی بھول گیا تھا کہ ان دونوں کے بیچ ایسا کوئی رشتہ نہیں ہے)

جو اب اس کا چہرہ ہاتھوں میں تھامے نرمی سے اس کے حسین و معصوم چہرے کے ایک ایک نقش کو چوم رہا تھا۔

وہ بہت گہری نگاہوں سے ملگجے اندھیرے میں اس کو دیکھے گیا اور اب میر ہادی کی نگاہوں کا فوکس اس کے گلاب کی پنکھڑیوں جیسے گداز لب تھے جو لویزا بھی محسوس

کرتی نگاہیں جھکا چکی تھی۔ میر ہادی کے حلق میں کانٹے سے اگ آئے رگ و جاں میں ایک تشنگی سی جاگی۔۔ میر ہادی نے نرمی سے اس کے بالوں میں انگلیاں پھنسا کر اس کا ملیح چہرہ اوپر اٹھایا تھا۔۔

اور اس سے پہلے وہ اس کے لبوں پر اپنے تشنہ لب رکھتا کانوں میں کچھ الفاظ کچھ جملے گڈمڈ ہوئے تھے۔

(مداوا کیسے کرو گے میر ہادی؟ کیسے کفارا ادا کرو گے اس رات کا؟ نہیں کر پاؤ گے؟)

میر ہادی نے ایک جھٹکے سے اسے خود سے الگ کر کے دور پھینکا تھا۔ جیسے وہ کوئی اچھوت تھی۔۔ وہ بیڈ پر اوندھے منہ گری حیرت سے گنگ رہ گئی۔۔ وہ اس کا شوہر تھا تو اس کی نزدیکیوں سے اتنا خوف کیوں کھاتا تھا۔ ہر رات کیوں چلا جاتا تھا اس سے دور،، کیوں اس کے چھونے سے جھنجھلاتا تھا۔ وہ بچی تو نہیں تھی جو سمجھتی نہیں،، شاید اس سے اس شخص کا دل بھر چکا تھا یا وہ اپنی بیمار بیوی سے اکتا چکا تھا۔ مگر اب تو وہ مکمل صحت یاب ہو چکی تھی تبھی وہ یہ سوچ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

ائم سوری،، لویزا،،، پلیز،آئم سوری ،،، میر ہادی نے بے بسی سے کنپٹیاں سہلائیں اور بیڈ کے قریب آیا۔

نو ،،،ڈونٹ یو ڈئیر،،، دور رہیں مجھ سے،، اگر دل بھر گیا ہے تو بتا دیں،، اگر اکتا گئے ہیں تو بھی بتا دیں،، اگر کوئی اور مسئلہ ہے تو وہ بھی میں سننا چاہوں گی، مگر اس طرح آپ کو میری ذات کی نفی، اور بے عزتی کرنے کا کوئی حق نہیں،، کوئی حق نہیں آپ کو یوں مجھے دھتکارنے کا،، آپ کا ہتک آمیز رویہ میں برداشت نہیں کر پاؤں گی اب،، مر جاؤں گی، وہ پھوٹ پھوٹ کر روتی، ہچکیوں کے دوران بولی تھی۔۔

میر ہادی نے بازو سے تھام کر اسے بیڈ سے اٹھایا۔ اور سیدھا کر کے تکیے پر لٹا کر اس پر کمفرٹر اوڑھایا۔

ایسی کوئی بات نہیں ہے جیسا تم سوچ رہی ہو، اپنے دماغ سے یہ فضول باتیں اور سوچیں نکال دو لیزا، پلیز ٹارئی ٹو انڈرسٹینڈنگ می،، میں تمھاری صحت پر کوئی کمپرومائز نہیں کرنا چاہتا تھا،،

میں ادھر ہی ہوں لویزا تمھارے بہت قریب،، سو جاؤ شاباش،، وہ سنجیدگی سے کہتا اسے بچوں کی طرح بہلاتا اب اس بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے مگر اس سے قدرے دور ہو کر بیٹھا تھا۔۔

لویزا کا دل کیا اسے گریبان سے پکڑ کر جھنجھوڑ ڈالے جو نا سہی طرح اسے اپنا رہا تھا نا اسے اپنی نگاہوں سے اوجھل ہونے دیتا تھا۔۔ کیونکہ دن میں تو ہر قیمت پر ہر صورت وہ اسے نگاہوں کے سامنے چاہیئے ہوتی تھی۔ مگر رات میں وہ اسے خود سے دور پھینک چکا تھا۔۔

لویزا نے مڑ کر دیکھا وہ مردانہ وجاہت کا شہکار بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے آنکھیں موندے پاؤں بیڈ سے نیچے لٹکائے بیٹھا تھا۔ لویزا نے جھنجھلا کر تکیے میں منہ دیا۔ میر ہادی بند نگاہوں سے اس کی ایک ایک حرکت نوٹ کر رہا تھا تبھی مبہم زخمی سا مسکرایا۔

وہ اس کے پاس بیٹھا تھا تبھی وہ کچھ دیر بعد ہی گہری نیند میں ڈوب گئی۔۔

میر ہادی نے ضبط کے کڑے مرحلے سے گزرتے لال انگارا آنکھیں کھول کر اسے نرمی سے دیکھا۔ ایک سرد سی آہ خارج کی اور خاموشی سے کمرے سے باہر چلا آیا۔۔

باہر افضل ہاتھ باندھے کھڑا تھا۔
افضل اپنی انیکسی میں بوتلیں اٹھا کر لاؤ،، رانا میر ہادی کی ڈیمانڈ پر افضل نے حیرت سے اپنے چھوٹے سائیں کو دیکھا جو آج پورے تین ماہ بعد اس چیز کی فرمائش کر کے انیکسی کی جانب لہو چھلکاتے چہرے کے ساتھ جا چکا تھا۔
افضل بوتلیں تھامے اپنی انیکسی آیا تو وہ چھوٹے سے ٹیبل کے پاس رکھے گئے دو سیٹر صوفے پر بیٹھا تھا۔
پیگ بناؤ افضل،، اس نے سرسراتے لہجے میں کہا تو افضل نے خاموشی سے پیگ بنا دیا۔۔اب اس کے سامنے گلاس پڑا تھا۔ اور وہ اپنی کنپٹیاں سہلا رہا تھا۔ تبھی میر ہادی نے ایک جھٹکے سے ہاتھ مار کر ہر چیز تہس نہس کی تھی۔ بوتلیں فرش پر گر کر چکنا چور ہوئیں تھیں۔

جب عشق اور محبوب مجھ پر حرام ہے،، اسے منہ نہیں لگا رہا تو اس حرام کو کیوں منہ لگاؤں ،، افضل میں پاگل ہو جاؤں گا،، مر جاؤں گا میں اس کے بغیر،، اور دور نہیں رہ سکتا اس سے،، اسے خود سے دور نہیں جانے دے سکتا، افضل میں کیا کروں،، سر ہاتھوں میں لے کر آج چھوٹا سائیں افضل کے سامنے رو دیا تھا۔

عشق کو حلال کر لیں خود پر چھوٹے سائیں، نکاح کر لیں ان سے،، افضل نے سکون سے کہا رانا میر ہاشم اور رانا داراب کی پرواہ کیے بغیر اسے یہ مشورہ دیا تو وہ چونکا۔۔

کیسے،، وہ تو خود کو میری بیوی سمجھتی ہے افضل، اس کو کیسے سمجھاؤں گا میں،، وہ بے چین سا ہوا۔ جیسے کب سے اس چیز پر عمل کرنا چاہتا ہو مگر کوئی وجہ نا ہو پاس۔۔

وہ آپ مجھ پر چھوڑ دیں، چھوٹے سائیں،، وہ کل خود آپ سے کہیں گی کہ مجھ سے دوبارہ نکاح کریں،، افضل نے اطمینان سے کہا۔ یقیناً اس کے پاس کوئی پلان ہوگا۔

تو ٹھیک ہے افضل،، میں ایک مرتبہ بختاور سے روبرو ہو کر بات کرنا چاہتا ہوں، اور مجھے کسی کا ڈر ہے نا پرواہ ، اسی لئے ابھی کہ ابھی حویلی جا رہا ہوں، اب اور مزید ایک پل بھی صبر نہیں کر پاؤں گا، کل جب میں لوٹوں تو وہ نکاح کے لئے بھی راضی ہو، اور

نکاح کی مکمل تیاری کر کے رکھنا، وہ کہتا گاڑی کی چابی لیے باہر نکلا تھا۔ گارڈز کے ہمراہ حویلی کے لئے نکلا۔

چند گھنٹوں بعد ہی وہ رات کے جانے کونسے پہر بختاور کے سامنے بیٹھا تھا۔ وہ گہری نیند میں تھی جب میر ہادی نے اسے پکارا تھا۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی تھی اور سامنے کھڑے شخص کو ملاحظہ کرنے لگی جو کبھی بے تحاشا گھمنڈی اور مغرور ہوا کرتا تھا مگر اب تو جیسے کسی اجڑی ریاست کا لٹا سلطان لگ رہا تھا۔

رانا میر ہادی اس کے سامنے بیڈ پر بیٹھ چکا تھا۔

اس کا نام لویزا ہے،، میر ہادی کے لہجے میں جیسے برسوں کی تھکاوٹ تھی۔

جیییی،،،، بختاور نے حیرت سے کی کو لمبا کھینچا۔ ۔ تم نے پوچھا تھا اس کا کیا نام ہے، وہی بتانے آیا ہوں بختاور، اس کا نام لویزا ہے، صبح نکاح کرنا چاہتا ہوں اس

Urdu Novels Ghar

سے،، کیا تم اجازت دیتی ہو مجھے،، میر ہادی نے کہا تو اس نے پل بھر کو زخمی نگاہوں سے سامنے بیٹھے شخص کو دیکھا۔ جس کا ہونا ہی اس کے ہونے کی علامت تھی۔

اگر انکار کردوں اور اجازت نا دوں تو کیا نہیں کریں گے یہ نکاح،، بختاور نے شاید اسے آزمانا چاہا۔۔

ہاں نہیں کروں گا، کیونکہ میں کسی بھی قیمت پر تمھاری ساتھ نا انصافی نہیں کروں گا، مگر انکار کی صورت تمھیں بیوگی ضرور اوڑھنی پڑے گی خود پر،، کیونکہ اب ایک پل بھی میں اس کے بغیر رہا تو سانس لینا بھول جاؤں گا،، میر ہادی اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر یہ جملے ادا کیے تھے۔ بختاور کو اس کی بات پر ایمان لانا پڑا کہ وہ اب واقعی اس کے بغیر جی نہیں پائے گا۔

دی اجازت آپ کو،، آپ کر سکتے ہیں یہ نکاح،، وہ سکون سے بولی تو میر ھادی کو حیرت ہوئی۔

بختاور تم علیحدگی،،،،،

بلکل نہیں،، مجھے منظور نہیں ،، بختاور نے اس کی بات فورا سے پہلے کاٹی۔

تو پھر ٹھیک ہے میں اپنی پوری کوشش کروں گا کہ کسی بھی قسم کی نا انصافی نا ہو تمھارے ساتھ بختاور ، میں پورے دل سے تمھارے ساتھ ،،

نا انصافی تو ہو چکی ہے میر ہادی، کیونکہ آپ کا دل ، روح اور تمام جزبات تو اس کے پاس ہیں ، یہ خالی وجود لے کر آپ میرے پاس آئے ہیں، جو میرے تو کیا کسی بھی عورت کے کسی کام کا نہیں ہوتا، وہ لمحہ بھر کو خاموش ہوئی ۔ "مگر مجھے کوئی شکوہ نہیں آپ سے ،،، اب آپ سکون سے جائیں، واپس جا کر نکاح کے بھی انتظامات دیکھنے ہوں گے آپ نے،، بہت جلد اسے دیکھنے آؤں گی، اگر آپ کی اجازت ہوئی تو، جاتے ہوئے ڈور لاک کر جائیے گا۔ یہ کہہ کر بختاور نے کمفرٹر میں منہ دیا تھا۔

میر ہادی خاموشی سے وہاں سے نکل آیا تھا۔۔

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

صبح لویزا کی آنکھ کھلی تو اس کے آس پاس کوئی نہیں تھا۔ وہ بھنا کر اٹھی۔ دل کیا دیوار میں سر دے مارے۔ اس کا بری طرح موڈ آف ہوا تھا۔ وہ کچن میں آئی تو میڈ کے ساتھ ایک نیا چہرہ دکھا۔

فریدہ یہ کون ہے،، لویزا نے حیرت سے پوچھا۔

میری بہن ہے بیگم صاحبہ، آج میری طبیعت کچھ ٹھیک نہیں تھی تو مدد کے لئے آئی ہے،،

اوکے،، وہ پھیکا سا مسکرائی۔ اس دشمن جاں نے زندگی بے رنگ کر دی تھی بلکل۔۔ دن بھی یونہی بور اور بوجھل ہی گزرا تھا جب وہ لنچ کے لئے لان میں سے کچن کی جانب آئی فریدہ اور اس کی بہن کی سرگوشیوں میں اپنا نام سن کر اس کے قدم خود بخود ٹھٹھک کر لاونج کے دروازے کے پاس رکے تھے۔۔

واقعی ایسا ہے کیا، فریدہ کی بہن کی حیرت میں ڈوبی آواز آئی ابھری۔

ارے ہاں تقریباً تین ماہ پہلے لائے تھے صاحب جی لویزا میڈم کو یہاں، جانے کدھر سے لائے کوئی خبر نہیں،، آ کر بولا کہ وہ ، موا کیا ہوتا ہے کارٹ میرج وہ کی ہے، یہ بیوی ہے میری، لو جی ہو گئی شادی، ایسا بھی کوئی ہوتا ہے، نا لڑکی دلہن کے لباس میں

آئی، نا سامان اپنے ساتھ لائی ، نا نکاح نامہ، ایسے تو منہ زبانی کوئی بھی کسی کو بھی گھر لے آئے اور بول دے لو جی یہ میری بیوی ہے، ارے کوئی گواہ ہوتا ہے کوئی ثبوت ہوتا ہے، اور تین ماہ سے اپنے پاس رکھا ہوا ہے،، یہ بھی کوئی بات ہوئی بھلا،،
ارے بہن کہیں نکاح کے بغیر تو نہیں رکھا ہوا میڈم کو،،

سرگوشیاں رگیں کاٹنے والی تھیں۔ لویزا کے پیروں نیچے سے زمین سرکی تھی یا سر سے چادر کھینچی گئی تھی اسے پتہ نا چلا ۔ غم و غصے سے پاگل ہوتی وہ اندر آئی تھی--

یہ کیا بکواس کر رہی ہو تم لوگ، جرأت بھی کیسے ہوئی یہ بکواس کرنے کی، ایکسیڈنٹ ہوا تا میرا اور اس میں سب چیزیں سپوئل ہو گئیں،، میں تم لوگوں کی زبانیں کھینچ لوں گی، ہاؤ ڈئیر یو،، صدمے کے مارے وہ چلائی۔
وہ دونوں گڑبڑا کر اٹھ کر کھڑی ہوئیں تھیں۔ فریدہ نے تو سر جھکا لیا اور ہاتھ باندھ کر اس کے سامنے گڑگڑانے لگی کے اسے معاف کر دیا جائے ۔

ارے چھوڑو فریدہ ایسا بھی کیا غلط بول دیا ہم نے، ایکسیڈنٹ ایک بہانہ بھی تو ہو سکتا ہے،، اور بیگم صاحبہ اگر آپ کو اتنی ہی بری لگ رہی ہیں ہماری باتیں تو لائیں اپنا نکاح نامہ اور لا کر ہمارے منہ پر مار کر ہمیں دکھا دیں،، ہم ابھی آپ کے سامنے سو سو جوتے اپنے سروں پر مار لیں گی، مگر آج جو سوال ہم نے کیا ہے کل وہ کسی اور نے کیا تو کیا جواب دیں گی آپ، ہے کوئی جواب آپ کے پاس، نہیں ہے،، ہم تو آپ کی بھلائی کے لئے ہی بول رہے تھے،، کہ جلد اس بارے میں اور اپنے بارے میں کچھ کریں آپ، تاکہ یہی بات جو آج ہم نے بولی کل کو پورا زمانہ نا بولے،، چلتی ہوں فریدہ ،، اللہ حافظ،،

یہ سب بول کر وہ جا چکی تھی۔

بیگم صاحبہ مجھے معاف کر دیں، خدا کے لئے صاحب جی کو مت بتانا وہ میری کھال ادھیڑ دیں گے،،

اقبال کاکا،، وہ چلائی۔۔ تبھی اقبال جو وہیں آس پاس موجود تھا بھاگ کر اندر آیا تھا۔۔

ہادی کدھر ہیں اقبال کاکا،، مجھے ملنا ہے ان سے ابھی اور اسی وقت،، وہ دھواں دھواں چہرہ لیے بولی تھی۔

کچھ ضروری کام تھا بٹیا،، گھر ہی لوٹ رہے ہیں، راستے میں ہیں بس پہنچنے ہی والے ہیں،، مگر ہوا کیا بٹیا،،

جب وہ آئیں تو کہنا سب سے پہلے مجھ سے ملیں، نہیں تو لاش ملے گی انھیں میری، سمجھے آپ،، وہ کہتی پھوٹ پھوٹ کر روتی اپنے کمرے میں چلی گئی تھی۔ اقبال اپنے پلان کی کامیابی پر دھیمے سے مسکرایا اور فریدہ کو کچن میں جانے کا اشارہ کیا تھا۔

♡♡♡♡♡♡♡♡♡

وہ سرشار سا میر لاج داخل ہوا تھا۔ تمام صورتحال افضل اسے بتا چکا تھا اسی لئے وہ ذہنی طور پر تیار تھا۔

وہ اندر آکر سیدھا اس کے روم کی جانب ہی آیا تھا۔ ہلکی دستک دے کر اندر داخل ہوا تو وہ بیڈ پر اوندھی لیٹی رونے کا شغل فرما رہی تھی۔۔

ہیے لیزا کیا ہوا ڈئیر،، بتاؤ مجھے پلیز،، وہ اسے قریب آیا۔ وہ بھنا کر جھٹکے سے اٹھی اس کے سامنے آئی تھی۔

ہادی،، ہمارا نکاح نامہ کہاں ہے،، مجھے چاہئے اور ابھی کہ ابھی چاہیے،، وہ پینک ہوئی۔۔

تم جانتی تو ہو لیزا،، ایکسیڈنٹ میں،،

میں کچھ نہیں جانتی ہادی،، مجھے نکاح نامہ چاہیے،، ابھی کہ ابھی،، کورٹ سے لے کر آئیں ریکارڈز میں سے،

تمھیں کیا لگتا ہے لیزا مجھے فکر نہیں،، میں نے کوشش نہیں کی ہوگی، گیا تھا میں، دو تین چکر لگائے مگر کوئی سنتا ہی نہیں (رانا میر ہادی نے اس صدی کا سب سے بڑا جھوٹ بولا) کہتے ہیں آفس میں آگ لگی تھی، ہارڈ اور سوفٹ ویئر سب ریکارڈ جل کر سپوئل ہو گیا،، تو بولو اب میں کیا کروں،، میر ہادی نے اپنے لہجے میں یاسیت و مایوسی طاری کی۔۔

تو یہ نکاح دوبارہ ہوگا ہادی، وہ بھی آج ہی اور اسی وقت، میں کچھ نہیں جانتی،، وہ روئے گئی۔۔

میرے پاس بھی اس پرابلم کا یہی سیلوشن تھا لیزا، کتنے دنوں سے سوچ رہا تھا کہ تم سے بولوں، بٹ بول نہیں پایا، میں نے تو ساری تیاری بھی کتنے دنوں سے کر رکھی ہے، میر ہادی نے اس کے آنسو صاف کرتے کہا "پارلر والی آتی ہو گی تم تیار ہو جاؤ میں عالی اور اجالا کو لے کر آتا ہوں،،

لویزا نے بھیگی پلکوں سے اسے دیکھتے اثبات میں سر ہلایا۔

وہ لبوں پر ایک میٹھی اور فاتحانہ سے مسکان لیے واپسی کے لئے مڑا۔۔

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

اجالا فوزیہ بیگم کے پاس بیٹھی تھی جب میڈ نے آ کر میسج دیا کہ رانا میر ہادی آئے ہیں۔۔

انھیں ڈرائنگ روم میں بٹھاؤ میں آتی ہوں،، اجالا نے اٹھتے ہوئے کہا۔ اسے حیرت ہوئی تھی کہ عالی کی بجائے وہ اس سے کیوں ملنے آیا تھا یقینا لویزا کے متعلق کوئی بات ہوگی یہ سوچتے ہی اس کے ماتھے پر ڈھیر سارے بل آئے تھے۔

فوزیہ بیگم اور اجالا ڈرائینگ روم میں داخل ہوئے تو وہ سامنے ہی صوفے پر بیٹھا تھا۔ وہ اندر داخل ہوئیں تو وہ پہلی مرتبہ ان کی تعظیم میں اٹھ کر کھڑا ہوا تھا۔ اجالا کو حیرت ہوئی فوزیہ بیگم نے اس کی پیٹھ پر ہاتھ رکھا۔ کیونکہ وہ ہلکا سا جھکا تھا ان کے سامنے۔ بڑی بات ہے اتنے بڑے لوگ بھی ہم جیسوں کے سامنے جھکتے ہیں،، مما آج یقینا بارش آئے گی،، اجالا نے اپنی حیرت پر قابو پاتے خفیف سا طنز کیا تو وہ مبہم سا مسکرایا۔

جن کا تعلق اپنی متاعِ جان سے ہو ان کے سامنے جھکنے میں کوئی عار نہیں،، وہ بھی بے دھڑک بولا تو اجالا ٹھٹھکی۔

کچھ کہنا ہے آپ کو،، وہ دونوں اس کے سامنے بیٹھ گئیں۔۔

میں لویزا سے نکاح کرنا چاہتا ہوں آج اور اسی دن ، اس نے سنجیدگی سے اجالا کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا تو اجالا جسے پہلے ہی اس کی ڈھٹائی پر کوئی شک نہیں تھا اب بھی عش عش کر اٹھی۔

اور آپ کو ایسا کیوں لگتا ہے کہ اتنا سب کچھ ہونے کے بعد بھی میں آپ کو اس چیز کی اجازت دوں گی،، وہ سرد وسپاٹ لہجہ میں بولی--

آپ غصہ کرنے کی بجائے ٹھنڈے دل و دماغ سے میری بات سنیں بھابھی،، سب سے بڑی اور مین وجہ یہ میں اس سے محبت کرتا ہوں، دوسری یہ کہ وہ بھی مجھے چاہنے لگی ہے، تیسری اب ہمیں بغیر کسی رشتے کہ ایک چھت کے نیچے نہیں رہنا چاہیے، اور سب سے بڑی اور مین وجہ لوگ اس رشتے پہ انگلی اٹھانے لگے ہیں، آنٹی سمجھائیں انھیں، یہ ہمارا نصیب تھا، جو بھی ہوا ہمارے مقدر میں لکھا تھا، اس کی یاداشت جانے کب آئے،، آئے بھی کہ نہیں، دیکھا جائے تو اس کا میرے علاوہ اس دنیا میں کوئی نہیں تو بہتر نہیں کہ میں اس رشتے کو ایک نام اور مقام دے دوں،، میر ہادی بولے گیا--

میر ہادی ٹھیک بول رہا ہے بیٹا،، اب یہی مناسب ہے کہ یہ نکاح ہو ہی جائے،، فوزیہ بیگم نے بھی کہا تو وہ خاموش ہی ہو گئی۔۔

اگر کل کو اس کی یاداشت آ گئی تو کیسے ہینڈل کریں گے اسے،، اجالا نے شکستہ سے لہجے میں کہا۔ اب واقعی یہی مناسب تھا کہ وہ بھی نہیں چاہتی تھی کہ لویزا بغیر کسی رشتے کہ ایک پل بھی اس آدمی کے پاس گزارے۔۔

میں ہینڈل کر لوں گا اسے،، اس بات پر میر ہادی نے پہلو بدلہ۔

اور آپ کی پہلی بیوی،، اجالا نے اسے گھورا۔

اس کی اجازت ہے مجھے، کہیں تو بات کروا دیتا ہوں بھابھی آپ کی،، میر ہادی نے پھر اسے خاموش کیا۔

اور کیا گارنٹی ہے کہ آگے جا کر آپ کے خاندان والے کوئی پرابلم کریٹ نہیں کریں گے یا آپ اس سے اکتا کر اسے بیچ راستے میں چھوڑ نہیں دیں گے،، (اجالا نے سادہ لفظوں میں اپنے خدشات اس پر واضح کیے جیسے کہنا چاہتی ہو کہ کہیں تمھارا دل تو نہیں بھر جائے گا اس معصوم سے)

ویسے تو میری زبان ہی کافی ہے پر اگر کوئی گارنٹی چاہیے تو میں اپنی ساری پرسنل پراپرٹی لویزا کے نام کردوں گا،، میر ہادی نے اطمینان سے کہا۔

لویزا کیسے مانی، وہ تو،،، اجالا اپنی بات کے بیچ میں ہی خاموش ہوئی۔

منا ہی لیا اسے بھی،، وہ مسکرایا۔

پھر کسی نئے فریب سے،، اجالا نے پھر طنز کا تیر چلایا تو میر ہادی نے شکایتی نگاہوں سے فوزیہ بیگم کی جانب دیکھا۔

بیٹا آپ چلو ہم تیار ہو کر بس آدھے گھنٹے میں پہنچتے ہیں،، فوزیہ بیگم نے کہا تو وہ اثبات میں سر ہلاتا اٹھا۔

عالی کدھر ہیں،، اجالا بھی کھڑی ہوئی تھی۔۔

وہ میر لاج ہی ہے مجھے میرا مقدمہ لڑنے اکیلا ہی بھیجا،، میر ہادی نے بھی خفیف سا طنز کیا۔ اب ان دونوں کا سالی بہنوئی کا رشتہ ہی ایسا تھا تو کوئی کیا کرتا۔

ٹھیک ہے میں آپ کے ساتھ ہی چلتی ہوں لویزا کے پاس، ادھر ہی تیار ہو جاؤں گی،، مما آپ چینج کر کے آ جانا پاپا کے ساتھ،، اجالا نے کہا تو میر ہادی کو خوشگوار حیرت ہوئی۔

Search on Google (Urdu Novels Ghar) urdunovelsghar.pk

چلیں پھر آپ،،

میں اپنی کچھ چیزیں لے آؤں،، اجالا کہہ کر اپنے روم میں گئی تھی۔

بہت اچھا فیصلہ کیا تم نے بیٹا،، فوزیہ بیگم نے کہا تو وہ مسکرایا۔ اب انھیں کیا بتاتا وہ تو خود اب دل کی مراد پانے جا رہا ہے۔

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

پورے رستے خاموشی چھائی رہی، میر لاج پہنچے تو وہ گاڑی سے اتری۔ سامنے ہی عالی کو ایک جاندار سی گھوری سے نوازا تو وہ بھی ڈھیٹ بنا ہنسنے لگا۔

وہ لاؤنج سے گزرتی سیدھا لویزا کہ روم میں داخل ہوئی تھی۔

مگر روم میں داخل ہو کر بری طرح ٹھٹھک کر رکی تھی۔ سامنے ہی وہ ٹی پنک اور ڈل گولڈن کلر برائیڈل ایمبرائڈڈ لہنگے میں آسمان سے اتری کوئی اپسرا لگ رہی تھی۔ ابھی

تیاری مکمل نہیں تھی پھر بھی وہ اس قدر حسین لگ رہی تھی کہ اجالا بھی سٹل ہو کر رہ گئی تھی۔۔

اجالا،، لویزا نے ہی پکارا تو اسے ہوش آیا۔

لو جی،، برائڈل جی، آپ کی فرینڈ کا آپ کو دیکھ کر یہ حال ہے آپ کی ہبی جی کا تو اللہ ہی وارث ہے،، بیوٹیشن نے چھیڑا تو لویزا کانوں تک سرخ ہوئی۔

اجالا اندر چلی آئی۔ اور اس کے گالوں سے اپنے گال مس کیے۔

بہت خوبصورت لگ رہی ہو لیزو،، کسی کی نظر نا لگے،، وہ واری صدقے گئی۔ اور اپنا سامان بھی صوفے پر رکھا۔

پھر جلد ہی ان کی تیاری مکمل ہو گئی۔۔

بیوٹیشن گئی تو لویزا نے اجالا کو ساری تفصیل بتائی کہ اس نے یہ سٹیپ کیوں لیا۔۔

اجالا غور سے ہر بات سنتی رہی۔

تبھی دروازے پر ہلکی دستک دے کر فریدہ اندر آئی تھی اور اپنی بیگم صاحبہ کو دیکھ واری صدقے گئی۔۔

آپ کو لاؤنج میں بلا رہے ہیں بیگم صاحبہ مولوی صاحب اور سب آ گئے۔۔ فریدہ نے کہا تو اجالا نے لویزا کا ہاتھ تھاما اور دھیمے قدموں سے اسے لیے باہر کی جانب بڑھی۔۔

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

ادھر میر ہادی بلیک ڈنر سوٹ پہنے بلکل تیار تھا۔ عالی اس کی کلائی پہ واچ باندھ رہا تھا۔

خوش ہو دلہے صاحب،، عالی نے چھیڑا۔

وہ گہرا مسکرایا،، بہت،، تمھیں اندازہ بھی نہیں اتنا خوش،، خوشی اس کے انگ انگ سے پھوٹ رہی تھی۔ مگر آنکھوں میں ایک گہری فکر بھی ہلکورے لے رہی تھی۔

تبھی دروازے پر دستک ہوئی تھی۔۔افضل تھا۔

چھوٹے سائیں مولوی جی آ گئے،، افضل نے کہا۔

اور اجالا بھابھی کے ممی پاپا آئے کہ نہیں،، میر ہادی نے خود پر پرفیوم چھڑکتے پوچھا۔

جی چھوٹے سائیں وہ بھی آ گئے، لاؤنج میں بٹھایا ہے،،

ٹھیک ہے چلو،، وہ دونوں باہر آئے۔ سب سے ملکر فریدہ کو اجالا اور لویزا کو بلانے بھیجا۔

میر ہادی صوفے پر بیٹھا تھا جب وہ آج شعلہ جوالا بجلی بن کر اس کے دل پر گرتی اجالا کے ہمراہ دھیمے قدموں سے چلتی ج

باہر آئی تھی۔ میر ہادی کا دل جیسا دھڑکنا بھول گیا تھا یا وہ سانس لینا بھول گیا تھا اسے پتہ نہیں چل رہا تھا۔ اجالا نے اسے تھام کر میر ہادی کے پہلو میں بٹھایا تھا۔ وہ ایسے بے خودی اور بے اختیاری کے عالم میں اس کی جانب دیکھے جا رہا تھا کہ ایک مرتبہ تو لویزا کی بھی روح فنا ہوئی تھی ۔۔ پھر لویزا کو ہی گلا کھنکار کر اسے ہوش کی دنیا میں واپس لانا پڑا۔

کیا لمحہ تھا۔

کیا نظارا۔

مولوی صاحب بسمہ اللہ کیجیے،، عالی نے کہا تو نکاح کی شروعات ہوئی۔۔

لویزا اقبال ولد اقبال احمد آپ کا نکاح رانا میر ہادی ولد رانا دراب کے ساتھ باعوض پچاس لاکھ حق مہر کے طے ہونا پایا ہے کیا یہ نکاح آپ کو قبول ہے،،

زمین پیروں تلے سے ہلی تھی مگر

جی قبول ہے،، دھیمے سے لویزا نے تین مرتبہ اقرار کر ہی لیا۔

جلد ہی ایجاب و قبول کر مرحلہ طے پا گیا۔ رانا میر ہادی فاتح عالم بنا بیٹھا تھا جیسے دنیا فتح کر لی ہو۔ محبت کو پا لینے کا احساس شاید اتنا ہی دلفریب ہوتا ہے۔۔

سب بے تحاشا خوش تھے حتیٰ کہ آج تو اجالا بھی قدرے مطمئن اور خوش سی تھی۔

خوشگوار ماحول میں کھانا کھایا گیا۔

کھانے کے بعد چائے اور ہلکی پھلکی گفتگو کا دور چلا۔ اور پھر آہستہ آہستہ سب رخصت ہونے لگے۔

میر ہادی جو اپنے دوست کو رخصت کرنے باہر تک گیا تھا واپس لویزا کے پاس آیا جو نارمل سی اجالا کے ساتھ بیٹھ کر باتیں کر رہی تھی کیونکہ اس کی دانست میں یہ سب ایک فارمیلٹی تھی کیونکہ وہ تو آلریڈی رانا میر ہادی کی تھی۔

"لیزا مجھے کچھ ضروری کام ہے رات تک آ جاؤں گا، ڈنر پہ ویٹ کرنا، میر ہادی نے کہا تو اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

میر ہادی نے ایک گہری پرتپش نگاہ اس پر ڈالی اور باہر نکلتا چلا گیا۔۔

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

ڈاکٹر عبدالحفیظ گہری نگاہ سے سامنے بیٹھے اس خبطی اور سنکی سے شخص کو دیکھ رہے تھے۔

آپ میڈیسنز کے حوالے سے کیوں اتنے فکر مند ہیں رانا صاحب اور کیوں پوچھ رہے ہیں کہ ان کو یوز کر کے آپ کی مسز کی میموری کب تک واپس آئے گی،، جو میڈیسنز وہ یوز کر رہی ہیں وہ اتنی اچھی ہیں کہ بہت جلد انشاءاللہ ان کی یاداشت واپس آنے کے چانسز ہیں،،

ڈاکٹر،، مگر اب میں یہ چاہتا ہوں کہ میری وائف کی یاداشت کبھی واپس نہیں آئے،، کیا کوئی ایسی میڈیسنز ہیں جو میں اسے یوز کرواؤں اور اس کی یاداشت واپس نا آئے،،

واٹ،، ؟ آر یو ان یور سینسز؟ ڈاکٹر عبدالحفیظ کو اپنے کیریئر کا سب سے بڑا دھچکا لگا تھا شاید آج تبھی حیرت و صدمے سے گنگ ہوئے تھے۔

میں نے آپ سے جھوٹ بولا تھا کہ وہ میری وائف ہے،، بلکہ میں نے آج نکاح کیا ہے اس سے،، اور پھر میر ہادی نے تمام سچائی ڈاکٹر کو بتا دی تھی-- اور وہ گہری سنجیدگی لیے سب سنتے رہے۔

یہ آپ نے سہی نہیں کیا رانا صاحب،، ڈاکٹر نے افسوس سے کہا۔

میں اپنی محبت کے ہاتھوں مجبور ہو ڈاکٹر،، یہ سب کرنے کے لئے، اب آپ بتائیں کیا ہے ؟اس کے لئے بہتر، اس کی یادیں واپس آ جائیں اور وہ مجھے اور خود کو برباد کر لے یا یہ کہ ہم ایسے ہی اپنی میریڈ لائف ہنسی خوشی گزاریں، میں اسے اتنی خوشیاں دوں گا کہ وہ دنیا بھول جائے گی ،باقی جو ماضی میں ہو چکا ہے وہ میں بدل نہیں سکتا مگر

اس کا فیوچر ضرور خوشیوں سے بھر سکتا ہوں،، میر ہادی نے سنجیدگی سے کہا۔ تو ڈاکٹر بھی سوچ میں پڑ گیا۔

رائٹ آپ ایسا کریں وہ جو میڈیسنز لے رہی ہیں انھیں ہٹا دیں، اور یہ کچھ ملٹی وٹامنز ٹیبلٹس لکھ کر دے رہا ہوں، ان کی جگہ وہ بول کر یہ دے دیں، باقی اس کے بعد ہر چیز کے رسپونسپل آپ ہوں گے۔ اگر میموری آئے یا نا آئے، ایکسکیوزمی،، ڈاکٹر نے کہا اور اٹھ کر کیبن سے باہر چلے گئے ۔

رانا میر ہادی اپنے دل کا سب سے بڑا ڈر نکال کر اب اطمینان سے وہ نسخہ ہاتھ میں تھامے باہر آیا تھا۔

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

وہ رات دس بجے کے قریب گھر لوٹا تو میر لاج میں دن کی نسبت کافی سناٹا سا چھایا ہوا تھا۔ وہ لبوں پر گہری مسکان سجائے اندر داخل ہوا۔ فریدہ لاؤنج میں موجود تھی۔

لویزا کہاں ہے فریدہ،؟

چھوٹے سائیں، بیگم صاحبہ آپ کا انتظار کر رہی تھیں، پھر یہ بول کر کہ تھک گئیں ہیں کمرے میں چلی گئیں،،

سہی تم جاؤ اب، میں کروا دوں گا ڈنر اسے،،

میر ہادی نے کہا تو وہ سر ہلاتی دانت نکالتی چلی گئی۔

میر ہادی اس کے کمرے تک آیا تھا۔ روم لاکڈ تھا۔ وہ اس کی معصومیت اور لاعلمی پر مسکرایا۔ وہ آج کی شب کو بھی گزرنے والی پچھلی شبوں سے تشبیہ دے بیٹھی تھی شاید تبھی ڈور لاک کر کہ سو گئی تھی۔

ڈوبلیکیٹ کی سے ڈور کھولا۔ اندر آیا تو ایک اور دلکش نظارا دیکھا۔ وہ سونا نہیں چاہتی تھی شاید، مگر تھکاوت سے چور دوپٹہ اور جیولری اتار کر ڈریسنگ پر رکھے اپنی گرم شال خود پر اوڑھے صوفے پر بیٹھنے کے انداز میں ہینڈل پر سر ٹکائے گہری نیند میں تھی۔

سب سے پہلے اس نے آگے بڑھ کر پہلی ساری میڈیسنز ڈسٹ بن کی نظر کیں اور اب کی لائی میڈسنز بیڈ کے سائیڈ ڈرار میں رکھیں۔ پیچھے مڑا تو نگاہ بھٹک کر اس پری پیکر پر جم گئیں جو اس کی رگ و جاں میں بس چکی تھی۔

آج زاویہ نگاہ کچھ اور ہی تھا اسی لئے نگاہ بلا جھجھک کندن بدن کی تمام گہرائیوں میں اتر رہی تھی--

وہ اپنا کوٹ اتارتا اس کے قریب آیا تھا۔ صوفے پہ چھوڑی گئی چھوٹی سی جگہ پر بیٹھا۔

چاندی کی طرح دمکتی وہ آج اسے مکمل بے خود اور مدہوش کر چکی تھی۔ تمام جزبے انگڑائیاں لے کر بیدار ہوئے تھے۔

ہاتھ بڑھا کر ہاتھ کی پشت سے گال سہلائی۔

وہ جو کافی دیر سے سو رہی تھی، اب نیند پوری ہونے پر ایک دہکتا لمس اپنے چہرے پر محسوس ہونے پر کسمسا کر آنکھیں کھولیں تھیں۔ سامنے اسے بیٹھا دیکھ وہ مسکرا کر اٹھی۔

ارے آپ آ گئے، اب تک مجھے لگا آئیں گے ہی نہیں،،

ہمم آج تو آنا ہی تھا، وہ مبہم سا مسکرا کر بولا۔ اب کیسا فیل کر رہی ہو لیزا؟

بہت اچھا،، وہ کب سے بچوں کی طرح خوش ہوئے جا رہی تھی۔

ڈنر کیا؟

نہیں آپ کا ویٹ کر رہی تھی،،

میں آج ڈاکٹر عبدالحفیظ کے پاس گیا تھا،،

کیوں؟ لویزا کو حیرت ہوئی۔۔

پوچھنے کہ اب ہم اپنی ازدواجی زندگی سہی طرح سے سٹارٹ کر سکتے ہیں کہ نہیں،، تو انھوں نے کہا بلا جھجھک،،

اس کی بے پر کی پر لویزا بوکھلا کر تیزی سے اٹھی تھی۔ مگر اتنی ہی تیزی سے میر ہادی کی گرفت میں اس کی کلائی آئی تھی۔

کدھر؟

وہ ڈریس چینج کرنے،،

نو، ابھی نہیں،، اس کی فرمائش پر لویزا نے اس کی جانب دیکھا مگر،

کلی دل کی اچانک کھل گئی
کوئی کوئی ہوئی شے مل گئی ہے
یہ کس انداز سے دیکھا ہے تو نے
زمین پیروں تلے سے ہل گئی ہے

آج اس کی نگاہوں میں جو سوال اور جو طلب تھی اس نے لویزا کی جان لبوں پر لائی تھی۔ میر ہادی نے کھڑے ہو کر اچانک اسے بازوؤں میں بھرا تھا۔۔

ہادی کیا کر رہے ہیں آپ،، وہ اس کے اٹیٹیوڈ سے گھبرائی۔

خاموش رہو لویزا، بھاری بوجھل لہجے کی سرگوشی تھی جس نے اس نازک جان کی ہتھیلیاں پسینے سے بھگوئیں تھیں۔۔

وہ اسے لئے روم سے باہر آیا تھا۔۔اور اب رخ اپنے روم کی جانب تھا۔

اپنے روم میں داخل ہو کر ڈور پاؤں سے لاک کیا۔ روم میں ملگجا اندھیرا تھا مگر لویزا کی روم کی سجاوٹ اور سچوئشن دیکھ کر جیسے سانس رکی تھی۔۔ جس میں موتیے کے سفید اور گلاب کے پھولوں کی مسہری بنائی گئی تھی اور ہر طرف سینٹڈ کینڈلز تھیں۔ بے اختیار ہی لویزا کی گرفت اس کی شرٹ پر مظبوط ہوئی تھی۔۔ جب کے وہ گہری مسکان لیے اس کے چہرے کا ایک ایک اتار چڑھاؤ دیکھنے میں مصروف تھا۔

ہا،، دی،، یہ،، کک،، کیا،، آج پہلی مرتبہ رانا میر ہادی کے سامنے اس کی زبان لڑکھڑائی ہوگی۔۔

ہمارے رشتے کی حقیقت میری جان،، جو آج ہمیں تسلیم کرنی ہے، میر ہادی کی نگاہیں اب زیادہ خمار آلود اور بہکی سی ہو چلی تھیں۔

آپ تو یوں بی ہیو کر رہے ہیں ،،،،،،جیسے پہلے تو یہ رشتہ،،،،،، تھا ہی نہیں، جیسے آج ہی یہ قائم ہوا،، اس کی دہکتی نگاہوں سے بچنے کو اپنا لہجہ مضبوط کر کے بات کرنے کی کوشش کی مگر بری طرح ناکام ہوئی۔

کچھ ایسا ہی سمجھ لو میری جان،، وہ اسے لئے بیڈ تک آیا تھا۔۔ اور اسے بیڈ پر اتارنا چاہا۔۔

ہادی،، مم،، مجھے نہیں سونا یہاں،، اپنے روم میں جانا ہے،، وہ بیڈ پر اترنے کو تیار نا تھی تبھی شدت سے اس سے لپٹتی بولی۔۔

آج گریز ممکن نہیں میری جان،، کان میں وہ بوجھل سی سرگوشی نے لویزا کی دل کی دھڑکن تیز تر کی تھی۔ ہادی نے نرمی سے اسے بیڈ پر اتارا۔ اور بلکل اس کے سامنے بیٹھا۔

اب جیسی سامنے والی کی نگاہ تھی لویزا کا دل کیا کہیں چھپ جائے اسی لئے نگاہیں جھکا گئی تھی۔ میر ہادی نے اپنی پینٹ کی پاکٹ سے ایک مخملی ڈبیہ نکالی ۔۔کھولی تو اس میں ایک ڈائمنڈ رنگ تھی۔۔

ہاتھ دو لیزا،، میر ہادی نے اس کا ہاتھ تھاما، لویزا کو لگا اس کا ہاتھ جل جائے گا اسی لئے جیسے ہی میر ہادی نے نرمی سے اسے رنگ پہنائی اس نے ہاتھ پیچھے کھینچنا چاہا مگر ناکام ۔

میر ہادی کی گرفت مضبوط ہوئی۔

ہادی نے جھک کر عقیدت سے ہاتھ کی پشت پر اپنی محبت کی مہر ثبت کی، لمس حدت بھرا تھا۔ لویزا نے جیسے سانس روکی تھی۔ جب وہ ہاتھ کی پشت سے یونہی شدت بھرے لمس بکھیرتا بازو اور پھر شولڈر تک آیا۔ لویزا نے دوسرے ہاتھ کی مٹھی میں اس کی شرٹ بری طرح جکڑی۔ دل کی دھڑکن مزید بے قابو سی ہوئی جب اس ستمگر نے اپنے لب گردن پر رکھے اور گردن پر جا بجا محبت کے پرشدت سے پھول بکھیرے۔۔ ہادی نے اس کی کان کی لو کو دانتوں سے ہلکا سا کاٹا تھا جب رانا لویزا میر ہادی کی بس ہوئی تھی۔ تبھی اکھڑتی سانسیں لیے مچل کر اس کی پناہوں سے نکلی تھی۔

ہادی،، سٹاپ،، پپ،، پلیز،، میں سانس نہیں لے پا رہی،، وہ بیڈ سے اتر کر ونڈو کے پاس آئی تھی۔ اور بے قابو ہوتے پسلیوں سے سر پٹختے دل کے مقام پر ہاتھ رکھ کر گھرے گھرے سانس بھرنے لگی۔

اور اب لویزا سوچ رہی تھی کہ اگر وہ اس سے دور تھا اس سے گریزاں تھا تو بلکل بجا تھا کہ شاید وہ جانتا تھا کہ اس کی نازک جان اس کی شدت، جنون اور دیوانگی جھیل نہیں پائے گی۔ بلکل بھی نہیں۔۔

میر ہادی اس کی ابتر ہوئی حالت دیکھ گہرا مسکرایا تھا۔ اور بیڈ سے اتر کر شرٹ کے بٹن کھول کر شرٹ اتارتا اس کی جانب آیا۔

اس کے ہر ایک بڑھتے قدم کے ساتھ لویزا کی دھڑکن تیز تر ہوئی تھی۔ اور جان تو اس وقت نکلتی محسوس ہوئی جب اس کے ہاتھ کمر کے گرد مظبوط سے حمائل ہوئے تھے۔ ہادی کے دہکتے لبوں نے پھر کندھوں سے گردن تک کا سفر طے کیا تھا۔

ہا،،، دی،،، نن،، نو، پلیز،، میں برداشت نن، نہیں کر پا رہی،، وہ اکھڑتی سانسوں کے بیچ اتنا ہی بول پائی۔ ماتھا پسینے سے بھیگ چکا تھا۔۔

"اس نہیں کا کوئی حل نہیں،

روز کہہ دیتے ہو،،،،،آج نہیں، مگر آج میں کہتا ہوں میری جان،، آج گریز بلکل نہیں،، بھاری ترین آواز کی اس سرگوشی نے مزید لویزا کو بے حال کیا تھا۔ ہادی نے اس کا رخ جھٹکے سے اپنی جانب موڑا تھا۔ اس کے ہاتھ اپنے کندھوں پر رکھے۔ لویزا بس ایک نگاہ ہی اس کی جانب دیکھ پائی تھی اور اس کی قاتل نگاہوں کا فوکس دیکھ کر اسی کے سینے میں منہ دینا چاہا مگر بری طرح ناکام ہوئی تھی۔ جب میر ہادی نے اپنے تشنہ لب شدت سے اس کے لبوں میں الجھائے۔۔ایک ہاتھ جوڑے میں پھنسایا اور دوسرا کمر کے گرد حمائل کر کے سہارے کے لئے اسے دیوار سے لگایا تھا۔

جھٹکے سے جوڑا کھل کر موتیے کے پھول جا بجا بکھرے اور ریشمی بال شولڈر سے نیچے تک بکھر گئے تھے۔۔

لویزا کا سارا خون نچڑ کر جیسے چہرے پر آیا تھا۔ جسم بے جان سا ہونے لگا۔ اسے اپنے نازک ہونٹوں پر جلن کا احساس ہونے لگا تھا۔ مگر آج وہ جو خود کو سیراب کر رہا تھا۔۔

لگتا نہیں تھا اس جام سے سیر ہو پا رہا ہے۔ مگر لویزا کی بے حال ہوتی حالت پر ترس کھاتے وہ نرمی سے پیچھے ہٹا تھا۔

وہ اسی کے کندھے پر گر کر گہرے گہرے سانس بھرنے لگی تھی۔ میر ہادی نے اس کی کمر کے گرد بازو حمائل کیے اور اسے پھر سینے میں بھینچا۔

ہا،،،، دی،،،، مم،،،، میں ،،،،مر،، جاؤں گی،،،پلیز۔ وہ روہانسی ہوئی۔اور تقریباً رو دینے کو تھی۔۔

نو میری جان،، جی کڑا کرو،، کہ آج ہر صورت تمھیں رانا میر ہادی کا جنون اور اس کی دیوانگی بھری شدتیں اپنی نازک جان پر جھیلنی ہیں ،، آج میں کسی قیمت پر پیچھے نہیں ہٹوں گا،، محبت سے کمر سہلاتے اسے جیسے حوصلہ اور تسلی دی گئی تھی۔

"بس اتنے میں ہی جان ہوا ہو گئی میری جان،، ابھی تو میں نے اپنی محبت کی شدتیں لٹانے کی شروعات ہی کی ہے،، میر ہادی نے اس چھیڑا اور اس کا چہرہ اپنے سامنے کرنے کی کوشش کی۔ مگر وہ کبوتر کی طرح آنکھیں بند کیے اس کے سینے میں دبکی ہوئی تھی۔

میر ہادی نے پھر اسے بازوؤں میں بھرا۔ وہ بری طرح بوکھلائی۔

ہادی،، پلیززززز،، میر ہادی کو بیڈ کی جانب جاتا دیکھ لویزا کہ پھر چودہ طبق روشن ہوئے تھے۔

مگر وہ ان سنی کرتا اسے بیڈ پر لٹا کر خود اس کے اوپر جھکا۔ لویزا نے اس کے سینے پر ہاتھ رکھ کر اسے روکنے کی ناکام کوشش کی مگر وہ اس کی انگلیوں میں اپنے ہاتھوں کی انگلیاں پھنسا کر بیڈ سے پن کر گیا۔ اور پورے چہرے پر اپنے پیار کی مہریں ثبت کرنے لگا۔

ہا،،، دی،،،

اششششششش،،، ہادی نے اس کے لبوں پر انگلی رکھی تھی۔ "بولو مت میری جان صرف میری محبت محسوس کرو،، میری شدتوں کا اندازہ نہیں تھا ناں تمھیں، تبھی میرے گریز کا شکوہ کرتی تھیں،، آج میں تمھیں باور کرانا چاہتا ہوں کہ یہ دوری کتنی عذاب ناک تھی میرے لئے،، وہ کہتا پھر اس کے ہونٹوں پر جھکا تھا۔ محبت کی شدتیں بکھیرتا بیوٹی بون تک آیا۔ لویزا نے اس کی شدتوں سے گھبرا کر سختی سے آنکھیں بند کیں اور شیٹ مٹھیوں میں دبوچی ہوئی تھی۔ جیسے خود سپردگی کا عالم ہو جیسے خود کو اس کی شدتوں کے حوالے کیا ہو۔

میر ہادی نے اپنے اوپر کمفرٹر پھیلایا اور ہاتھ بڑھا کر اکلوتا جلتا سائڈ لیمپ بھی آف کر دیا۔۔ آج انہوں نے ایک دوسرے کو پا لیا تھا مکمل کر دیا تھا۔ محبت مہربان ہوئی تھی دونوں پر تو دونوں کے رشتے کو ایک مضبوط ڈور میں باندھ کر ایک انتہائی پاکیزہ رشتے کا مقام حاصل ہوا تھا۔۔

♡♡♡♡♡♡♡

محبتوں کی امین لڑکی
وہ پارسا وہ حسین لڑکی
دیکھو جو اس کی آنکھیں تم
لگے گی تم کو نگین لڑکی
فراق یار پر بھی ملال نہیں ہے
وہ صبر کرتی ذہین لڑکی
شرمگیں لہجہ جھکی ہیں پلکیں

وہ آبگیں سی مبین لڑکی

گھائل کرے جو محبت سے اپنی

وہ وفا کا پیکر یقین لڑکی

ایک نظر جو دیکھو واللہ

واجب المحبت وہ دلنشین لڑکی

صبح سات بجے کے قریب میر ہادی کی آنکھ کھلی تھی۔ زرا سا گردن جھکا کر دیکھا تو وہ اس کی بانھوں میں ٹوٹی بکھری حالت میں گہری نیند میں سو رہی تھی۔ان دونوں کے اوپر گردن تک کمفرٹر تھا۔ لویزا کا سر اس کے سینے پر تھا۔اور ایک گداز ہاتھ میر ہادی کے دل کے مقام پر رکھا ہوا تھا جو اس کی دھڑکنیں اٹھتے ساتھ ہی پھر سے منتشر کر گیا تھا۔ لبوں کو ایک دلفریب مسکان نے چھوا۔

شدید بھوک محسوس ہوئی تو شدت سے احساس ہوا کہ وہ جو اس کا ڈنر کہ لئے ویٹ کر رہی تھی رات اس کے پاگل پن میں نا اس نے خود ڈنر کیا تھا بلکہ اسے بھی دنیا بھلا

دی تھی۔۔یقیناً وہ بھی بھوکی تھی اور میڈیسنز بھی نہیں لیں تھیں جو ابھی اس کی صحت کے لئے ضروری تھیں۔

میر ہادی نے اس کی کمر سہلائی۔

لیزا،، میری جان اٹھو،، میر ہادی نے اس کا کندھا تھپتھپایا۔ وہ کسمسائی۔ اور کروٹ بدلنے لگی جب میر ہادی کی گرفت مضبوط ہوئی۔۔

لیزا،، اٹھو،،، یار بھوک لگی ہوگی،، کچھ کھاتے ہیں ناں،،

لویزا نے جھنجھلا کر مندی مندی سی آنکھیں کھولیں تھیں۔ اس آدمی نے اسے ساری رات نہیں سونے دیا تھا اور وہ اب بھی یہی سمجھ رہی تھی کہ وہ شرارت پر آمادہ ہے۔

"ہادی ،،میں منہ توڑ دو گی آپ کا،، وہ نیند سے بوجھل جھنجھلا کر اتنا ہی بول پائی۔

"رائٹ چوم لو،، سامنے بھی میر ہادی تھا۔

"واٹ،، لویزا جھلائی۔

"ابھی خود ہی تو بولا ہادی میں منہ چوم لوں گی آپ کا،، میر ہادی کا اطمینان قابلِ دید تھا۔ جھک کر اس کی چن پر اپنے لب رکھے۔ وہ مچلی۔

مگر میر ہادی نے اس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر اسے اپنے ساتھ اٹھا کر بٹھا دیا۔ اور اب وہ جو بکھری سی حالت میں تھی بری طرح بوکھلائی تھی۔

ہادی پلیز،، نہیں کریں ناں،، وہ عاجز آ کر بولی تھی۔۔ اور بری طرح حواس باختہ ہو کر کمفرٹر میں سمٹی۔۔

لو،، ابھی تو کچھ نہیں کر رہا میں،، وہ شرافت سے اٹھ کر ڈریسنگ کی جانب گیا تھا۔

"مگر اب اگلی تمام وصل کی راتوں کی گارنٹی نہیں دوں گا بلکل بھی،، اب لہجے میں بے حد شرارت تھی۔۔ رانا میر ہادی جس نے کبھی اٹھ کر پانی کا گلاس تک نا پیا تھا آج ڈریسنگ میں منہ دیئے اس کے لئے ڈریس نکال رہا تھا۔

اس نے اپنی پسند سے بلیک فراک اور ٹراؤزر نکالا تھا۔

جلدی سے اٹھ کر فریش ہو جاؤ میری جان،، پھر زبردست سا بریک فاسٹ کریں گے،،

مجھے بلکل بھی بھوک نہیں ہادی،، اس نے زور دار انگڑائی لیتے کہا تو رانا میر ہادی بیڈ کے قریب آیا۔

جھوٹ مت بولو جان،، اگر اتنی نیند آ رہی تو کہتی ہو نیند کے ساتھ ساتھ ہوش بھی اڑا دوں،،؟ وہ اسے گہری نگاہوں میں رکھتے بولا تو لویزا کی نیند بھک سے اڑی تھی۔ نروٹھے

پن سے اس کو گھورا جو گہری سیاہ آنکھوں میں ایک شوق کا جہان آباد کیے اسے نہارنے میں مصروف تھا۔

وہ کیوٹ اور برے برے منہ بناتی رہی ہادی اس کی الجھن سمجھ گیا اور دانتوں تلے لب دباتا روم سے باہر آگیا۔۔

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

وہ تازہ ہوا کا جھونکا بنی کچن میں داخل ہوئی تو یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ ابھی فریدہ اور سسٹر روزی نہیں موجود ہیں۔ ابھی وہ یہی سوچ رہی تھی کہ میر ہادی گیلے سیاہ بالوں میں ہاتھ پھیرتا کچن میں آیا تھا۔ اور آکر اس کے کندھے کہ گرد بازو حمائل کیا۔ اور موبائل نکال کر دو تین سیلفیز لیں۔

یہ کیا کر رہے ہیں ہادی،، لویزا اس جنونی کی جانب دیکھا۔

اپنی لائف میں آنے والی سب سے حسین و خوبصورت صبح کو موبائل میں کیپچر کر کے اس مومنٹ کو ہمیشہ کے لئے قید کر رہا ہوں۔ اور آج کے دن کے سارے مومنٹس اسی طرح اپنے فون میں قید کروں گا،، وجہ شام تک پتہ چل جائے گی میری جان کو،،

آج فریدہ نہیں آئی ہادی،،؟ لویزا نے گھبرا کر اس کا دھیان بٹانا چاہا۔

اسے میں نے کہا جاؤ اپنی بہن سے مل آؤ،،

اور سسٹر روزی،،؟

اسے میں نے پرمانینٹلی لیو دے دی،، کیونکہ اب اپنی کیوٹ سی وائف کا میں خود خیال رکھوں گا،، کوئی ہمیں ڈسٹرب نہیں کرے گا،،بس پورے میر لاج میں میری میٹھی ایلوویرا اور اس کا میٹھا کریلا،، جسٹ واؤ،،

رانا میر ہادی نے اس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر اسے کچن کی سلیب پر بٹھایا۔ اور خود ہلکا سا جھک کر اس کے سامنے کھڑے ہو کر فون میں پھر سیلفی لی۔

آپ کا دماغ کا سکرو ڈھیلا ہو گیا ہے ہادی،، کبھی ایلویرا اور کریلا بھی میٹھا ہوا ہے،،

اس نے آئبرو اچکا کر میر ہادی کو دیکھا جو اب نفاست سے ایپرن باندھ رہا تھا۔ حیرت انگیز

نظارے تھے آج تو جو دیکھنے کو مل رہے تھا کیونکہ وڈیرا جی اپنی بیگم کے لئے بریک فاسٹ بنانے والے تھے۔۔

رات میں نے تو چکھا تھا ایلوویرا تو کافی میٹھی تھی، شہد سے بھی زیادہ،، اب پتہ نہیں ایلو کو یہ کریلا بھی میٹھا لگا کہ نہیں،، لہجہ بے حد شرارتی سا تھا لویزا کانوں تک سرخ ہوئی تھی خفت کے مارے پاس پڑا چمٹا اٹھا کر اسے مارنا چاہا جو کہ اس نے پھرتی سے کیچ کر لیا۔

اب وہ ٹوسٹر میں ٹوسٹ ڈال رہا تھا۔ اور ایک سٹوو پر چائے رکھی اور آملیٹ کا سامان نکالا۔

آپ رہنے دیں میں بناتی ہوں ناشتہ،، اس نے سلیب سے اترنا چاہا۔

نو،، ہرگز نہیں، ادھر سے اتریں تو سیدھا بیڈ روم میں لے جاؤں گا اور پھر میں بریک فاسٹ کی بجائے تمھیں کھاؤں گا،،

ہادی کیا ہے آپ کو؟ وہ تلملائی۔

عشق ہے تم سے،، لہجہ اطمینان بھرا تھا۔

وہ اس شاندار بندے کی جانب دیکھے گئی۔ دل تو اس کا بھی باغی ہو چکا تھا خود کو دنیا میں بس اس ایک شخص کے حوالے سے سوچا تھا۔ رات جیسے اس نے اس کے وجود کو نہیں روح کو چھوا تھا۔ وہ بھی تو اس کی روح میں اتر چکا تھا۔ ۔اس کی نگاہوں کا ارتکاز محسوس کر کے وہ گہرا مسکرایا اور اس کی جانب دیکھ کہ آنکھ ونک کی۔

کیوں وائفی زیادہ ہینڈسم لگ رہا ہوں۔؟

چوری پکڑے جانے پر وہ بوکھلائی اور دوسری جانب دیکھنے لگی۔

کافی دیر کی ہنگامہ آرائی کے بعد آخر بریک فاسٹ تیار ہو ہی گیا۔ ڈائننگ ٹیبل پر ناشتہ لگا کر اسے سلیب سے خود اتارا۔ اور ہاتھ تھام کر ڈائننگ تک لا کر اپنی گود میں بٹھایا۔

ہادی پلیز،، وہ بوکھلائی۔ مگر وہ اس کے بازو اپنی گردن کے گرد حمائل کر کے سیلفی لے چکا۔

میں اپنے ہاتھوں سے تمھیں بریک فاسٹ کروانا چاہتا ہوں اسی لئے چپ چاپ بیٹھی رہو ایلو،،

اور اگر میرے ہاتھوں سے گرم چائے چھوٹ کر آپ کے اوپر گر گئی تو،؟ لویزا نے دانتوں تلے لب دبا کر کہا۔۔ مگر وہ ڈھیٹ تھا۔

اٹس اوکے،، مجھے کچھ نہیں ہوگا،، گر جائے،، انداز لاپرواہ سا تھا۔۔

وہ اپنے ہاتھوں سے چھوٹے چھوٹے نوالے بنا کر اس کے منہ میں ڈالنے لگا تھا۔

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

حویلی میں ایک طوفان سا اٹھا تھا۔ جیسے بھونچال آیا ہو۔۔ وہ سب میر ہادی کی پھپھو سمیت اماں سائیں کے کمرے میں بیٹھے تھے۔۔ پھپھو اور ممتاز بیگم بیٹھی رونے میں مصروف تھیں۔

میر ہادی کے نکاح کی خبر حویلی پر بجلی بن کر گری تھی۔ ناصرف نکاح کی بلکہ یہ بھی کہ وہ اپنی تمام پرسنل پراپرٹی جو کم از کم کروڑوں میں تھی اپنی منکوحہ کے نام کر چکا تھا۔۔

ہمت کیسے ہوئی اس ناخلف ناہنجار کی میر دراب، اور تم اتنے سکون سے مجھے یہ خبر سنا رہے ہو، اور اب فون بند کر کے بیٹھا ہے، میں پوچھتا ہوں کس کی شہہ پر اس نے یہ قدم اٹھایا کس کی اجازت سے،، کہاں سے اٹھا کر لایا اس دو ٹکے کی چھوکری کو،، یقیناً اس لڑکی نے پراپرٹی کے لیے یہ عشق و محبت کا ڈھونگ رچایا ہوگا۔۔ اور وہ بے وقوف کاٹھ کا الو جو اپنے آپ کو تیس مار خان سمجھتا ہے آ گیا اس لڑکی کے جھانسے میں،، رانا میر ہاشم کا لال انگارا دھواں دھواں چہرہ اور پر جلال آواز پورے کمرے میں گونج رہی تھی۔ بختاور ایک کونے میں سر جھکائے مگر سکون سے بیٹھی تھی۔

بابا سائیں دھیرج سے کام لیں، آپ کا بی پی بڑھ جائے گا،، طبیعت خراب ہو جائے گی آپ کی،، میرا دراب منمنائے۔

ہوتی ہے تو ہو جانے دو میر دراب، اور اب یہ طبیعت خراب ہی رہنی ہے جب تک تم اس چھوکری کو میر ہادی کی زندگی سے نکال نہیں باہر پھینکتے، رانا میر ہادی کو بولو شرافت سے اس کوڑے کے ڈھیر کو جہاں سے اٹھا کر لایا تھا، وہیں پھینک آئے نہیں

تو اپنی جان سے جائے گی وہ لڑکی، ہمارے لئے کوئی بڑی بات نہیں اس کو اس دنیا سے غائب کرنے میں کوئی عار مانع نہیں، ایکسیڈنٹ بھی ہو جاتے ہیں، گھروں میں ڈاکوں بھی گھس کر مار جاتے ہیں، کوئی گلی میں تیزاب پھینک بھی مار سکتا ہے کسی کو،، وہ دانت پیس کر بولے۔

بابا سائیں آپ پہلے تو مجھے تو مجھے بولتے تھے کہ ایسے موقع پر آپا مت کھویا کرو، ہر مسئلے کو سکون سے سوچ سمجھ کر حل کرنے کی تلقین کرتے تھے اپ مجھے اور اب خود اپنا آپا کھو رہے ہیں آپ،،

تو کیا کروں میر دراب اس سر پھرے بیغرت انسان نے دماغ گھما ڈالا میرا، ہر بار،ہر بات میں اپنی منمانی کرتا ہے، اور شہہ میں نے ہی اسے دے رکھی ہے،، مگر اب بس، بہت ہو چکی اس کی منمنانی،، اس لڑکی کو تو چھوڑنا پڑے گا میر ہادی کو،،

وہ اب بھی چیخ سے رہے تھے۔

بابا سائیں میں تو کہتا ہوں ابھی صبر کریں،، نیا نیا بھوت سوار ہوا ہے خود ہی اتر جائے گا،، آپ تھوڑا صبر کریں،

ہر گز نہیں،، میر دراب،، اب میں اسے اس کے حال پر ہر گز نہیں چھوڑوں گا،، بشیر سے کہو گاڑیاں نکلوائے۔

جی بہت بہتر بابا سائیں،، میر دراب کہتے جلال سے وہاں سے اٹھے تھے۔

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

وہ لان میں چڑیا بنی چہچہا رہی تھی۔ میر ہادی جھولے پہ بیٹھا اسے دیکھ مسکرا رہا تھا۔ جب افضل ایک باکس تھامے ان کے پاس آیا اور جیسے آیا تھا ویسے واپس بھی چلا گیا۔ وہ جو لان میں ننگے پاؤں چہل قدمی کر رہی تجسس کے مارے اس کے قریب چلی آئی۔

یہ کیا ہے ہادی،، وہ حیرت سے بال کانوں کے پیچھے اڑستی بولی۔

تمہارے لیے ہے میری جان،، اس نے باکس کھولا۔

آہہہہہہ،، لویزا نے اکسائیٹڈ ہو کر ایک زور دار چیخ ماری۔۔

اووووووو سو کیوٹ،،

باکس میں جرمن شیفرڈ نسل کا ایک چھوٹا سا پپی تھا۔ پھولے پھولے بالوں والا۔ لویزا نے اسے گود میں لیا۔

ہادی یہ بہت کیوٹ ہے،،اور میرا دل کر رہا ہے میں اسے کس کر لوں،، وہ کچھ زیادہ ہی فدا ہوئی تھی۔

اے خبردار،، میری امانت میں خیانت کی،، ابھی اس کو فائر سے اڑا دوں گا،، میر ہادی نے اسے گھورا جو اب پپی کو گود میں لیے پیار سے سہلا رہی تھی۔۔ مگر پرواہ کسے تھی۔

ہادی یہ میل ہے یا فی میل،، وہ اس کے بارے میں جاننا چاہتی تھی۔۔

فی میل ہے،، تبھی تو تمھاری گود میں ہے، نہیں تو ابھی تک جہنم رسید کر دیتا،، ہادی نے اس کی جانب گہری نگاہ سے دیکھا۔

میں اس کا نیم میکس رکھو گی،، ہائے مائی کیوٹ لٹل میکس،، اس نے اس کا رخ اپنی جانب کرنا چاہا۔ میر ہادی اسے اتنا خوش ہوتے دیکھ گہرا مسکرایا۔

صبح سے سیلفیز لے لے کر ہلکان ہو رہے ہیں،، اب میری اور میکس کی بھی پکس بنائیں ناں ہادی،، لویزا نے کہا تو ہادی نے فون نکالا اور مختلف پوز میں اس کی پکس بنائیں،،

تبھی افضل دوبارہ وہاں آیا تھا۔

سر،، افضل نے گلا کنکھار کر اسے متوجہ کیا۔

بولو،، وہ مصروف سا تھا۔

سر آپ کا فون بند ہے،، افضل نے مبہم سا کہا۔

ہاں،، ائیر پلان موڈ پر ہے کیوں؟

سر باس بار بار فون کر رہے ہیں اور بہت ناراض ہیں،، کہتے ،،
مجھے آج فی الحال کسی سے بات نہیں کرنی افضل، میر ہادی نے افضل کی بات بیچ میں ہی کاٹی۔ جاؤ یہاں سے، بول دو، کہ میں نے کہا ہے کہ مجھے بات ہی نہیں کرنی،، وہ رکھائی سے بولا۔ افضل تو چلا گیا مگر لویزا کو شدید حیرت ہوئی تھی۔
کیسی باتیں کر رہے ہیں ہادی،، آپ کی جاب چلی جائے گی پھر کیا کریں گے آپ،،

اسے صدمہ لگا۔

تم بلکل فکر مت کرو، کئی آفرز ہیں میرے پاس،، تم صرف مجھ پر توجہ دو،، وہ اسے بازو سے کھینچ کر اپنے قریب کرتا بولا۔

کیوں آپ مٹی کھاتے ہیں جو آپ کی طرف توجہ دوں اور روکوں آپ کو،،

نہیں دنیا سے انوکھا ہوں ایلوویرا کھاتا ہوں،، وہ اس کے لبوں پر نگاہیں جما کر بولا تو لویزا کا جھرجھری آئی۔ فورا نگاہیں چرائیں۔

اندر جا کر تیار ہو جاؤ لیزا، شاپنگ پر چلتے ہیں، میں ویٹ کر رہا ہوں،، میر ہادی نے کہا افضل میر ہادی کے اشارہ کرنے پر قریب آیا تو لویزا نے میکس کو افضل کاکا کی گود میں تھما دیا اور خود اندر چلی گئی۔۔

میر ہادی نے افضل کی جانب سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔
حویلی میں حسب معمول خبر پہنچ چکی ہیں چھوٹے سائیں اس نکاح کی اور دادا سائیں اور بابا سائیں بہت برہم ہیں،، کافی ہنگامہ کیا انھوں نے ادھر،، افضل کے اپنے ہی زرائع تھے ہر بات معلوم کرنے کے مگر میر ہادی سن کر خاموش ہو گیا۔
اتنا سا ہنگامہ تو ہوگا ہی ناں افضل،، وہ لاپروائی سے بولا۔
اتنا سا نہیں ہے چھوٹے سائیں، بڑا ہنگامہ ہے وہ ادھر شہر آ رہے ہیں،، افضل نے کہا تو اس کے ماتھے پہ بل آئے۔

واٹ،، میر ہادی جھنجھلایا۔ اوکے انھیں فارم ہاؤس کا بتانا کہ میں ادھر ہوں، تاکہ وہ بھی ادھر ہی جائیں،، پر ملاقات تو میں کل ہی کروں گا ان سے،آج جو میں نے کہا اس پہ ہمارے پیچھے سے عمل ہو جانا چاہیے،، اس کا حتمی سا لہجہ افضل نے سر ہلایا اور چلا گیا۔

کچھ ہی دیر میں وہ کندھوں پر پرانے طریقے سے شال کندھوں پر ڈالے باہر آئی تو میر ہادی حیران ہوا مگر اپنی حیرت پر جلد قابو پایا۔

چلیں،، وہ قریب آکر مسکرا کر بولی۔

چلو،، میر ہادی نے اس کا ہاتھ تھاما اور دونوں گاڑی کی جانب گئے۔

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

For more books 0313-6137393

شاپنگ کے نام پہ جتنا میر ہادی نے اسے پریشان کیا تھا جتنا ناک میں دم دیا تھا اس نے آئندہ کے لئے توبہ کی تھی اس کے ساتھ شاپنگ پر آنے کے لئے ، کئی مرتبہ لویزا کو ایسا بھی لگا کہ وہ جان بوجھ کر وقت ضائع کر رہا ہے۔

ایک ایک ڈریس پہن کر دکھانے کی فرمائش، پھر اس پر تبصرے۔ جب میر ہادی نے بس آخری بول کر ایک ڈریس جو کہ رائل بلو میکسی تھی اسے تھمائی اور پہن کر دکھانے کو کہا تو لویزا نے اس کی کمر میں دو تین دھموکے ضرور رسید کیے تھے۔ جس پر سیلز گرل کی بے اختیار ہنسی چھوٹ گئی تھی۔

وہ کب سے اتنے بڑے بزنس ٹائیکون سیاسی اثر و رسوخ والے زمیندار بندے کو اس کے آگے پیچھے گھومتے دیکھ رہی تھی۔

وہ پہن کر آئی تو رانا میر ہادی مبہوت سا اسے دیکھے گیا۔ رائل بلو میکسی جس کے گلے بازوؤں اور گھیرے پر سلور نگینے جڑے تھے اس میں وہ میک اپ سے پاک چہرے میں بھی نوخیز کلی کی طرح کھل رہی تھی۔

پرفیکٹ،، میر ہادی کی زبان سے ادا ہوا۔۔

او تھینکس گاڈ،، کچھ پسند تو آیا مہاراج کو،، نہیں تو اب داسی نے سر کھول دینا تھا مہاراج کا،، وہ اس کے قریب آ کر دانت پیس کر بولی تو میر ہادی نے سیلز گرل کا بھی لحاظ نا کیا تھا۔ کمر میں ہاتھ ڈال کر اسے خود کے قریب کیا وہ اس کے سینے سے آ لگی تھی۔

مہاراج نہیں،، معمولی سا غلام ہے یہ اس پرستان کی ملکہ کا، آئندہ ان لبوں نے یہ داسی واسی کہنے کی گستاخی کی تو نتیجہ بھی پبلک پلیس پر بھگتنا پڑے گا انھیں ، وہ اس کا لب سہلاتا بولا جبکہ لویزا خود کو ریلیکس کرنے کے چکر میں لمبے لمبے سانس لے رہی تھی۔

ہادی بہت ہی کوئی بے شرم انسان ہیں آپ،، پسینے سے ماتھا بھیگ چکا تھا لال ٹماٹر چہرہ لیے وہ غرائی۔

اب پتا چلا ہے میری جان کو،، وہ لاپروائی سے بولا۔

سیلز گرل وہاں سے کھسک چکی تھی۔

چھوڑیں مجھے،،

کیوں،،؟ ہادی نے پوچھا تو لویزا نے اسے اس طرح دیکھا جیسے اس کے دماغ توازن پر شبہ ہوا ہو۔۔

چینج کرنا ہے ہادی میں نے،، وہ جھنجھلائی۔

نو، ضرورت نہیں بس شال اوڑھ لو،، میر ہادی نے اس کے سر پر شال اوڑھ وہ خاموش ہو گئی جانتی جو تھی اب اگر اس نے بول دیا ہے کہ اسے یہی ڈریس پہنے رکھنا ہے تو مطلب یہی پہنے رکھنا ہے۔

وہ مال سے نکلے تو ایک بیوٹی سیلون پہنچے تھے۔ میر ہادی نے اسے اندر بھیجا ۔ اور خود کہیں چلا گیا۔ جب لویزا تیار ہو کر باہر آئی تو سامنے ہی وہ بلو ڈنر سوٹ میں گاڑی سے ٹیک لگائے اس کے انتظار میں کھڑا تھا۔

میر ہادی نے اس کے سامنے اپنا ہاتھ بڑھایا ۔ لویزا نے مسکرا کر اس کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ تھمایا تھا۔

♡♡♡♡♡♡♡♡♡

گاڑی میر لاج کے ڈرائیو وے پر آ کر رکی تھی۔اور رات آٹھ بجے کا وقت تھا۔ میر ہادی فورا گاڑی سے نکل کر باہر آیا اور آ کر لویزا کی جانب کا دروازہ کھول کر اس کی جانب ہاتھ بڑھایا۔ وہ مسکرا کر کندھوں پر شال درست کرتی باہر آئی۔ اور میر ہادی کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ تھمایا۔

لاؤنج کے دروازے تک پہنچ کر میر ہادی رکا تھا۔ اور لویزا کی آنکھوں پر ہاتھ رکھا تھا۔

یہ کیا ہادی،،

سرپرائز ہے میری جان،، وہ یونہی اس کی آنکھوں پر ہاتھ رکھے اندر بڑھا تھا۔ اندر پہنچ کر آنکھوں سے ہاتھ ہٹایا تو لویزا کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا تھا۔

میر لاج کے لاؤنج کو تازہ گلابوں سے سجایا گیا تھا اور درودیوار پر آج کی تمام مومنٹس کی جو خوبصورت سیلفیز لی گئیں تھیں وہ آویزاں تھیں۔ جن میں لویزا کہیں اس کی گود میں بیٹھی کھلکھلا رہی تھی، ایک جگہ وہ اس کا ڈریس کندھے سے درست کر رہا تھا، ایک میں اس کے سر پر دوپٹہ اوڑھا رہا تھا، کہیں لان میں پھولوں کے قریب بیٹھی تھی، کہیں میکس کو گود میں لے کر بیٹھی تھی، اور کچن والی تمام پکس دیواروں پر سجی ان لمحوں کو زندہ اور جاوداں کر رہیں تھیں۔

ٹیبل پر چاکلیٹ کیک اور گفٹس کا ڈھیر رکھا ہوا تھا۔

ہیپی برتھ ڈے ٹو یو مائی لائف ،، سب سے پہلے میر ہادی نے اس کے کان میں سرگوشی کی تھی۔ پھر ایک جانب سے اجالا اور عالی نکل کر اس کے سامنے آئے۔

ہیپی برتھ ڈے ٹو یو،،

ہیپی برتھ ڈے ٹو یو،،

ہیپی برتھ ڈے ڈیئر لیزا،، ہیپی برتھ ڈے ٹو یو،،

لویزا سر خوشی میں اجالا سے لپٹی تھی--

"دیٹس ناٹ فیئر وائفی،، یہ سب میں نے کیا تو اس جادو کی جپھی کا اصل حقدار کون تھا،، میر ہادی ان کے سامنے بھی باز نا آیا تو لویزا کے چہرے نے لہو چھلکایا تھا۔ اجالا اور عالی اس کی جیلسی پر قہقہہ لگا کر ہنس پڑے تھے جبکہ لویزا چھپنے کو جگہ ڈھونڈنے لگی۔

پلیز، ہادی،، وہ روہانسی ہوئی۔

اوکے رائٹ آؤ کیک کاٹو،، ہادی نے مضبوطی سے اس کا ہاتھ تھاما۔

وہ ٹیبل تک آئی۔ اور ہادی کے ہمراہ کیک کاٹا۔ اور سب سے پہلا پیس ہادی کو کھلایا اور ہادی نے لویزا کو کھلایا۔ پھر لویزا نے اجالا اور عالی کو کیک کھلایا۔

اجالا نے لویزا کی نظر اتاری ۔ کہ وہ اس قدر خوش دکھائی دے رہی تھی کہ اجالا بار بار اپنی نگاہیں چرا رہی تھی کہ مبادا اس کو اس کی نظر ہی نا لگ جائے۔ میر ہادی کی سنگت اور قربت نے اسے اور نکھار دیا تھا۔ میر ہادی کے ہر چھوٹے سے چھوٹے عمل میں لویزا کے لئے بے پناہ محبت ہی چھلک رہی تھی۔۔ وہ اس کے پہلو میں بیٹھی کوئل کی طرح چہچہا رہی تھی۔۔

بے تحاشا خوشگوار ماحول میں ڈنر کیا گیا۔ لان میں باربی کیو کا انتظام کیا گیا تھا۔ اجالا بار بار اسے میر ہادی کا نام لے کر چھیڑتی اور وہ اسے عالی کا ۔ کیونکہ دونوں کی حرکتیں ہی ایسی تھیں ہر منٹ کے بعد کوئی نا کوئی ذومعنی شوشا چھوڑ کر انھیں خود میں سمٹنے پر مجبور کر دیتے اور خود قہقہہ لگا کر انجوائے کرتے۔

کھانے کے بعد کافی کا دور چلا ۔ اور لویزا نے اپنے گفٹس کھول کر دیکھے۔ کافی پی چکے تو میر ہادی نے ریموٹ سے وہاں سیٹ کیا میوزک سسٹم آن کیا تھا۔ وہ کافی دیر کپل ڈانس اور ہلا گلا کرتے رہے۔ لویزا اور اجالا ان دونوں کی حرکتوں پر ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہوتی رہیں۔

ساڑھے گیارہ بج چکے تھے ۔ فوزیہ بیگم کا فون آیا تو اجالا اور عالی کو واپس جانا پڑا۔

انھیں باہر تک رخصت کر کے وہ واپس آئے تھے۔ لویزا روم میں جانے لگی تب ہادی نے اس کی کلائی اپنی گرفت میں لی تھی۔۔

کدھر،، ہادی نے پوچھا۔

ہادی روم میں جا رہی ہوں، چینج کرنا ہے، وہ روہانسی ہوئی۔

نو میری جان ابھی نہیں،، ہادی نے جھٹکے سے اسے اپنی جانب کھینچا تھا۔ وہ اس کے سینے سے آ لگی۔

ابھی ہی تو مجھے ایسا فیل ہوا کہ کباب میں سے ہڈی نکلی ہے،، وہ شرارت بھری مسکان لیے گویا ہوا تو لویزا نے اسے زور دار گھوری سے نواز مگر وہ ریموٹ اٹھا کر اب اپنی پسند کا سونگ لگا چکا تھا۔ جو اس وقت اس کے جزبات کی بھرپور طریقے سے ترجمانی کر رہا تھا۔ ہلکے ہلکے سروں پر اس نے لویزا کی کمر میں ہاتھ ڈال کر اسے قریب تر کیا۔ اور ہلکے ہلکے اس کے ساتھ موو کرنے لگا۔ ۔

ہاسے تیرے نال وے جند تویوں جان وے

تیرے پیچھے روندیاں آکھیاں نادان وے

روح کرلاوے نا تو کھیڈیں ایسی چال وے

زندگی حسین اے جے تو میرے نال وے

جینا تیرے نال مرنا وی تیرے نال وے

سدھرا نو توڑی نا وے

موڑی نا وے مکھ میٹھو

اکھیاں نو رونا بڑا پینڑاں

کنی واری کنی واری کیہا وے میں

تیرے بِنا کلے نیوّ رہنا

مَن جا تو کری نا شُدایاں جیا حال وے

زندگی حسین اے جو تو میرے نال وے

جینا تیرے نال مرنا وی تیرے نال وے

گانے کا ایک ایک لفظ نے میر ہادی کے دل کی ترجمانی کی تھی وہ اس کی آنکھوں میں دیکھے گیا۔ اس کی آنکھوں میں لویزا کو جو اپنے لئے تڑپ، جنون، ایک آگ، لپک اور دیوانگی دکھائی دے رہی تھی اس نے لویزا کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ پیدا کی تھی۔ وہ زیادہ دیر اس ظالم کی نگاہوں میں دیکھ ہی نا پائی تھی تبھی نرمی سے اس کے سینے پر اپنا سر رکھا تھا۔

ہارڈ کنڈاں کیویں چھڈاں تویوں آ کے دسدے
روندے میرے نین ناہیوں،، چین نال تو ہس وے
تیرے نا وے جِند کرساں بن مرساں
تو کی جانے بارشاں دے وانگوں برساں
زندگی حسین اے جے تو میرے نال وے
جینا تیرے نال مرنا وی تیرے نال وے

لویزا کو محسوس ہوا اس کے کندھے پر کچھ گرم سیال سا گرا ہے۔

میر ہادی موم بن کر پگھل رہا تھا یا واقعی گانے کے مطابق بارش بن کر برس رہا تھا۔ اسے اندازہ نا ہوا۔ اس نے ہادی کے سینے سے سر نکال کر دیکھنا چاہا مگر ہادی نے اس کے بالوں میں انگلیاں پھنسا کر اسے ایسا کرنے سے روک دیا۔ نہیں جانتی تھی لویزا نا جان سکتی تھی اسے کھونے کا ڈر میر ہادی کو چین نہیں لینے دیتا تھا۔۔ اس کی کمر پر میر ہادی کی گرفت کی شدت میں اضافہ ہوا تھا۔ لویزا مچلی۔ مگر اس گرفت سے نکل نا پائی۔

پیار سچا کہہ کے نا تو کر جاوی چھَل وے

تیرے تو بغیر میرا کوئی نا

اکھیاں نو رونے دے کے کیتھے وسنا

کالیاں راتا نوں وے میں سوئی نا

شالا وی سندھو وِگڑے نا تیرا وال وے

ہاسے تیرے نال وے جند تویو جان وے

تیرے پیچھے روندیاں اکھیاں نادان وے

روح کرلاوے نا توں کھیڈیں ایسی چال وے

زندگی حسین اے جے تو میرے نال وے

جینا تیرے نال مرنا وی تیرے نال وے

اب کی بار میر ہادی نے اس کا چہرہ چن سے تھام کر اوپر اٹھایا تھا۔ میر ہادی کی نگاہوں کی حدت و تپش تھی کہ وہ سر تا پا لرز رہی تھی۔ ہادی نے اس کی کمر کو سہارا دے کر اس کے پاؤں اپنے پاؤں پر رکھے تھے۔ نگاہوں کا فوکس اس کے کانپتے لرزتے پنک لپ اسٹک لگے گداز لب تھے۔ جنھیں دیکھ ہمیشہ وہ خود کو تپتے صحراؤں میں کھڑا پاتا تھا۔ تبھی اب مچل کر اس کی سانسوں کو اپنی بے چین دسترس میں لیا تھا۔

لویزا مچلی، کیونکہ آج اس ظالم کے چھونے میں جانے کیوں ایک شدت اور پاگل پن سا تھا جو وہ بلکل برداشت نہیں کر پا رہی تھی۔

لویزا نے اس کے سینے پر ہاتھ رکھ کر اس کی پاگل گرفت سے خود کو چھڑانا چاہا مگر وہ اس کے ہاتھ تھام کر انھیں اپنے کندھوں پر رکھ چکا تھا۔

اسی پوزیشن میں میر ہادی نے اسے بانہوں میں بھرا تھا۔ اور روم میں لا کر بیڈ پر لٹایا۔ لویزا نے اس کی شدتوں سے گھبرا کر مسلسل سختی سے آنکھیں بھینچ رکھیں تھیں۔ ہادی کی گرفت نرم پڑی تو لویزا نے مچل کر اس کی طرف سے دوسری جانب رخ پھیرا تھا۔ اور گہرے گہرے سانس بھر کر اپنی اتھل پتھل ہوتی سانسیں بحال کرنے کی کوشش کی۔ مگر وہی سانس ایک مرتبہ پھر حلق میں ہی اٹکی تھی جب پچھلی گردن پر دوبارہ وہ شدت بھرا لمس محسوس ہوا۔ اور کندھے سے میکسی سرکتی محسوس ہوئی۔

لویزا نے جھٹکے سے مڑ کر اسی دشمن جاں کے سینے میں ہی پناہ تلاشنی چاہی تھی۔ میر ہادی لویزا کی ان شدتوں سے بچنے کی اس معصومانہ سی کوشش پر کھل کر مسکرایا تھا تبھی اس نے مکمل مدہوش سا ہو کر اس پر مکمل قابض ہو کر اسے اپنی دسترس میں لیا تھا۔ کہ وہ چاہ کر بھی اس کی پناہوں کے شکنجے سے نکل نہیں سکتی تھی۔

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

میر ہادی گھنے بالوں میں ہاتھ پھیرتا کچن میں داخل ہوا تو وہ بلکل سادے سے سکن ٹاپ اور ٹراؤزر میں انہماک سے ناشتہ بنا رہی تھی۔

خوشبوؤں کا ریلہ کچن میں داخل ہوا تو وہ متوجہ ہوئی تب تک وہ اس کے بلکل قریب آ چکا تھا۔

کیا بن رہا ہے وائفی،، میر ہادی نے اس کے کندھے سے جھک کر چولھے پہ دیکھا جہاں وہ ڈھیر سارے بل ڈال کر پراٹھا بنانے میں مصروف تھی۔ مگر اسکی خوشبو اور اب اتنی قربت سے کانپی ضرور تھی۔

پپ،، پراٹھا بنا رہی ہوں،، آپ کے لئے،، اس کی زبان لڑکھڑائی۔

جلدی بناؤ جان کہیں جانا ہے مجھے،، وہ شرافت کا مظاہرہ کرتے ڈائنگ ٹیبل کے پاس آ کر بیٹھ گیا کہ وہ گھبراہٹ میں اپنا ہاتھ وات نا جلا بیٹھتی۔

کہاں جانا ہے آپ نے،،؟ وہ اس کے دور جانے کے خیال سے بھی گھبرائی تھی۔ وہ مسکرایا۔

کام ہے ضروری،، مبہم سا جواب تھا۔

کب آئیں گے،، خالص بیویوں والا سوال اور انداز تھا۔

کب آؤں،،؟ الٹا سوال پوچھا تو وہ نروس ہو کر انگلیاں چٹخانے لگی۔۔

وہ اس کی جانب سے رخ موڑ گئی تھی۔ "جلدی،، آہستگی سے بول کر دانتوں تلے لب دبایا۔

واٹ،، سنائی نہیں دیا ایلو کیا بولا،، میر ہادی نے جان بوجھ کر اسے چھیڑا۔

خبردار، کڑوے کریلے آپ نے مجھے ایلوویرا بولا،، وہ ٹاپک چینج کرنے کو غرائی۔

بولا تو کیا کرے گی میری جان،، وہ مصروف سا لاپروائی سے کہتا موبائل میں بابا اور دادا سائیں کے سینکڑوں مس کالز دیکھنے لگا جو وہ کل سے کر کر کے پاگل ہو رہے تھے۔۔

تو میں آپ سے دور چلی جاؤں گی،، وہ بولتی چولھے کی جانب مڑی تھی۔

مگر نہیں جانتی تھی کہ بھڑوں کے چھتے میں ہاتھ دے بیٹھی ہے، بات تھی کہ پگھلا ہوا سیسہ جو وہ سامنے والے کے کانوں میں انڈیل چکی تھی۔ وہ تو پہلے ہی اس معاملے میں جلتے توے پر بیٹھا تھا جیسے،،

جھٹکے سے اٹھ کر اس کا رخ اپنی جانب موڑا تھا لویزا کے ہاتھ میں جو گرم چائے کا کپ تھا چھناکے سے فرش پر گر کر ٹوٹا تھا چھینٹے میر ہادی پر بھی پڑے تھے مگر یہاں

پرواہ کسے تھی۔ بری طرح اس کمر سے تھام کر خود کے قریب کھینچا تھا وہ بری طرح سہمی تھی۔

ہادی،، یہ کیا،، ؟ کیا کیا آپ نے،، ؟ ابھی ساری چائے آپ پر گرتی،،

غور سے سنو رانا لویزا میر ہادی،، آج تو یہ بات منہ سے نکالی ہے، تم نے کہی اور میں نے سن لی،، آئندہ اگر یہ بات زبان پر لائی تو آئی سوئیر،، جان لے لوں گا میں تمھاری بھی اور ساتھ اپنی بھی،،

لال انگارا آنکھیں لئے وہ غرا کر بولا تو لویزا کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں تھیں۔ جبکہ کمر پر اس کی اتنی سخت گرفت سے اسے تکلیف پہنچ رہی تھی۔

ہادی میں مزاق کر رہی تھی،، وہ مسکین سی شکل بنا کر بولی۔

مزاق وہ ہوتا ہے جس پر کسی کو ہنسی آئے اور مجھے اس بے ہودہ بات پر بلکل ہنسی نہیں آئی لیزا،، وہ اب بھی اتنے ہی غصے سے بولا تو لویزا روہانسی ہوئی۔

ہادی، یو ہرٹنگ می،، لویزا نے اس کی توجہ اس کی اتنی سخت گرفت پر دلائی تو میر ہادی نے نرمی سے اسے چھوڑ دیا مگر رگیں ہنوز تنی ہوئی تھیں اور جبڑے یونہی بھنچے ہوئے تھے۔

میں یونہی تو نہیں کہتی کڑوے کریلے کہیں کے،، اس میں اتنا غصہ کرنے والی کونسی بات ہے آپ کیوں اتنی معمولی،،

واٹ لیزا،،،،؟واٹ،،؟ تمھارے لیے یہ معمولی سی بات ہے رئیلی ؟ میں تو سن کے ہی مرنے والا ہو گیا،؟ تمھیں نہیں پڑے گا فرق میرے دور جانے سے تو دعا کرو جا رہا ہوں تو مر جاؤں اور لوٹ کے ہی نا،،

ہادی،، لویزا چلائی،، اور اس کے منہ پر بے اختیار ہی ہاتھ رکھا تھا۔ میں نے ایسے بولا آپ کو،، بہت برے ہیں،، بہت زیادہ،، آئی ہیٹ یو،، وہ اس کے سینے پر مکے برساتی منہ پر ہاتھ رکھتی روتی ہوئی اپنے کمرے میں بند ہو چکی تھی۔

کہاں کا ناشتہ کونسا ناشتہ۔

میر ہادی نے اپنی کنپٹیاں سہلائیں اور گہری سرد سی آہ بھری۔ ابھی تو وہ جانے اپنے پاگل پن میں کیا کیا گل کھلانے والا تھا۔ یہ تو شاید شروعات تھی۔ وہ تو اپنے اندر اٹھتے خلفشار سے تنگ آ کر اتناری ایکٹ کر گیا تھا۔ مگر اسے ناراض کر بیٹھا تھا جو اسی کی فرمائش پر اتنے دل سے اس کے لئے پراٹھا بنا رہی تھی۔

اس نے حسرت بھری نگاہ پراٹھے پر ڈالی اور بری طرح لب کاٹتا باہر نکلتا چلا گیا۔

ابھی تو جو سر پر دو دھاری تلوار لٹکی تھی ان سے جا کر نمٹنا تھا ۔ اپنی ایلو سے تو بعد میں ہی نمٹے گا۔

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

وہ فارم ہاؤس کے لاؤنج میں داخل ہوا تو دادا سائیں اور بابا سائیں کو اپنا منتظر پایا تھا۔ بابا سائیں تو سنجیدگی لیے بیٹھے تھے مگر دادا سائیں اچھے خاصے تپے بیٹھے تھے۔

برخوردار مل گئی ہے فرصت اس چھوکری کے پلو سے نکلنے کی تو،،

دادا سائیں سب سے پہلے تو اس کے لئے اپنا طرز تخاطب زرا درست کر کے بات کریں تو ہی میں یہاں بیٹھ کر بات کروں گا نہیں تو،، وہ سنجیدگی سے کہتا وہاں ان کے سامنے بیٹھتا کاٹ دار لہجے میں دانستہ بات ادھوری چھوڑ کر بولا۔

دادا سائیں کا تو کاٹو تو بدن میں لہو نہیں والا حساب تھا۔

تو پھر مجھے یہ بتاؤ جرأت کیسے کی تم نے یہ حرکت کرنے کی چھوٹے سائیں،،

بس ہو ہی گئی جرات دادا سائیں اب آپ آگے بولیں کہ مجھے کیا بولنے آئے ہیں،، رانا میر ہادی کے اطمینان پر ان کا عش عش کر اٹھنے کا دل کیا۔

اتنے بے وقوف لگتے تو نہیں میر ہادی جتنے بن گئے ہو، یہ دماغ جو ہمارے سامنے اتنا چلتا ہے اس کے آگے کیا گھاس چرنے چلا گیا تھا،،

کیا مطلب آپ کا،، کھل کر بات کریں،، اس نے چن پر مٹھی بنا کر رکھتے کہا۔

مطلب کے کاٹھ کے الو ہو، اس نے تمہیں دولت کے لئے پھانسا اور تم،،

نو،، یہ اعتراض رد کرتا ہوں میں آپ کا ،،کیونکہ اسے معلوم ہی نہیں کہ میں کتنا دولت مند ہوں ، اسے میں نے یہ بتایا کہ میں ایک بڑی کمپنی میں جاب کرتا ہوں،

اور میں نے جو پراپرٹی اس کے نام کی اسے اس چیز کا بھی بلکل علم نہیں،، اگلا اعتراض؟

ہادی کے سکون نے اب دادا سائیں کو آگ لگائی تھی۔

اور بیغیرت، ناخلف بختاور کے بارے میں کیا خیال ہے،، وہ دانت پیس کر سرخ چہرے کے ساتھ بولے تھے۔۔

اس سے پوچھ کر ہی کیا ہے یہ نکاح،، وہ سکون سے بولا تو دادا سائیں بھونچکا سے اسے دیکھے گئے۔

میر ہادی، بختاور تمھاری خاندانی بیوی ہے یار،، اب کی بار میر دراب نے اسے سمجھانا چاہا تھا "اور تم جانتے ہو خاندان سے باہر ہم رشتہ نہیں کرتے، تمھارے اس نکاح کو کبھی قبول نہیں کریں گے، اور نا اسے تمھاری بیوی تسلیم کریں گے ہم،

تو مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا، کوئی مانے نا مانے میں ، وہ میری بیوی ہے تو اس کے لئے میں ہی کافی ہوں،اور میرے لئے وہ ، میر ہادی نے ایک بار پھر ان کی بات بیچ میں اچکی۔

تمہیں اسے چھوڑنا ہوگا میر ہادی،، دادا سائیں نے اپنا حتمی فیصلہ سنایا۔

نا چھوڑا تو،، لہجہ چیلجنگ تھا۔
تو تم اچھی طرح جانتے ہو میر ہادی کے راناز اپنی راہ کا کانٹا کس طرح نکالتے ہیں،،
دادا سائیں غصے سے سرخ ہو رہے تھے۔

اگر اسے ایک کھروچ بھی آئی ناں دادا سائیں تو میں آپ لوگوں کے سامنے خود کو زندہ جلا لوں گا، پھر بختاور کو بنا لیجئے گا آپ ، اپنی نسل کی امین،، وہ بھی اب غرا کر بولا تھا۔
دو حرفی بات تھی جو وہ سنا کر جھٹکے سے اٹھا تھا ۔ جانتا جو تھا صرف ایک یہی بات ہے جو دادا سائیں کی کتنی بڑی کمزوری ہے وہ خود ان کی کتنی بڑی کمزوری ہے تو اس نے اسے ہی اپنا ہتھیار بنایا تھا۔ مگر اس کے جانے کے بعد دادا سائیں کا بی پی ضرور بڑھ گیا تھا۔

ڈاکٹر نے آکر انھیں میڈیسن دیں تھیں۔
میں نے کہا بھی تھا بابا سائیں،، ابھی تھوڑا صبر کر لیں،، نیا نیا شوق ہے پورا ہو لینے دیں،، دیکھا نہیں کیسے لڑنے مرنے کو تیار ہے اس کے لئے ابھی جزباتی ہو رہا ہے

بعد میں دیکھیں گے، یہ اونٹ کس کروٹ بٹھانا ہے،، ابھی آپ اپنی صحت پر توجہ دیں، الیکشن بھی سر پر ہیں یہ معاملہ نہیں چھیڑ سکتے ابھی ہم،، میر دراب نے انھیں سمجھایا تو وہ گہری سوچ لیے اثبات میں سر ہلا گئے۔

وہ خاموش تھے۔

مگر یہ خاموشی کسی طوفان کے آنے سے پہلے کی خاموشی لگ رہی تھی۔۔

وہ کئی دنوں کی سوچ کو عملی جامہ پہناتے ہوئی آج لیزا کی پھپھو کے گھر آئی تھی۔ تین دفعہ کی بیل بجنے کے بعد اندر سے آواز آئی تھی۔۔

کون،، ممتاز بیگم نے دھیمی آواز میں پوچھا۔ آجکل ان کی خود کی طبیعت کچھ خراب ہی رہنے لگی تھی۔

میں اجالا ،، لویزا کی فرینڈ،، آنٹی، دروازہ کھولیں، اجالا نے کہا تو ممتاز بیگم نے بوجھل دل کے ساتھ دروازہ کھول دیا۔۔

السلام وعلیکم آنٹی،، کیسی ہیں آپ،، اجالا نے اندر آتے ایک اداس سی مسکان لیے ان سے پوچھا۔۔

میں ٹھیک، بیٹا کیسی ہو آپ؟ ممتاز بیگم نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔ وہ تو مسکرا بھی نا سکیں۔

میں بلکل ٹھیک، ظفر بھائی ٹھیک ہیں،، وہ باتیں کرتے کرتے چھوٹے سے ڈرائنگ روم میں آ گئیں تھیں۔

بس بیٹا،، ٹھیک ہی ہے،، لویزا کا بہت گہرا صدمہ لیا ہے پگلے نے،، مگر مرے ہوؤں کے ساتھ کب مرا جاتا ہے بیٹا،، بس اللہ میرے بھائی اور بھتیجی کی اگلی منزل آسان کرے اور انھیں جنت میں اعلی درجے پر فائز کرے،، بہت پہلے سے محبت کرتا تھا اپنی لیزا سے،، یہ ہمارے سامنے کچھ عرصے پہلے ہی میری سہیلی کوثر اور اس کی بیٹی کرائے پر آئے ہیں،، زمانے کی ستائی ہوئی بیوہ عورت ہے،شوہر کی پنشن سے گزر بسر کر رہی ہے، اور بچی انتہائی نیک اور سمجھدار، بچوں کو ٹیوشن اور قرآن پاک پڑھاتی ہے، اس کی آنکھوں میں پسندیدگی دیکھی ہے میں نے ظفر کے لئے،، کوثر کی اور میری خواہش پر میں نے اس سے بات کی،، مگر یہ تو بدک ہی گیا بات سن کر،، اور صاف انکار کر دیا،، ممتاز بیگم سانس لینے کو رکیں،، لو مجھے دیکھو آج کتنے بعد کوئی دکھ سکھ سننے

والا ملا تو کب سے جلے دل کے پھپھولے پھوڑے جا رہی ہوں،، کچھ کھانے پینے کا تو پوچھا ہی نہیں میں نے بیٹی سے،،

اجالا صدمے سے گنگ منہ کھولے ان کی باتوں کو غور سے سنے گئی۔ اس کے سر پر سات آسمان گرے تھے ان کے منہ سے لویزا کی موت کی خبر سن کر،،

آنٹی یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ،، آپ سے کس نے کہا کہ لویزا کو کچھ ہو گیا،، اجالا کا سفید پڑتا چہرہ دیکھ ممتاز بیگم کی آنکھیں نم ہوئیں تھیں۔

میں جانتی ہوں بچی،، تمھارے لیے اس حقیقت کو قبول کرنا کتنا مشکل ہے،، تمھارے زہن میں اب تک یہی ہو گا لویزا گم ہو گئی،، یقین تو ہمیں بھی نہیں آیا تھا انسپکٹر کی بات سن کر کہ ایک ایکسیڈنٹ میں لیزا نہیں رہی ،،مگر اس کی چیزیں دیکھ یقین کرنا پڑا،، ہونی کو کون ٹال سکتا ہے بیٹا،، انھوں نے اپنے آنسو صاف کیے۔ میں تمھارے لیے کچھ لاتی ہوں۔

نن،، نہیں آنٹی میں چلتی ہوں،، پھر آؤں گی،، اجالا کو سانس لینے میں بھی دشواری ہو رہی تھی۔ وہاں بیٹھتی کیا خاک۔

ممتاز بیگم نے اس کی حالت کو سمجھتے اسے جانے دیا۔

وہ چھپاک سے آ کر گاڑی میں بیٹھی تھی۔ گھر چلیں انکل،، ڈرائیور کو کہا اور خود اپنا سر پکڑ لیا۔

رانا میر ہادی کس حد تک گیا تھا لویزا کو پانے کے لئے، یہ اسے آج اندازہ ہوا۔ یقیناً یہ سب کیا دھرا اسی کا تھا۔ اس نے بری طرح دانت کچکچائے۔ اب بس یہی دعا کی جا سکتی تھی کہ لویزا کی یاداشت کبھی واپس نا آئے ۔ نہیں تو وہ کیا قیامت لائے گی رانا میر ہادی اس بات سے انجان ہی تھا۔۔

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

لویزا پاگلوں کی طرح ایک جنگل میں اس آواز کے پیچھے بھاگ رہی تھی۔

بابا،، رک جائیں ناں پلیز،، وہ پھوٹ پھوٹ کر روتی چلائی

لویزا،، واپس جاؤ،، وہ غصیلے لہجے میں کہتے پل بھر کو رکے تھے۔

نہیں بابا،، مجھے آپ کے ساتھ جانا ہے،، مجھے نہیں جانا کہیں بھی،، وہ بے تحاشا روتی پھر ان کے پیچھے لپکی۔

نہیں،، تم میرے ساتھ نہیں جا سکتیں، سمجھنے کی کوشش کرو،، ان کے لہجے میں بے بسی تھی۔۔

تو ٹھیک ہے آپ میرے ساتھ چلیں،، گھر چلیں بابا،، وہ کرلائی اور ان سے لپٹنے کی کوشش کرنے لگی۔

نہیں ،، بلکل نہیں واپس جاؤ گڑیا،، میں نے کہا واپس جاؤ،، انھوننے اپنا ہاتھ چھڑایا اور ان سبزا زاروں میں گم ہو گئے،، مگر وہ پاگلوں کی طرح رو رو کر بھاگ کر انھیں ڈھونڈ رہی تھی۔

وہ میر لاج داخل ہوا تو فریدہ لاؤنج میں کام کر رہی تھی۔۔ وہ کہیں نہیں تھی۔

لویزا کہاں ہے،؟

اپنے کمرے میں ہیں چھوٹے سائیں،،

اوکے کھانا لگاؤ،، میں اسے لے کر آتا ہوں،،

میر ہادی کو اس وقت سے بار بار یہ بات شدت سے پریشان کر رہی تھی کہ وہ اپنے پاگل پن میں اپنی زندگی کو ناراض کر بیٹھا ہے--

تبھی پہلی فرصت میں اپنے روم کی جانب گیا تھا۔ مگر وہ وہاں نہیں تھی۔ اب پھر اس کا میٹر شارٹ ہوا تھا۔ تبھی اس روم کی جانب گیا جو وہ پہلے استعمال کر رہی تھی۔

مگر اندر سے لویزا کی چیخوں اور زور زور سے رونے کی آوازوں نے اس کی جان لبوں پر آئی تھی۔

لویزا،، وہ تڑپ کر اندر بیڈ تک آیا۔ وہ پسینے میں نہائی بیڈ پر شیٹ مٹھیوں میں دبوچے پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔

بابا،، بابا،، وہ چلائی۔

لویزا،، میر ہادی نے اس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر خود میں بھینچا تھا۔

(وہ جس کی نیند پوری نہیں ہو پائی تھی ناراض ہو کر آ کر لیٹی تو جلد ہی نیند کی وادیوں میں اتر گئی تھی۔ اور اب اس خواب کی وجہ سے وہ بے تحاشا کرب و اذیت محسوس کر رہی تھی جیسے کوئی بہت اپنا اسے چھوڑ کر دور چلا گیا ہو)

ادھر اس کے لبوں سے بابا سن کر رانا میر ہادی کے پیروں تلے سے زمین تک ہل چکی تھی۔۔

لویزا میری جان،،، ہادی نے اسے جھنجھوڑ ڈالا۔ وہ نیند سے پوری طرح بیدار ہوئی تھی۔ اور خود کو اس ظالم کی بانھوں میں پا کر جیسے اور بکھری تھی۔ تبھی اس سے لپٹ کر پھر آنسو بہانے لگی مگر وہ اسے زیادہ دیر رونے دیتا تب ناں۔

اپنے سینے سے اس کا چہرہ نکال کر وہ قیمتی موتی اپنے لبوں سے چنے تھے۔

لیزا میری جان ہوا کیا ہے،، بتاؤ مجھے،، وہ اب پریشان ہو چلا تھا اس کے آنسوؤں سے۔

پپ،،پتہ نہیں ہادی،، مجھے بھی نہیں پتا،، وہ سوں سوں کرتی بولی۔ وہ شاید میرے پاپا تھے،، مجھے چھوڑ کر جا رہے تھے،،

کون،؟ لیزا کس کی بات کر رہی ہو،، میر ہادی کی سانس اٹکی۔

وہ خواب تھا،، وہ میرے پاپا تھے شاید،، پر میں ان کو بابا بول رہی تھی خواب میں ، وہ مجھ سے دور جا رہے تھے ہادی،،

بھول جاؤ لیزا، خواب سمجھ کر بھول جاؤ،، ہادی نے یہ سن کر اسے سختی سے اپنے سینے میں بھینچا تھا۔۔

ہادی مجھے ان سے ملنا ہے،، وہ ناراض ہوں گے، پر میں ان کو منا لوں گی، بولوں گی کہ دیکھیں ہادی مجھ سے کس قدر محبت کرتے ہیں، میرا کتنا خیال رکھتے ہیں، اتنا کہ جتنا آپ بھی نہیں رکھ پائے،، تو وہ مان جائیں گے ناں ہادی، پلیزا مجھے گھر لے چلیں،،

نو لیزا،، بلکل نہیں،، ہادی کی اس کی یہ باتیں سن کر اس کی کمر پر گرفت مزید سخت ہوئی تھی۔

تمھاری جان پر میں بلکل بھی کوئی کمپرومائز نہیں کروں گا نو ہرگز نہیں،، بلکل نہیں،، ابھی سب کچھ بھول جاؤ، نکال دو اب دماغ سے سب ، بس مجھے یاد رکھو،،

رانا میر ہادی کا بس نہیں چل رہا تھا اس کے خوابوں کو بھی اپنے تابع کر لے۔

کافی دیر وہ اس کی کمر سہلاتا رہا۔ وہ ریلیکس ہوئی تو یاد آیا وہ جس کے سینے میں منہ دیئے دبکی بیٹھی ہے اس سے کتنی زیادہ والی ناراض ہے۔

تبھی مچل کر اس کے بازوؤں سے نکلی تھی اور اسے غصے سے گھورا۔ صبح والے حلیے میں، دوپٹے سے بے نیاز، کھلے کمر پر جھولتے بال،، اور سفید رنگت پر رونے کی وجہ سے گلابی ہوئی ناک، بھیگی پلکیں اور کپکپاتے لب،،، میر ہادی کی دل کی دنیا تہہ وبالا ہو چکی تھی۔

میں تو آپ سے ناراض ہوں،، بچوں کی طرح منہ بنا کر کہہ کر فورا کمفرٹر میں واپس منہ دے لیا تھا۔

مگر پاؤں باہر ہی تھے۔ وہ اس کے بے حد قریب چلا آیا۔

"یو نو واٹ ایلو جان،، تمھاری یہ ناراضگی تمہیں کتنی بھاری پڑ سکتی ہے،؟ اور جس انداز میں منایا میں نے شاید تمھیں وہ اس وقت پسند نا آلے،، بھاری بوجھل گھمبیرتا سے بھرا لہجہ لویزا کے رونگٹے کھڑے ہوئے۔ مگر ڈھیٹ بنی رہی۔ تبھی وہ اس کے پاؤں کی جانب جھکا تھا۔

ہادی ڈونٹ ٹچ می، میں منہ توڑ دوں گی آپ کا،، اس کے چھونے پر لویزا نے اپنا پاؤں جھٹکا۔

آئی سوئیر لیزا،، اب اگر ہلیں تو ابھی کہ ابھی حشر بگاڑ دوں گا،،پھر گلہ مت کرنا میری جان،، میر ہادی نے لاپروائی سے کہا تو وہ سانس بھی روک گئی ۔ ہادی نے اس کے پاؤں میں ایک انتہائی خوبصورت اور نفیس وائٹ گولڈ کی چھوٹی سی پائل پہنائی تھی۔ جس کے سرے پر بس ایک ہی چھوٹا سا گھنگھرو تھا۔ وہ پائل پہنا چکا۔ مگر نگاہ ابھی بھی گداز سرخ و سفید پاؤں پر ہی تھی۔

جب اس نے جھک کر عقیدت سے اس کے پاؤں پر اپنے لب رکھے ۔

لویزا وہ نرم لمس اپنے پاؤں پر محسوس کر کے تڑپ کر اٹھی تھی۔

یہ کیا،؟ کر کیا رہے ہیں آپ؟ پاگل ہو گئے ہیں،؟ لویزا نے اس کا بازو پکڑ کر اس کا رخ اپنی جانب کیا تب محسوس ہوا اب میر ہادی کی آنکھوں میں نمی اتری ہے۔

کیا ہوا آپ کو؟ وہ جو گھٹنوں کے بل بیڈ پر بیٹھا تھا لویزا اس کے سامنے آئی تھی۔۔ اس کا چہرہ ہاتھوں کے پیالوں میں بھرا۔

میری صبح والی بات سے ابھی تک اپ سیٹ ہیں آپ،، اور اب بھی میں نے ڈرا دیا آپ کو،، آئم سوری، آپ ہرٹ ہوئے، میرا وہ مطلب نہیں تھا،

وہ اسے بچوں کی طرح بہلا رہی تھی اور اب میر ہادی کی آنکھوں سے بہتا پانی صاف کر رہی تھی۔ وہ جو خود اسے چپ کروا رہا تھا۔اس کے سامنے کھل کر اپنے دل کا حال اپنے دل کا ڈر بھی بیان نہیں کر سکتا تھا اور ابھی ابھی جو اس کے خواب کی وجہ سے وہ ڈرا تھا۔ اندازہ بھی نہیں تھا کہ ایسا کچھ بھی ہوگا۔

لویزا نے جھجھکتے مگر نرمی سے اس کی آنکھوں پر باری باری اپنے لب رکھے۔ پھر ماتھا چوما تھا۔ وہ آنکھیں بند کر کہ اس کی محبت محسوس کیے گیا۔

وہ پیچھے ہٹنے لگی تھی جب ہادی نے تڑپ کر اس کی کمر کے گرد اپنے بازو حمائل کیے۔

لیزا،، اور پیار کرو مجھے،، اس کی انوکھی فرمائش پر لویزا کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"جانتی ہو ہادی کی جان، میرے ہر دکھ، ڈر، غم وغصے اور وحشت کا علاج تمہاری محبت اور پیار ہے،، وہ اس کی آنکھوں میں جھانک کر بولا تو لویزا نے جھجھکتے ہوئے اس کی گالوں پر اپنے لب رکھے۔

اور ،، ہادی کو روح تک سکون مل رہا تھا۔ لویزا نے اس کی ستواں سی ناک پر اپنے لب رکھے۔ اور پیچھے ہٹنے لگی۔

اور،،،،،، مگر اس کی دسترس سے خلاصی ممکن نہیں تھی۔

ہادی وقت دیکھا ہے آپ نے،،

پیار وقت دیکھ کر نہیں آتا،، لہجہ اطمینان بھرا تھا۔

بھوک وقت دیکھ کر آتی ہے،، مجھے بھوک لگی ہے،، وہ جھنجھلائی۔

اور مجھے شدید قسم کی پیاس لگی ہے،، گرفت سخت ہوئی۔ ہادی نے اس کی چن کو چوما تھا۔

ہادی بہت بے شرم ہیں آپ،،؟ وہ مچلی۔

اب پتا چلا ہے میری جان کو،،؟ اطمینان قابلِ دید تھا۔

ہادی میں،،، بولتی بند کی گئی تھی۔ گرفت میں شدت اور جنون تھا۔ اور یہ وہی جنون تھا جس کے سامنے ہمیشہ وہ خود کو بے بس پاتی تھی۔ اور ہر دفعہ اس کی منمانیوں پر خود کو اس کے سپرد کر دیتی تھی۔

اس کی سانسوں کی خوشبو کو اپنے اندر اتارتے ہوئے وہ اپنی تمام وحشت اور ڈر اب بھلا شکا تھا۔ اس کی قربت میں ڈوب کر دنیا بھول جانا چاہتا تھا۔

دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی تو وہ نرمی سے پیچھے ہٹا۔ وہ بے حال سی ہو کر اس کے کندھے پر گری تھی۔

یس کون،، ہادی نے کھا جانے والی نگاہوں سے دروازے کی جانب دیکھا۔

چھوٹے،،، میرا مطلب ہے سر،، کھانا لگا دیا ہے،، ٹھنڈا ہو رہا ہے،، کھانا کھا لیں،، دروازے کے پیچھے سے فریدہ بول کر رفو چکر ہو چکی تھی مبادا چھوٹے سائیں باہر نکل کر سر ہی نا پھاڑ دیں۔

ہادی نے مسکرا کر اسے اپنے سامنے کیا۔ چلو ایلو جان،، ابھی تمھاری بھوک کا علاج کرتے ہیں، بعد میں میری پیاس کی باری آئے گی،، رائٹ،، ہادی نے تصدیق چاہی۔ اور نرمی سے اسے اپنی پناہوں سے نکل جانے دیا۔

جی بلکل اور بعد میں ،میں آپ کو گنے کا جوس پلاؤں گی،، جس سے آپ کی یہ پیاس تو بجھے گی،، وہ چڑ کر بولتی اب چپل پہن رہی تھی۔ میر ہادی قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔

نو مجھے شوگر کین نہیں ایلوویرا چاہیے، اس کے لئے کریزی ہوں میں،، لہجے میں بے حد شرارت تھی۔

ہادی کوئی حال نہیں آپ کا، اس نے سر پکڑا۔

ابھی تو فی الحال تم یہ بول سکتی ہو، ہادی کوئی بال نہیں آپ کا،، دونوں باہر آئے۔

بال مینگ،،؟ لویزا نا سمجھی سے بولی۔

بال مین بچہ،، وہ سکون سے بولا تو لویزا نے فریدہ سے چھپ کے اس کی کمر میں ایک دھموکہ ضرور رسید کیا تھا۔

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

بختاور کافی دنوں کے بعد اپنے میکے رہنے آئی تھی۔ فرحین نے کھلے دل سے اپنی بیٹی کا سواگت کیا تھا۔

مگر وہ دیکھ رہی تھی کہ گھر والوں کا اور خاص کر اس کی ماں کا رویہ ثمرہ سے بلکل بھی مناسب نہیں ہے۔

میر ہادی کی خود غرضی نے ان کو اور ان کے مقام کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا تھا۔ اور یہی تو ہوتا ہے وٹہ سٹہ کا نتیجہ کہ ایک جانب کی پارٹی دکھی ہو تو دوسری جانب کی کو خواہ مخواہ ہی زلیل کر دیا جاتا ہے۔

ابھی ابھی فرحین نے چھوٹی سی بات پر ثمرہ کو بری طرح جھڑک دیا تھا۔ وہ اپنے دونوں بچوں سمیت روتی ہوئی اپنے کمرے میں بند ہو چکی تھی۔

وہ تو اس کا بھائی مرجان تھا جو ثمرہ پر جان چھڑکتا تھا نہیں تو ابھی تک ثمرہ بچوں سمیت میکے بیٹھی ہوتی اور میری ہادی کی جان پر نیا وبال آ جاتا۔

جس سکون کی تلاش میں یہاں آئی تو وہ ملنا تو دور کی بات الٹا مزید پریشان ہی ہوئی تھی کچھ ابھی ابھی ایک شخص کی یہاں موجودگی کا پتہ چلا تھا تو جی بھر کر بدمزہ ہوئی تھی۔

اسے اب یہاں سے بھی بھاگنا تھا سو جلدی سے لاؤنج سے اپنے روم کی جانب بھاگی۔

روم میں آ کر سکھ کا سانس لیا تھا۔

مجھ سے بھاگ رہی ہو،، وہ سامنے ہی بڑی شانِ بے نیازی اور ڈھٹائی سے صوفے پر براجمان تھا۔ اس کی اتنی جرات اور ہمت پر بختاور کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں تھیں۔

کیوں آپ جن ہیں جو کھا جائیں گے مجھے، کیوں ڈروں گی میں آپ سے،، ہمیشہ کی طرح وہ غرائی اور ہمیشہ کی طرح ہی اپنا غم وغصہ سامنے بیٹھے ڈھیٹ شخص پر نکالنا چاہا۔

وہ جو بغور اسے دیکھ رہا تھا اس کے اجڑے بکھرے حلیے کو دیکھ غم وغصے سے پاگل ہوا تھا۔

اپنی حالت دیکھی ہے بخت،،؟

اور آپ نے اپنی جرات دیکھی ہے افراسیاب،، وہ دانت پیس کر بولی۔ آپ کی ہمت بھی کیسے ہوئی میرے کمرے میں آنے کی،،

جیسے میر ہادی کی ہمت ہوئی تمھاری زندگی سے جانے کی،، وہ یونہی تو تھا تاک کر وار کرنے والا تبھی تو بختاور اس سے بھاگتی تھی۔ اب بھی اس کے کیے وار سے بختاور دھواں دھواں چہرہ لیے اس کے سامنے کھڑی بری طرح مٹھیاں بھینچ رہی تھی اور اپنے لب کاٹ رہی تھی۔

تم جانتی ہو بخت، بتیس کا ہو چلا ہوں اب تک شادی کیوں نہیں کی،،؟ اب اس کا لہجہ یوں دوستانہ تھا جیسے ہمیشہ کی طرح ہوا کرتا تھا۔ مگر وہ جانتا تھا پتھر سے سر پھوڑ رہا ہے--

مجھے نہیں جاننا،، وہ پھنکاری۔

میر ہادی نے تمھیں برباد کر دیا،، چچ،، چچ، چچ، افراسیاب نے چٹخارا بھرا ۔ کاش وہ اس کا اتنا قریبی بچپن کا دوست نا ہوتا تو وہ اس کا سر ہی پھاڑ دیتی۔

میری محبت نے مجھے برباد کیا،، وہ نڈھال سی بیڈ پر آ کر بیٹھ کر روئی تھی۔ ضبط کی طنابیں ٹوٹ چکیں تھیں۔ اور اس بندے کے سامنے رونے میں کوئی حرج تھا۔

نہیں،، تمھاری ضد نے تمھیں برباد کیا،، افراسیاب نے اطمینان سے کہا۔

تم میری محبت کو ضد کا نام کیوں دیتے ہو،، وہ چڑ کر روتی ہوئی بولی تھی۔

کیونکہ میر ہادی صرف تمھاری انا کی ضد تھا،، عشق ہوتا تو اس کے پورے خاندان کے سامنے کیے گئے انکار پر تم پیچھے ہٹ جاتیں، اب تمھیں اپنی بھابھی کی حالت پر رحم آ رہا ہے، اس وقت تو انھی کو بلیک میل کیا تھا تم نے اسے پانے کو،، نہیں،، ؟ اب وہ بھی دانت پیس کر بولا تھا۔

اس کو یہی تو بیماری تھی سچ بولنے کی ۔ جس سے بختاور بھاگتی تھی۔

جس سے محبت ہو ،اسے آزاد چھوڑ دو، لوٹ آئے تو وہ تمھارا،، افراسیاب نے اس گہری نگاہ سے دیکھتے کہا۔

اونھہہ،، اور اس فارمولے نے تمھیں کتنا فائدہ پہنچایا افراسیاب،، وہ بھی اسے دیکھ تاک کر وار کر گئی۔

ایک دم نرا بکواس ہے یہ فارمولہ، ایویں ای دل کو بہلانے کو غالب یہ خیال اچھا ہے،، وہ پھیکی سی ہنسی ہنس کر بولا۔

وہ کبھی لوٹے گا افراسیاب،، وہ لب کاٹتی پوچھتی پھر سامنے والا کا دل اپنے پیر تلے کچل گئی۔

اور تم کبھی لوٹو گی بخت؟

وہ زندگی ہے میری،،

وہ سراب ہے تمھاری زندگی کا، وہم اور دھوکہ جس سے تم اپنی زندگی برباد کر رہی ہو،، افراسیاب نے اسے پھر سمجھانا چاہا۔

میں کیا کروں؟ وہ بے تحاشا رو دی۔

میرا جواب شاید تمہیں پسند نا آئے،، وہ اٹھ کر پانی لایا تھا۔ تبھی فرحین کمرے میں داخل ہوئیں تھیں۔ جنھیں دیکھ بختاور نے جلدی سے اپنے آنسو پونچھے۔ اور افراسیاب سے گلاس لے کر ایک ہی سانس میں سارا پانی پی لیا۔ ان کی رگیں پھر تن گئیں تھیں۔ وہ تو کبھی اس شادی کے حق میں تھیں ہی نہیں۔

پلیز تائی امی،، کسی کا غصہ کسی معصوم پر مت نکالیں،، وہ جو ان کا بھی لاڈلہ تھا اس نے مبہم سے الفاظ میں انھیں کہا تو فرحین خاموش سی ہو گئیں۔

کب آئے تھے امریکہ سے،، وہ جان بوجھ کر ٹاپک چینج کر گئیں۔

ارادہ تو تھا کہ اب کبھی نہیں لوٹوں ، مطلب جاب جو تھی ، مگر پھر پتہ چلا کہ ایک قریبی دوست کو ضرورت ہے کسی کی تو جاب چھوڑ کر چلا آیا،، اس نے پھر گہری نگاہوں سے اس کانچ کی گڑیا کا ستا چہرہ دیکھا۔

مطلب اب یہیں رہو گے،، میرے بچے میں بہت خوش ہوں،، فرحین نے اس کا ماتھا چوما۔

ہاں پر کچھ لوگ بلکل نہیں ہیں میرے آنے سے خوش، آئینہ لے کر گھومتا ہوں نا ہر وقت اپنے ساتھ،، شاید اسی لیے،، وہ پھر ایک طنز کا تیر برسا گیا۔

بختاور جھٹکے سے اٹھی تھی۔

کدھر؟ فرحین نے پوچھا۔

مما بھابھی کو دیکھنے جا رہی ہوں،، بچے بھی بھوکے تھے۔ وہ کہہ کر چلی گئی مگر دیر تک اپنی پیٹھ پر ان نگاہوں کی تپش محسوس ہوئی جن سے وہ بچپن سے بیر باندھ کر بیٹھی تھی۔

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

میر ہادی گہری مسکان لیے میر لاج کے لان میں داخل ہوا تھا۔ جہاں وہ بلکل سامنے میکس سے کھیلنے میں مصروف تھی۔ جو اب اچھا خاصا بڑا ہو چکا تھا۔ اور لویزا سے بے تحاشا اٹیچ تھا وہ جب تک دکھائی نا دیتی میکس کھانا نہیں کھاتا تھا۔

آج تین ماہ گزر چکے تھے۔میر ہادی کو اس پری پیکر کی سنگت و قربت میں یہ دن ،یہ پل، یہ لمحے کیسے گزر گئے پتہ ہی نا چلا۔ اس کی زندگی انتہائی حسین ہو گئی تھی۔ دونوں نے اپنی محبت و الفت کے زریعے اپنی زندگی کا ہر لمحہ یاد گار بنا دیا تھا۔۔

لویزا اس کی قربت میں بے تحاشا خوش تھی۔ مگر کبھی کبھی اپنے خوابوں کی وجہ سے اور اس کی یاداشت واپس کیوں نہیں آ پا رہے اس وجہ سے اداس بھی ہو جاتی مگر میر ہادی اسے بہلا ہی لیا کرتا تھا۔

آج بہت خاص دن تھا۔ اب جبکہ اجالا کے پیپر ہو چکے تھے اور عالی نے اپنا بزنس سیٹ کر لیا تھا۔ اپنا الگ گھر لے کر وی بھی سیٹنگ کر لی تھی تو اجالا کی رخصتی اور ریسیپشن ہونا تھا۔ موسم کافی بدل کر مرطوب ہو چکا تھا ۔ اور اچھی خاصی گرمی ہو چکی تھی سو فنکشن لیٹ ایوننگ کا تھا۔ اور اب کافی وقت ہو چلا تھا اور انھیں ابھی تیار بھی ہونا تھا۔

وہ لان میں داخل ہوا تو اس کے ہاتھ میں ایک پیکٹ تھا۔ وہ اسے دیکھ کر مسکرائی۔ میکس اب ہادی کے پاؤں میں لوٹنے لگا تھا۔

ارے آپ آ گئے، ؟ اور یہ آپ کے ہاتھ میں کیا ہے،؟

سرپرائز ہے ایلو میری جان، وہ مسکرا کر بولا۔ اب تو اس کی عادت بن چکی تھی اسے روز سرپرائز دینے کی اور لویزا کو روز کچھ نا کچھ گفٹ وصول کرنے کی۔

یقینا فنکشن کے لئے کچھ ہوگا،،

جان گئی ہو مجھے ایلو،، وہ سر دھنتا بولا۔

ابھی بھی نا جانتی،، لویزا نے گردن اکڑا کر کہا۔

ہمم، رائٹ تو چلو بتاؤ، اب میرے دماغ میں کیا چل رہا ہے، وہ اسے گہری نگاہوں کے حصار میں لیتے شرارت سے بولا۔

آپ کے دماغ میں عاشقی پارٹ تھری چل رہی ہے،، وہ برا سا منہ بنا کر بولی تو میر ہادی کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

ڈیٹس گریٹ ایلو،، پھر تو یہ بھی جان گئی ہو گی کہ آج رات کے لئے میں کیا سوچ رہا ہوں،، وہ پھر سے بے حد شرارت سے بولا تو لویزا کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

چلیں،،،،،، تیار بھی ہونا ہے بے شرم کہیں کے،، وہ چلیں کو کھینچتی اس کا بازو پکڑ کر بولی تھی۔

وہ دونوں اندر آئے۔ میر ہادی فریش ہونے واش روم چلا گیا۔ لویزا نے پیکٹ کھول کر دیکھا تو اس میں پنک اور فیروزی کلر کمبینیشن کا ایک بے حد خوبصورت ڈریس تھا۔ گھٹنوں تک پنک فراک کے اوپر فیروزی اپر، نیچے جینز کی فیروزی ٹائٹس، اور پنک اور فیروزی سکارف،،

وہ مسکراتی الماری کی جانب میچنگ جیولری دیکھنے بڑھی۔

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

وہ دونوں حال میں داخل ہوئے تو کئی نگاہیں ان کی جانب اٹھی تھیں۔ لویزا نے ہادی کا بازو تھام رکھا تھا۔ اور میر ہادی نے دوسرا ہاتھ پینٹ کی پاکٹ میں ڈال رکھا تھا۔ وہ مسکراتے سٹیج تک آئے تھے جہاں سٹیج پر عالی میرون شیروانی میں بہت خوبرو لگ رہا تھا

اور اجالا میرون اور اورنج کلر کمبینشن کے برائیڈل لہنگے میں بے حد خوبصورت لگ رہی تھی۔

اجالا نے اسے دیکھا جو پنک اور فیروزی پری بنی حلقے میک اپ کے ساتھ غضب ڈھا رہی تھی اور اب تو گھنے چمکدار براؤن بال کمر کے نیچے تک جھول رہے تھے۔

اجالا نے ہاتھ آگے بڑھایا تو وہ آ کر اس کے پہلو میں بیٹھ گئی

اور ہادی عالی کے پاس بیٹھ گیا۔

ہادی نے کن اکھیوں سے اجالا کی جانب دیکھا جس نے جانے کیوں پھر تین ماہ سے اس سے سیدھے منہ بات نہیں کی تھی۔ ایسا بھی کیا ہو گیا تھا۔ اس کی سمجھ سے تو بالا تر تھا ۔

فوزیہ بیگم نے لویزا کو کسی کام سے بلایا تھا تب ہادی نے اجالا کو مخاطب کیا تھا۔

اب آپ کی کیا ناراضگی ہے بھابھی مجھ سے جو پھر کافی عرصے سے آپ نے سیدھے منہ بات نہیں کی مجھ سے؟ زرا واضح کریں گی تاکہ میں اپنی غلطی کی معافی بھی مانگ سکوں،، ہادی نے اپنی الجھن دور کرنا چاہی۔

واقعی بجا فرمایا آپ نے رانا میر ہادی، معافی غلطی کی ہوتی ہے، جان بوجھ کر کیے گناہوں کی نہیں،، اور لویزا کو پانے کے لئے آپ کیا کیا گناہ کر چکے ہیں، وہ آپ خود بہتر اور اچھی طرح جانتے ہیں، مجھے بتانے کی ضرورت نہیں،، اجالا نے سنجیدگی سے کہا تو میر ہادی نے پہلو بدلا۔

میں نے کیا کیا؟ وہ بھی سنجیدگی سے بولا۔

کیا کیا،،؟ ویری گڈ،، شاید آپ بھول گئے، مگر چلیں اب پوچھ ہی رہے ہیں تو چند مثالیں دے ہی دیتی ہوں، آپ نے ظفر بھائی اور ان کی مدد کو پولیس کے زریعے یہ تاثر دیا کہ لویزا نہیں رہی،،

وہ دانت پیس کر بولی تو ہادی کے چہرے کا رنگ اڑا تھا جبکہ عالی شاکڈ سا ہادی کو دیکھے گیا۔

آپ نے اس کی میڈیسنز چینج کر دیں، تاکہ اس کی یاداشت کبھی واپس ہی نا آئے، اب وہ میڈیسنز کے نام پہ صرف وٹامنز پلز لے رہی ہے،، دیکھا ہے میں نے، اور اس بات پر پریشان اور اداس ہو جاتی ہے کہ میڈیسنز لینے کے باوجود اس کی یاداشت واپس کیوں نہیں آ رہی، ایم آئی رائٹ، وڈیرا جی،،

اجالا کا آنکھیں نم ہو چکیں تھیں جبکہ میر ہادی کی رگیں تن چکی تھیں، اور عالی، عالی تو شاکڈ سٹیٹ سے باہر ہی نہیں آ پایا تھا۔

آپ اچھی طرح جانتی ہیں، یہ میں نے کیوں اور کس لئے لیا، اگر اس کے رشتے دار اس سے ملتے تو شاید اس کو پرانی باتیں یاد آتیں اور اس وقت وہ مزید صدمے برداشت کرنے کی کنڈیشن میں ہرگز نہیں تھی، اور رہی بات میڈیسنز کی تو ہاں ہوں میں سیلفش، کیونکہ وہ اور اس کی محبت میری لائف لائن ہے، میں ایک پل بھی اس کے بغیر نہیں جینا چاہتا، جانتا ہوں اس کی یادیں ہمیں برباد کر دیں گی، تو جو یادِ ماضی عذاب ہو وہ حافظہ چھن جانا ہی بہتر ہے،، آپ کو پتا ہے میں کس قدر اذیت محسوس کرتا ہوں کبھی کبھی، ہر پل ہر لمحہ یہ دھڑکا لگا رہتا ہے کہ کہیں اسے سب یاد نا آ جائے، اور،،، اس سے آگے تو سوچ بھی نہیں پاتا،،

رانا میر ہادی کے لفظ لفظ میں ایک کرب درد اور اذیت تھی۔

آنکھیں تو اس کی بھی لال انگارا اور نم ہو چکیں تھیں۔

یہ موضوع چل نکلا تو دھڑکتے دل کے دھڑکے پھر سر اٹھانے لگے تھے۔ تبھی وہ پھر سٹیج پر آئی تھی۔ اور ان کو اتنا سنجیدہ دیکھ حیرت زدہ رہ گئی۔

کیا ہوا، یہ سب کے منہ پر بارہ کیوں بج گئے،، وہ ہادی کی جانب متوجہ ہوئی تو اس کی سرخ آنکھیں دیکھ حیران ہوئی تھی۔

ہادی کیا ہوا ہے آپ کو ؟

کچھ نہیں، بس تم ادھر میرے پاس آ کر بیٹھو،، میر ہادی نے اس کا ہاتھ تھام کر اجالا کی جانب دیکھتے اسے اپنے پہلو میں بٹھایا تھا۔۔

اجالا نے لویزا کو مسکرا کر دکھایا تھا کہ وہ بلکل ٹھیک ہے۔۔

تب دودھ پلائی کی رسم لویزا نے ادا کی تھی وہ خوب چہچہاتی رہی۔ میر ہادی دلہے کا دوست بنا اسے دوبدو جواب دے رہا تھا۔

"مجھے تو پچاس ہزار ہی چاہیئں تو مطلب چاہیئں، کنجوسو اب کر دوں پاکٹس ہلکی،، وہ تنگ آ کر بولی تو سب قہقہہ لگا کر ہنس پڑے تھے۔

پچاس ہزار کے بدلے پھر کچھ اور بھی اسپیشل چاہیے ہوگا مجھے آپ سے، دلہے کی سالی صاحبہ،، میر ہادی نے اس کے کان میں سرگوشی کی تو وہ بوکھلا ہی گئی۔

مگر اس کی یہ گوہر افشانی وہاں موجود سب لوگ سن چکے تھے۔ تبھی زور دار قسم کی ہوٹنگ ہوئی تھی وہ اٹھ کر شرم سے دہری ہوتی واک آؤٹ کرنے والی تھی جب میر ہادی نے شرافت سے اسے نوٹ نکال کر دیئے تھے۔

اسی ہلے گلے میں کھانا کھایا گیا۔

رخصتی کے وقت اجالا خوب سارا روئی تھی کیونکہ اب اسے اپنی نئی زندگی شروع کرنے اپنے نئے گھر جانا تھا۔

♥♥♥♥♥♥♥♥♥♥♥♥♥♥♥♥

Urdu Novels Ghar

میر ہادی ہی انھیں ان کے نیو گھر تک گاڑی ڈرائیو کر کے چھوڑنے آیا تھا۔ موسم کافی خراب ہو گیا تھا اچانک آندھی طوفان آنے کا اندیشہ تھا۔

لویزا کو افضل گھر واپس لے گیا تھا۔

گاڑی پورچ میں رکی تو ہادی نے اتر کر اجالا کی جانب کا دروازہ کھولا۔

اجالا نے اس کی جانب دیکھا "میں دعا کروں گی کہ اب اس کی یاداشت کبھی واپس نا آئے اور وہ آپ کے ساتھ یونہی بے تحاشا خوش رہے،،

بددعائیں بھی تو میرا پیچھا یونہی کرتی ہوں گی،، وہ پھیکی سی ہنسی ہنس کر بولا۔

نہیں آپ کی غلط فہمی ہے یہ،، آپ کی ذات اس سے جڑی ہے جو مجھے بہت عزیز ہے،، اسی لئے میں نے کبھی آپ کو کوئی بددعا نہیں دی،الٹا دعائیں مانگتی ہوں کہ آپ لوگ ہمیشہ خوش رہیں، اجالا نے اسے نروٹھے پن سے گھورا تو اب کی بار وہ کھل کر مسکرایا اور اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔

خوش رہو،،

وہ جانے لگا جب عالی نے اسے پکارا۔

کچھ دیر رک جاؤ،، موسم دیکھو کتنا خراب ہو رہا ہے، عالی کے شوشے پر میر ہادی نے آئیبرو اچکا کر اس کی جانب دیکھا جیسے کہنا چاہتا ہو"مطلب رئیلی،،

کیسے جاؤ گے یار،، عالی جھنجھلایا تبھی باہر کیب رکنے کی آواز آئی۔

میر ہای کندھے اچکاتا مسکراتا باہر جا چکا تھا۔ وہ بھی دونوں ہنستے اندر کی جانب بڑھے تھے۔

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

وہ گھر واپس آیا تو اچھی خاصی طوفانی بارش شروع ہو چکی تھی۔ کیب سے اتر کر اندر تک آتے آتے وہ اچھا خاصا بھیگ چکا تھا۔

Ssshhhhhiiiiiittttttt,,,,,

میر ہادی جھنجھلایا۔ لاؤنج سے گزر کر اپنے روم تک آیا۔ روم میں مسکراتا داخل ہوا تو مسکراہٹ پل بھر میں غائب ہوئی تھی۔ کیونکہ روم خالی تھا۔

افففف بولا بھی تھا کہ میرے آنے تک چینج مت کرنا، اس نے ڈریسنگ کے دروازے کو ناراضگی سے گھورا۔ اور اپنا بھیگا کوٹ اور شرٹ اتاری۔

پانچ منٹ ، دس منٹ، وہ بھنا کر ڈریسنگ کی جانب بڑھا مگر وہ بھی خالی تھا دوڑ کر واش روم تک گیا مگر وہ بھی خالی۔ میر ہادی کا سر چکرایا تھا۔

لیزااااااااا،،،،، اس نے زور سے پکارا۔ ایک طوفان گھر کے باہر تھا اور ایک اب میر ہادی کے دل میں اٹھ چکا تھا۔ بھاگ کر باہر لاؤنج میں آیا تھا۔ ہلکے ہلکے اس کی دی گئی پائل کے گھنگھرو کی آواز باہر پچھلے لان سے آئی۔

وہ جو اتنے دن سے بارش کے لئے مچل رہی تھی آج میر ہادی کی غیر موجودگی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے موسلا دھار بارش میں بھیگنے کا شوق پورا کر رہی تھی۔ اوپر سے دوپہر سے شدید قسم کے حبس سے گھبراہٹ سی ہو رہی تھی سو جب بارش شروع ہوئی تو وہ چپکے سے پچھلے لان میں نکل آئی تھی۔۔

میر ہادی پچھلی جانب کا دروازہ کھول کر باہر برآمدے میں آیا تھا۔ میکس برآمدے کی ہی اوٹ میں کھڑا ہو کر بھونک کر اپنی خفگی ظاہر کر رہا تھا اور دم ہلا ہلا کر اسے اندر آنے

کا بول رہا تھا مگر وہ تو کسی اور ہی دنیا کی سیر کو نکلی ہوئی تھی۔ ہاتھ پھیلا کر برآمدے کی جانب پیٹھ کیے آنکھیں بند کر آسمان کی جانب چہرہ اٹھائے کھڑی تھی۔ سکارف سے بے نیاز، لباس گیلا ہو کر بدن سے چپکا ہوا تھا۔ گیلے بال کمر پر چپکے ہوئے ہوا سے لہرا رہے تھے اور اب وہ ٹھنڈ سے کپکپا بھی رہی تھی۔

میر ہادی کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ ہوئی وہ دبے قدموں برآمدے سے اتر کر اس کی جانب بڑھا۔

نو میکس،، جتنا مرضی بولو، میں اندر نہیں آؤں گی ، تم نے باہر آنا ہے تو آجاؤ،، میکس پل بھر کو خاموش ہوا تھا۔

ہادی اب اس کی پشت کے قریب کھڑا تھا۔اب پیچھے جانی پہچانی آہٹ پا کر لویزا کے رونگٹے کھڑے ہوئے تھے اور جان تو تب نکلی جب اس کے دہکتے ہاتھ کمر کے گرد لپٹتے محسوس ہوئے۔

"اس گستاخی کا مطلب،، کان میں سرسراتی سرگوشی نے لویزا کی سانس اٹکائی تھی۔

ایک جھٹکے سے لویزا کی کمر اس کے دہکتے سینے سے ٹکرائی تھی۔

پچھلی گردن پر جب اس کے سفر کرتے اور بارش کی بوندے چننتے ہونٹ محسوس ہوئے تو لویزا نے زور سے آنکھیں بند کی تھیں۔

(اب تو میکس بھی ان دونوں کو دیکھ سکون سے ایک سائیڈ ہو کر بیٹھ گیا جیسے جانتا ہو کہ اب فکر کی کوئی بات نہیں)

میر ہادی نے جھٹکے سے اس کا رخ اپنی جانب موڑا تھا۔ کمر پر گرفت مضبوط تھی۔ لویزا نے اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھے۔ وہ ٹھنڈ سے لرزنے لگی تھی۔

میر ہادی کی نگاہیں بھٹک رہیں تھیں اور لویزا کے لئے زندگی کا سب سے مشکل کام اب اس کی لپکتی آنکھوں میں دیکھنا اور ان میں لکھے پیام کو سمجھنا تھا۔

کیوں بھیگ رہی ہو بیمار ہو گئی تو،،

وہ ہا،،، ہادی،، گگ،، گرمی لگ رہی تھی تو،، اس کا دل کیا کہیں چھپ جائے جا کر۔ کمر سہلاتے اس کے ہاتھ اسے تپش پہنچا رہے تھے۔

اور اب کانپ کیوں رہی ہو،، سنجیدگی سے سوال پوچھا گیا۔ سیدھے ہاتھ کی شہادت کی انگلی نے ماتھے سے گردن تک کا سفر طے کیا تو لویزا کی جان ہوا ہوئی۔

اب سسس،، سردی لگ رہا ہے،، وہ روہانسی ہوئی۔

مگر مجھے تو بارش کے قطرے نہیں پیٹرول کے چھینٹے محسوس ہو رہے ہیں جنھیں آگ دکھائی گئی ہو،، بہکا سا لہجہ تھا میر ہادی کا اس کی گردن سے گیلے بال پیچھے کر پھر بارش کے قطرے اپنے لبوں سے چنے۔

ہادی مم،، مجھے اندر جانا ہے،، وہ رونے والی ہوئی۔

یو نو واٹ،، ایلو جان، ایک طوفان تو اپنے وجود پر جھیل چکی ہو مگر اب سامنے کھڑے اس طوفان کو جھیلنا ہے تمھیں،،

نو،، وہ جھلائی اور اسے پیچھے ہٹانا چاہا،

یس،، وہ مدہوش ہوا۔

اس طوفان کو کس نے دعوت دی کے باہر آئیں،، وہ جھنجھلائی۔

تم خود الجھی ہو،، اب جھیلنا تو پڑے گا میری جان،،اس عشق نے جو میرے سینے میں آگ بھڑکائی ہوئی ہے وہ میں آج تمھارے وجود میں منتقل کر دوں گا،،دھیمے بھاری گھمبیر لہجے میں کہتے اس کے کندھوں سے اپر سرکائی۔

ہوا کا ایک یخ بستہ جھونکا جسم سے ٹکرایا تو لویزا مزید اس کے سینے میں سمائی۔

میر ہادی نے اس کے چہرے کہ ایک ایک نقش کو چوما۔

ہادی،، وہ، وہ دیکھ رہا ہے،، لویزا کی جان فنا ہوئی تھی۔

کون،، ہادی چونکا۔

مم،، میکس،، وہ بے حال ہوئی۔ میر ہادی اس کی اس بے تکی بات پر مسکرایا۔ جانتا جو تھا وہ اس کا دھیان بھٹکانے کو چھوٹی سی سٹوپڈ سی کوشش کر رہی ہے۔

کچھ بول تو نہیں رہا نا، اسے بھی معلوم ہے کہ پاکیزہ بندھن میں بندھے محبت کرنے والے دو پیاسے دل مل رہے ہیں،، یہاں تو نور برس رہا ہے، اسے کیا اعتراض ہوگا،،

ملاوٹ ہے تیرے عشق میں عطر و شراب سی
کبھی مہک جاتا ہوں،،،،، کبھی بہک جاتا ہوں

اس کے کانپتے نیلے پڑتے ہونٹوں پر نگاہ اٹھی تو میر ہادی مچل ہی گیا۔ نگاہیں تو بار بار بھٹک رہی تھی بہک رہی تھی ۔ اس کے بالوں میں انگلیاں پھنسا کر چہرہ اوپر اٹھایا تھا۔ محبت کا جام شدت سے پینے لگا۔ پہلے بھی اس کے پیار میں جنون اور دیوانگی ہوتی تھی

مگر آج تو بارش نے جیسے بے چین دلوں میں آگ ہی بھڑکا دی تھی۔ تبھی لویزا کے نازک لب پر کٹ آیا تو وہ مچل ہی گئی۔

میر ہادی نرمی سے پیچھے ہٹا تھا۔

ہادی،، وہ گہری سانس بھرتی بس اتنا ہی بول پائی۔

آئی لو یو سو مچ لیزا،، لویزا کا مہکتا بھیگا وجود بانہوں میں بھرا۔ اس کے تیور دیکھ آج لویزا کی جان لبوں پر آئی تھی گھبرا کر اس کی گردن میں منہ دیا۔

وہ اسے لئے اندر کی جانب بڑھا تھا۔ اندر آ کر اس نیچے اتارا۔

ہادی،،

یس ،،ہادی کی جان،، میر ہادی نے اسے خود میں سمیٹا۔

آپ بب،،، بہت پاگل ہیں ،، اس کی کمر کے گرد بازو حمائل کر کے اس کے کسرتی چوڑے سینے میں منہ دیا۔

تم نے ہی کیا ہے، میری جان اب مجھ سے گلا کیسا،، وہ بھی گھمبیر لہجے میں بولتا اس کی قربت میں ڈوب گیا۔

بھیگی سی اس مہکتی برستی رات میں میر ہادی نے اس کے وجود پر آج پھر اپنے جنون کی داستان لکھی تھی۔

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

وہ بس ارادہ ہی کرتی رہ گئی مگر وہ میر حویلی جو اسے کاٹنے کو دوڑتی تھی۔ چاہ کر بھی یہاں سے واپس میر حویلی نہیں جا پائی تھی۔

دل پر ایک وحشت سی طاری تھی۔

اب بھی رات کا گہرا سناٹا طاری تھا۔ بس آسمان گرج چمک کر آج برسا تھا۔ اور ایسا برسا تھا کہ اپنے ساتھ بختاور کو بھی پگھلا کر برسا ڈالا تھا۔

تمام۔جزبات، احساسات، انگڑائی لے کر بیدار ہوئے تو نارسائی کا دکھ، بے وفائی کا عذاب، خالی پن کا روح کو چھلنی کرتا کرب آج وہ شمار کرنے بیٹھی تو پتا چلا اس کے دامن کے حصے میں تو خساروں کے علاوہ کچھ بھی نہیں تھا۔

پہلے تو کھڑکی سے باہر دیکھتی رہے۔ مگر حلق میں پھندا سا لگ کر جب سانس لینا بھی دوبھر ہو گیا تو بالکونی کا دروازہ کھول کر باہر بالکونی میں چلی آئی۔ بارش کی تیز ایک ہی بوچھاڑ نے اسے بھگو دیا تھا۔ وہیں فرش پر بیٹھ کر گھٹنوں میں منہ دیئے اپنے قیمتی موتی اس بے مہر کے لئے رائیگاں کرتی رہی تھی۔

جب یوں محسوس ہوا کہ کسی کی گہری نگاہوں کے حصار میں ہے۔ چونک کر سر اٹھایا تو وہ سامنے ہی بالکونی کی ریلنگ پر ہاتھ باندھے کھڑا اسے ہی بغور دیکھ رہا تھا۔

وہ واپس گھٹنوں میں منہ دے گئی اور دوبارہ رونے کے شغل فرمانے لگی۔

وہ دھیمے سے چلتا اس کے قریب آ کر بیٹھا۔

میری بربادی کا تماشہ دیکھنے آئے ہو،، وہ بھیگی آواز میں پھنکاری۔

فی الحال تو اپنی بربادی کا تماشہ دیکھ رہا ہوں،، افراسیاب سنجیدگی سے بولا۔

دفع ہو جاؤ، وہ غرائی۔

کاش ہو سکتا،، ٹھنڈی آہ بھری گئی۔

مجھے میرے حال پر چھوڑ دو،، جلے دل سے وہ کرلائی۔

ابھی تک تمھیں تمھارے حال پر ہی چھوڑ کر دیکھا تھا ۔ کیا ہوا؟ ہو گئی نا بے حال، اب نہیں چھوڑنے والا،، وہ مبہم سا اپنے ارداے بتانے لگا۔

مر جاؤ افراسیاب،، وہ پھنکاری

اسی دن مر گیا تھا جس دن تم نے مجھے چھوڑ کر اس کا انتخاب کیا،، وہ پھر شکوہ کر بیٹھا۔

مشورہ تو مانگا تھا کمینے انسان،، وہ دانت پیس کر غرائی۔

اونھھہ،، اچھا ہوا نہیں دیا، دیکھو نتیجہ توقع کے برخلاف نکلا ہے،، تو اب تم سارا الزام میرے مشورے کے سر لگا دیتی،، وہ اطمینان سے بولا۔

مجھے منع کر دیتے،، بختاور نے شکوہ کیا۔

کیا تھا،، بھول گئیں،، جواب شکوہ آیا۔

تھپڑ لگا دیتے،، مشورہ دیا گیا۔

اب لگاؤں شاید ہوش آ جائے،، وہ دانتوں تلے لب دبا کر بولا۔

دونوں بھیگ رہے تھے مگر یہاں پرواہ کسے تھی۔ اس کی بات پر بختاور کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

تم تھپڑ مارو گے مجھے،، وہ پوچھ بیٹھی۔

موقع تو دیتی، کبھی گلاب کی پنکھڑی سے بھی تکلیف نا پہنچنے دیتا، کانٹے تو دور کی بات ہے،، وہ دھیمے گھمبیر لہجے میں بولا تو بختاور پھر موم بن کر پگھلی۔

اس کے کندھے پر سر ٹکا کر پھوٹ پھوٹ کر روئی تھی۔

پھر تو ،،،،، تمھیں مجھ پر،،،، ترس آتا ہوگا،،،،،، کہ میں نے،،،، اپنا دامن،،،،، کانٹوں سے ،،،، بھر لیا،، وہ رونے کے دوران اٹک اٹک کر بولی۔

افراسیاب نے اس کے ٹھنڈے یخ بستہ ہاتھ پر اپنا پر تپش ہاتھ رکھا۔

نہیں ترس نہیں آتا اب بھی پیار ہی آتا ہے،، وہ سکون سے بولا مگر ادھر بختاور کے پیروں نیچے سے زمین ضرور کھینچی تھی اب اسے اپنی بے اختیاری کا بھی احساس ہو چلا تھا تبھی جھٹکے سے اٹھ کر خود کو کمرے میں بند کیا تھا۔ اور پھر بے تحاشا رو دی تھی۔

وہ ڈھیٹ بنا وہیں بیٹھا رہا تھا۔

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

نام ہونٹوں پہ ترا آئے تو راحت سی ملے

تو تسلی،،،، ہے دلاسہ ہے،، دعا ہے کیا ہے

وہ گھوم پھر کر اپنا نیا گھر دیکھ رہی تھی۔ اور عالی اسے دیکھ دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔ باہر طوفانی بارش تھی۔ اور مسز اجالا عالیان کو دنیا میں اگر کوئی چیز ڈرا سکتی تھی تو یہی طوفانی کڑکتی گرجتی بجلی کی آواز، ہی تھی۔

یہ کیا،؟ یہ طوفان بھی آج ہی آنا تھا،، وہ دلہن بنی پور پور اس کے لئے سجی لاؤنج کے صوفے پر گرنے والے انداز میں اس کے سامنے بیٹھی۔

ہاں کیونکہ یہ طوفان جو آج آنا تھا میری لائف میں،، عالی بے حد شرارت سے کہتا اس کی جانب اشارہ کر گیا۔

واٹ عالی،، بہت بدتمیز ہیں آپ،، میں بلکل بات نہیں کروں گی آپ سے،، وہ کشن اس کی جانب پھینکتی چلائی۔

ایزیو وش،، کیونکہ آج میرا زیادہ بات کرنے کا موڈ ہے بھی نہیں، وہ بہکے سے لہجے میں کہتا اٹھ کر اس کے قریب آکر بیٹھا تو اجالا اس کا اٹیٹیوڈ دیکھ کر گھبرائی۔

عالی باز آئیں،، وہ جھلائی۔

مجھے سنائی دیا، عالی پاس آئیں،، اس کی کمر کے گرد بازو حائل کیا۔

آپ مجھے ڈرا رہے ہیں،، وہ گھبرائی۔

اور تم مجھے بہکا رہی ہو،، خمار آلود لہجہ تھا۔ گال پر محبت کی مہر ثبت کی۔ تو اجالا کے ہوش اڑ گئے۔۔

مجھے چیلنج کرنا ہے، وہ اٹھی۔ عالی گہرا مسکرایا۔ کیونکہ اگلے پل میں جانتا تھا کیا ہونے والا ہے۔ تبھی بجلی زور دار طریقہ سے کڑکی تھی۔ کہ اس نے انھیں پیروں واپس آ کر اس کے سینے میں پناہ لی تھی۔ وہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑا تو اجالا نے اس کے سینے پر مکے برسائے۔

مزاق اڑا رہے ہیں میرا،، وہ رونی شکل بنا کر بولی۔

نو، پلان بنا رہا ہوں کہ تمہیں اپنی محبت کے شکنجے میں کس طرح پھانسوں،، وہ اس کی پتلی ہوئی حالت سے مظوظ ہو کر بولا۔۔

اجالا ہنوز اس کی گود میں براجمان تھی۔

"اب اٹھو بھی میری گود گھس جائے گی پھر اپنے بچے کیسے پالوں گا،، عالی کے شوشے پر وہ خجل سی ہوتی اٹھنے لگی جب ایک مرتبہ پھر وہ بجلی کی زور دار کڑک کی آواز پر اس کے سینے میں منہ دے گئی--

گلے لپٹے ہیں وہ بجلی کے ڈر سے

الہی یہ گھٹا دو دن،،،،،،،، تو برسا

وہ اس کے گرد بانہوں کا مضبوط گھیرا تنگ کرتا گھمبیر سرگوشی میں اس کے بالوں میں منہ دیئے بولا تو اجالا کی روح فنا ہوئی--

عالی پلیز،، میرے ساتھ روم میں چلیں،، وہ روہانسی ہوئی۔

دیکھ لو خود پھولوں کی سیج پر بلا رہی ہو اس معصوم سے بچے کو،، وہ کھڑا ہوتا آنکھیں پٹپٹاتا اسے بازوؤں میں بھرتے بولا۔

جی جی بلکل،، آپ کی معصومیت تو لاہور کی سڑکوں پر بہہ رہی ہے،، وہ خفیف سا طنز کر گئی۔

مگر جونہی عالی نے روم میں قدم رکھا وہ روم کا اتنا فسوں خیز ماحول دیکھ بری طرح گھبرائی تھی۔ چلتی زبان کو بریک لگی۔۔

عالی آج اپنے پٹاخے کا یہ گھبراہٹ بھرا روپ دیکھ بار بار محظوظ ہو رہا تھا۔

اندر لا کر اسے بیڈ پر اتارا۔۔ وہ خود میں سمٹی،، عالی کی جانب سے رونمائی میں اسے ایک پینڈنٹ گفٹ دیا گیا۔ جسے دیکھ وہ بچوں کی طرح خوش ہو رہی تھی جب عالی نے اسے خود میں سمیٹا۔

وہ بوکھلائی مگر آج اس کی آہنی گرفت سے نکل پانا ناممکن تھا۔

وہ جو فجر کی نماز ادا کر کے سویا تھا فون کی مسلسل چنگھاڑتی بیل سے میر ہادی اپنی نیند سے دن کے گیارہ بجے جھنجھلا کر بیدار ہوا تھا۔۔

کچھ اپنے پہلو میں دیکھا تو خالی بیڈ منہ چڑھا رہا تھا۔ اس کی اپنے پاس غیر موجودگی محسوس کر کے وہ ہمیشہ کی طرح بری طرح کوفت میں مبتلا ہوا تھا۔

ایلو،میری جان ،،،با آواز بلند اسے جھنجھلا کر پکارا۔۔ تبھی فون پھر چنگھاڑ اٹھا۔

اففف کیا مصیبت ہے،، نمبر دیکھا تو چونکا دادا سائیں کا تھا، اس نے فون یس کر کے ائیر پوٹس کان میں لگایا۔۔

جی دادا سائیں،، اپنی شرٹ اٹھا کر پہنتے مصروف سا انداز تھا۔

"پنچائیت میں ایک بڑا فیصلہ کرنا ہے اور زمینوں کو لے ایک بہت بڑا مسئلہ ہو گیا فورا حویلی پہنچو،، لہجہ تحکم بھرا تھا۔ آج اس دن کی بات کے بعد بلکہ اتنے دنوں کی ناراضگی کے بعد انہوں نے خود سے فون کیا تھا لہجہ میں پہلے کی طرح مان بھری دھونس تھی ۔ انکار کی کوئی گنجائش تھی ہی نہیں۔۔

"جی دادا سائیں پہنچ جاؤں گا تین بجے تک،، دل پر پتھر رکھ کر کہا۔ جبکہ اس سے دور جانے کا تصور بھی سوہانِ روح ہی تھا۔۔

ہمم ٹھیک پہنچ جانا میں شام پانچ بجے کا وقت دے رہا ہوں پنجو کو،،

ٹھیک ہے دے دیں،، پہنچ جاؤں گا،، وہ سنجیدگی سے بولا۔۔ فون بند ہو گیا۔۔ اب اس کی متلاشی نگاہیں اس دشمن جاں کو ڈھونڈ رہی تھیں۔۔

وہ بالوں میں ہاتھ پھیرتا اٹھا۔ روم، لاؤنج کچن وہ کہیں نہیں تھی۔۔ البتہ باہر سے میکس کے بھونکنے کی غیر معمولی آواز سے وہ سمجھ گیا کہ میڈم لان میں ہے۔۔

لیزا کی آنکھ ہادی سے کافی دیر پہلے کھلی تھی۔ وہ مغرور سا شہزاد گہری نیند میں تھا۔۔ وہ اس کے تیکھے اور مغرور سے نقش کو بے اختیاری میں دیکھے گئ۔ اپنی قسمت پر رشک آتا تھا جو اس قدر محبت کرنے والا خوبرو مرد اس کی قسمت میں لکھ دیا گیا۔ رات کی اس کی کار گزارکاں یاد آئیں تو کانوں تک پھر سرخ ہو گئ۔

کیوں نا ناشتہ بنایا جائے۔ بالوں کا جوڑا بناتی وہ بستر سے اٹھی۔ بڑے دنوں سے طبیعت بوجھل سی تھی۔ اب بھی اٹھی تو بہت بری طرح سر چکرایا مگر وہ ہمیشہ کی طرح اگنور کرتی باہر نکلی اور کچن میں جانے سے پہلے لان میں گئ۔۔ میکس اسی کی انتظار میں تھا۔ اسے دیکھ انتہائی محبت سے دم ہلانے لگا۔ لویزا نے اسے ڈوگ فوڈ دیا۔

وہ کچن میں آئی ۔ ناشتے کے لئے سامان نکالا تو دیکھا کچن میں چائے کی پتی نہیں ہے چونکہ تمام راشن اوپر سٹور روم میں رکھا جاتا تھا سو وہ خود ہی لاج کے اوپر ڈبل سٹوری پر بنے سٹور روم آئی تھی۔ میکس بھی اس کے پیچھے پیچھے چلا آیا۔ ابھی اس نے سٹور روم میں قدم ہی رکھا تھا جب آنکھوں کے آگے اندھیرا چھایا اور وہ چکرا کر نیچے گرتی چلی گئی۔ چند پل لگے تھے اسے ہوش و خرد سے بیگانہ ہو کر بے سدھ ہوتے۔ میکس اس کے پاؤں میں لوٹنے لگا۔ پھر بری طرح بھونکنے لگا جیسے اسے اٹھانا چاہتا ہو۔ پھر اس کا سکارف کھینچا۔ جب وہ نہیں اٹھی تو نیچے بھاگا تھا۔

میر ہادی لان میں آیا تو سامنے ہی میکس اوپر کی جانب دیکھ کر بری طرح بول رہا تھا۔ لان میں بھی وہ کہیں نہیں دکھائی دی تو ہادی اب سچ میں پریشان ہوا تھا۔ پھر میکس کے قریب آیا۔

میکس اس کا ٹراؤزر اپنے منہ میں دبوچ کر کھینچنے لگا۔ میر ہادی کو کچھ غیر معمولی لگا تو میکس کے پیچھے کھنچتا چلا آیا۔ اب وہ پچھلی جانب بنی اوپر کی سیڑھیوں کی طرف اشارہ کر کہ بری طرح بھونک رہا تھا۔

ہیے واٹ ہیپنڈ ٹو یو میکس پریشان مت کرو، تمھاری مالکن ہی بہت ہے یہ کام سرانجام دینے کے لئے،، ہادی جھلایا ۔ لیزا شاید سٹڈی میں اسے تنگ کرنے چھپی ہو اور میکس اسے جانے کیوں تنگ کر رہا تھا۔ وہ واپس جانے لگا۔ جب میکس کے بھونکنے میں شدت آئی۔ اور وہ اوپر بھاگ گیا۔

ابھی ہادی چند قدم ہی آگے گیا تھا جب میکس اس کے پھر پاؤں میں آیا مگر اب کی بار اس کے منہ میں لیزا کا سکارف تھا۔

پھر چند پل لگے تھے اسے میکس کا اشارہ سمجھتے۔وہ واپس مڑ کر دو دو تین تین سیڑھیاں اکھٹی پھلانگتا اوپر کی جانب بھاگا۔

لیزا،،، وہ دھاڑا اب میکس سٹور روم کی جانب گیا تو وہ تیزی سے اس کے پیچھے آیا تھا۔

اگلا منظر دیکھ میر ہادی کی جان لبوں پر آئی تھی۔

لیزا،، میری جان،، وہ پاگل بنا اس کے پاس گھٹنوں کے پل بیٹھا تھا جو زمین پر بے سدھ پڑی تھی۔

لیزا،، اس کا سر اپنی گود میں رکھ چہرہ آہستگی سے تھپتھپایا۔

جان لبوں پر آنا کسے بولتے ہیں میر ہادی کو آج پتا چلا۔ ہادی نے اسے بازوؤں میں بھرا اور نیچے آیا۔

افضل،،،،،، اس کی دھاڑ پورے لان میں گونجی تھی۔

جب افضل گھبرایا ہوا سا سامنے آیا ''جی چھوٹے سائیں،،

''کسی ڈاکٹر کو لاؤ فوراً،، ہادی نے بے چینی سے کہا تو افضل انھیں قدموں واپس چلا گیا۔

روم میں لاکر اسے نرمی سے بیڈ پر لٹایا۔ میکس بھی اس کے پیچھے ہی روم میں آیا تھا۔ ہادی نے لویزا کی نبض چیک کی جو کہ بلکل نارمل تھی۔۔ میر ہادی نے پاس پڑے جگ میں سے پانی لے کر اسے کے چہرے پر چھینٹے مارے وہ کسمسائی اور ہوش میں تو آ گئی تھی مگر ابھی بھی سر بری طرح چکرایا کہ اس نے اپنے سر پر ہاتھ رکھ لیے تھے۔۔ کیونکہ معاملہ رانا میر ہادی کا تھا تو اگلے دس منٹ میں ڈاکٹر ثمینہ اس کے روم میں کھڑی تھیں۔۔

آپ پلیز، باہر تشریف لے جائیں، میں تفصیلی چیک اپ کر لوں،، ڈاکٹر نے اس کی اڑی رنگت دیکھتے کہا تو میر ہادی میکس کو لئے باہر آ گیا۔۔

دس منٹ بعد ڈاکٹر مسکراتی باہر آئیں تھیں۔ میر ہادی کو حیرت ہوئی۔

کیا ہوا اسے ڈاکٹر،، سب ٹھیک تو ہے ناں؟ اس نے سنجیدگی سے پوچھا۔

یس،، ایکچوئلی شی از پریگننٹ،، مسکراتے ہوئے ڈاکٹر کہتیں اسے زندگی کی سب سے بڑی خوشخبری سنا گئیں تھیں۔ " میں نے ڈیٹیلز پوچھیں ہیں آئی تھنک ٹو منتھ پریگننٹ ہیں آپ کی مسز، بٹ بہت ہی ویک ہیں اور مجھے خون کی بھی بہت کمی لگ رہی ہے آپ پہلی فرصت میں کلینک لائیے گا انھیں،،

شیور ڈاکٹر،، میر ہادی سے تو بولا بھی نہیں جا رہا تھا اس کے پیچھے کھڑے افضل کا چہرہ بھی خوشی سے تمتمایا تھا۔ بات ہی ایسی تھی کہ ان کا خوش ہونا بنتا تھا۔

میر ہادی کے اشارہ کرنے پر افضل ڈاکٹر کو چھوڑنے گیا تھا۔

وہ لبوں پر بہت گہری مسکان لیے اندر آیا تو وہ آنکھوں پر بازو رکھے لال ٹماٹر چہرہ لیے لیٹی آئی تھی۔ ہادی اس کے شرمانے کے اس انداز پر پھر نہال ہوا۔

میر ہادی اس کے قریب آ کر نیم دراز ہوا تھا۔ وہ خود میں سمٹی۔

مبارک ہو مما ٹو بی،، ہادی کی سرگوشی نے اس کے چہرے پر لہو چھلکایا تھا۔ وہ اس سے چھپنے کو کروٹ بدلنے لگی مگر ہادی نے اس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر اسے اپنے سینے پر گرایا۔

تھینکس میری جان،، نہیں جانتی تم نے مجھے کس قدر بڑی خوشخبری سے نوازا ہے،،

ایک بہت بڑا بوجھ میرے سر سے اتار دیا،،

میر ہادی کا دماغ الگ سے تانے بانے بننے لگا تھا۔ کہ اب قدرت نے اس پر مہربان ہو کر اس کے ہاتھ حویلی والوں کی سب سے بڑی کمزوری لگا دی تھی۔ اب وہ یقیناً لویزا کو اس سے الگ کرنے کے لئے ایک نہیں ہزار بار سوچیں گے۔

"کیسا بوجھ ہادی،، لویزا پوچھ بیٹھی۔

"کچھ نہیں ، سٹور روم میں کیا کرنے گئیں تھیں،، اس کا دھیان بھٹکانے کو کافی دیر سے دماغ میں مچلتا سوال پوچھا۔

"ناشتہ بنانے لگی تھی تو چائے کی پتی ختم ہو گئی تھی وہ لینے گئی تھی،، اس نے معصومیت سے کہا تو ہادی مسکرایا۔

"فریدہ کدھر مر گئی تھی،،

"ایسے مت بولیں اس کے بے بی کی طبیعت خراب تھی تو میں نے خود اسے چھٹی دی تھی،،

ڈرا دیا مجھے مسز،، وہ اس کی کمر پر گرفت مضبوط کرتا بولا "جانتی ہو کتنا پریشان ہو گیا تھا،، ڈاکٹر نے کہا تم بہت ویک ہو، اپنا خیال نہیں رکھتی ناں،، بہت پریشان کرتی ہو،،

آپ بھی تو مجھے اتنا پریشان کرتے ہیں،، وہ منہ بنا کر بولی اس الزام پر وہ پھر مسکرایا۔

کب،، میں نے کب پریشان کیا تمھیں،، ہادی نے اس کا اشارہ سمجھتے ہوئے بھی نا سمجھی کا مظاہرہ کیا اور انجان بن گیا۔

ہووووو،، لویزا کو صدمہ لگا۔ ابھی جو کل بارش میں بھیگنے کے بعد اتنا پریشان کیا وہ،،؟ وہ پھر معصومیت سے بولی تو ہادی قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔ اب اس کی شرارت سمجھتے لویزا نے خجالت اور ناراضگی سے اس کے سینے میں منہ دے لیا۔۔

تو بندہ بھیگ کر گستاخیاں کرتے ہوئے خود ہی دعوتِ نظارا اور دعوتِ عشق دے تو بندہ بشر ہوں کیوں نا سیر ہو کر دعوت اڑاؤں،، ہادی نے کہتے دانتوں تلے لب دبایا،،

لویزا نے اس کے سینے پر مکے برسائے۔ مگر وہ نرمی سے اس کی کلائیاں تھام کر اس کی کمر سے لگا چکا تھا۔ آہستگی سے کروٹ بدل کر اس پر حاوی ہوا۔ اپنے تشنہ لب اس کی آنکھوں پر رکھے۔

پھر چہرے کے ایک ایک نقش کو عقیدت سے چوما۔ لویزا اتھل پتھل ہوتی سانسوں کے دوران کسمسائی

چھوڑیں مجھے ناشتہ بنانے دیں،، وہ بمشکل ہی بول پائی۔ میر ہادی کی شدتیں ہمیشہ ہی اس شیرنی کو بھیگی بلی بنا دیتی تھیں۔

خبردار پاؤں زمین پر رکھا لیزا،، مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا،، اس نے وارن کیا۔ تبھی میکس اندر آیا تھا۔ اور لیزا کو سہی سلامت دیکھ کر دم ہلانے لگا۔

ہادی نرمی سے اس پر سے ہٹا اور اسے بھی اٹھا کر بٹھایا۔

ہادی نے تشکر اور محبت بھرے احساس سے اس بے زبان کو دیکھا جو زبان نا ہوتے ہوئے بھی آج اسے ناصرف سب سمجھا گیا تھا بلکہ بروقت اپنی مالکن کو بچا لیا تھا۔۔

جانتی ہو لیزا مجھے کیسے پتا چلا کہ تم سٹور روم میں بیہوش پڑی ہو،، ہادی کی بات پر لویزا چونکی واقعی وہ تو ادھر روم میں سو رہا تھا تو،،

ہادی نے اسے مکمل بات بتائی تو لویزا نے حیرت سے میکس کو دیکھا۔ پھر اشارہ کر کے اسے اپنے پاس بلایا تو وہ قریب آ کر اسے کے پیروں میں لوٹنے لگا۔

او میرا کیوٹ بے بی،، لویزا کو اس پر بے تحاشا پیار آیا۔

ہادی نے بھی اس کو سہلایا وہ اتنے میں ہی خوش ہو کر باہر بھاگ گیا۔

ہادی پھر اس کی جانب متوجہ ہوا تو لاشعوری طور پر بیڈ پر پیچھے کی جانب کھسک گئی۔۔

اس کے اس معصوم حفاظتی اقدام پر میر ہادی قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔

بریک فاسٹ کے بعد اس نے لویزا کو بتایا کہ وہ ضروری کام سے کہیں جا رہا ہے اور لیٹ نائٹ تک لوٹ آئے گا۔ نکاح کے بعد یہ فرسٹ ٹائم تھا جب وہ کہیں جا رہا تھا۔

لویزا نے اسے لاکھ تسلی دی کہ وہ چلا جائے وہ اپنا خیال خود رکھ سکتی ہے۔۔

مگر میر ہادی تو اب اسے اس حالت میں چھوڑ کر بلکل بھی کہیں نہیں جانا چاہتا تھا مگر ناچاہتے بھی اسے جانا پڑ رہا تھا۔

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

ایک انتہائی خفیہ فلیٹ میں بیٹھے رانا میر ہاشم نے اپنے سامنے بیٹھے ایک دیو ہیکل اور انتہائی بھیانک اور بھدی شکل والے آدمی کے سامنے بڑے نوٹوں کی کچھ گڈیاں اچھالیں۔

کام آج ہو جانا چاہیئے،، میر ہاشم کا سر سراتا لہجہ۔

اور آپ کا پوتا،، ؟

میں نے اپنے پوتے کو بہانے سے حویلی بلایا ہے اور کچھ بھی کر کہ آج رات اسے وہیں روک لوں گا،،

تاثر کیا ہونا چاہیے،،

یہی کہ ڈاکہ ڈالنے آئے تھے مزاحمت میں ماری گئی،، بچنی نہیں چاہیے وہ ،، میر ہاشم نے اطمینان سے کہا۔

مارنا ضروری ہے کیا،، وہ خباثت سے رال ٹپکاتا بولا۔

کیا مطلب ؟ کیا بکواس ہے،، تم جیسے کتے کے آگے ٹکڑے کیوں پھینکے ہیں تاکہ کام ہو جائے اور وہ ماری جائے،، میر ہاشم غصے سے پھنکارے۔

اگر اٹھا کر لے جاؤں اور اپنے پاس رکھ لوں، جب جی بھر جائے گا تو مار کر پھینک دوں گا،، وہ اطمینان سے اپنا غلاظت بھرا پلان بتانے لگا۔

اگر ایسا کیا تو تمھارے ٹکڑے ٹکڑے کر کے چیل کوؤں کو کھلا دوں گا،، میں بیشک اس کی جان لینا چاہتا ہوں، مگر میرے پوتے کی عزت ہے وہ، گندی نظر بھی ڈالی تو آنکھیں نکال لوں گا،، جاؤ اور مار دو اسے، ہاتھ لگانے کی گستاخی مت کرنا، نہیں تو پوری نسل اجاڑ دوں گا تمھاری،، سمجھے،، میر ہاشم دھاڑے تو وہ گھگھیا گیا۔

معاف کر دیں، میں تو ویسے ہی،، اور اگر آپ کے پوتے کو پتا چل گیا تو،،؟

پکڑے گئے تو سب سے پہلے تو تم مارے جاؤ گے،، وہ دانت پیس کر بولے۔

اچھا اچھا سمجھ گیا،، کام ہو مکمل کر کے مجھے اس ملک سے فرار ہونا ہے،، اس نے پہلی مرتبہ اپنے دماغ کا استعمال کیا تھا۔

میرے پوتے کے وفادار گارڈز اور ایک وفادار نوکر افضل ہوگا وہاں انھیں بس زخمی یا بے ہوش کرنا ہوگا،، ایک کتا بھی ہوگا، اسے بھی بے ہوش کر دینا،، میں اپنے آدمی ساتھ بھیجوں گا وہ تمھاری مدد کر دیں گے ان سب کو قابو کرنے میں، وہ انھے قابو کرنے کے بعد واپس چلے جائیں گے، مگر اندر بس تم ہی جاؤ گے،، سمجھے،،

جی جی سمجھ گیا،، وہ کہتا نوٹوں کی گڈیاں اٹھاتا یہ جا وہ جا۔

اونھھھہ بڈھا کہیں کا،، اگر اتنے امیر زادے نے رکھی ہوئی ہے تو جانے کتنی خوبصورت ہوگی،،لو بھئی رجب،، آج تو سہاگ رات منانے کی رات ہے،، وہ آنکھوں میں خباثت بھری چمک لیے اپنے مکروہ پلان بناتا وہاں سے نکلا تھا۔

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

میر ہادی واقعی تین بجے کے قریب حویلی پہنچ چکا تھا۔گاڑی سے باہر نکلا تو ادھر بخت کو چھوڑنے زمرد آیا تھا وہ بھی گاڑی سے نکلا تھا اور انتہائی طیش اشتعال اور نفرت سے رانا میر ہادی کو گھورا۔

وہ شروع دن سے اس سے خاص قسم کی پرخاش کھاتے ہوئے حسد و جلن کا شکار تھا۔ حالانکہ مہر ہادی سے چار سال چھوٹا تھا۔۔ہر وہ چیز جو اسے چاہیے تھی میر ہادی کا مقدر بن جاتی تھی۔

دولت

شہرت

عزت

کامیابی

زندگی کے ہر قدم پر ایسا ہوا تھا کہ ہر وہ چیز جو اسے چاہیے ہوتی تھی خود بخود میر ہادی کی قسمت کی لکیر بن جاتی تھی تو وہ کیوں نا پرخاش کھاتا اور اب تو اس کی وجہ سے اس کی بہن کی زندگی بھی برباد ہو چکی تھی تو اب تو کچھ خاص قسم کی نفرت محسوس ہوتی تھی اسے میر ہادی سے۔

اب بھی وہ طیش میں اس کے سامنے آیا تھا۔

تمھاری ہمت کیسے ہوئی میرا ہادی میری بہن کی زندگی کے ساتھ کھیلنے کی ،، وہ پھنکارا۔

یہ میرا اور تمھاری بہن کا آپس کا معاملہ ہے،، تمھیں وضاحت دینا ضروری نہیں سمجھتا،،

رانا میر ہادی کے اطمینان نے ہمیشہ کی طرح اسے آگ دکھائی۔

میں چھوڑوں گا نہیں،، جان سے مار ڈالونگا اس حرافہ،،،،

زمرد کے الفاظ منہ میں ہی رہ گئے تھے جب رانا میر ہادی کے کچھ کرنے سے پہلے ہی اسے بختاور کی جانب سے ایک زناٹے دار تھپڑ پڑا تھا۔ وہ ششدر سا اپنی بہن کو دیکھے گیا۔

تمھیں کس نے حق دیا زمرد کہ کسی بہن بیٹی کے لئے یہ گندے لفظ استعمال کرو،، یہ میرا اور ان کا معاملہ ہے، تم دور رہو اس سب سے، اور چھوٹے ہو چھوٹے بن کر رہو،،

میر ہادی اسے خونخوار نگاہوں سے گھورتا لمبے لمبے ڈگ بھرتا اندر جا چکا تھا۔

آپی آپ،،، زمرد جھنجھلایا۔

زمرد جاؤ حویلی واپس جاؤ،، بختاور نے اسے جھڑکا تو وہ پیر پٹختا وہاں سے نکلتا چلا گیا۔

میر ہادی بگڑے ہوئے تیور لیے اندر آیا تھا۔ اپنی کنپٹیاں سہلا کر اس نے خود کو ریلیکس کرنے کی کوشش کی۔ پھر بختاور ہی اندر آئی تھی اور اسے باتوں میں الجھاتے کافی دی۔ تب تک وہ مکمل طور پر اپنا غصہ بھول چکا تھا۔

ادھر ادھر دیکھا تو کوئی بھی نہیں تھا۔

اماں اور امی سائیں کدھر ہیں،، اس نے پوچھا تو بختاور مسکرائی۔

آپ کے آنے کا سن کر دونوں اماں سائیں کے کمرے میں بند ہو گئی ہیں،،

کیوں،، اسے حیرت ہوئی۔

ناراض جو ہیں آپ سے،، بختاور نے کہا تو اس نے سرد سی آہ بھری اور اٹھا ''میں مل کر آتا ہوں،، وہ کہتا اماں سائیں کے کمرے کی جانب آیا۔ ہلکی فستک دے کر اندر داخل ہوا تو ساس بہو منہ پھلائے مسہری پر براجمان تھیں۔ وہ مسکرایا۔ اور آگے بڑھ کر زبردستی دونوں کے منہ چومے۔۔

آ گئی تین ماہ کے بعد ماں اور بوڑھی دادی کی یاد،، بیوی کے پلو سے نکلنے کو دل کر گیا چھوٹے سائیں کا،، اماں سائیں نے خفیف سا طنز کیا تو وہ واقعی شرمندہ ہوا۔ کیونکہ اس عرصے میں وہ واقعی ان سے ملنے نہیں آیا تھا۔

معاف کیجیے گا اماں سائیں کچھ مصروف تھا،، وہ ان کے سامنے کاٹ پر بیٹھا۔

تم نے اچھا نہیں کیا میر ہادی،،، بختاور کے ساتھ نا انصافی ہوئی ہے،، ممتاز بیگم نے پہلو بدلتے کہا۔

میں نے اس سے اجازت لی تھی امی سائیں،، وہ سکون سے بولا۔

چھوڑ دو اسے میر ہادی،، ہم اسے کبھی اپنی بہو تسلیم نہیں کریں گے،، اماں سائیں نے کہا تو اس نے کھڑکی کے پار دیکھا۔

وہ میرے بچے کی ماں بننے والی ہے،، (میر ہادی نے کہا تو دونوں ساس بہو کو سانپ سونگھ گیا تھا مگر چہرے ضرور خوشی سے تمتماتے دہک اٹھے تھے۔) لیکن اگر آپ لوگ کہتے ہیں تو میں اسے چھوڑ دیتا ہوں،، وہ سنجیدگی سے بولا جانتا جو تھا یہ خبر سن کر کون کمبخت اسے ایسے مشورے دے گا بلکہ وہ تو اسے حویلی لانے کو تڑپ جائیں گی۔ ہوا بھی

یہی، ممتاز بیگم کچھ کہنے لگیں جب اماں سائیں نے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ وہ بھی پوتے کا داؤ سمجھ گئیں تھیں اسی لیے بولیں۔

ابھی تو طلاق ہوگی نہیں تو جب بچہ پیدا ہو جائے گا بچے کو ہم بختاور کی گود میں ڈال دیں گے،، پھر چھوڑ دینا اسے،، وہ سکون سے بولیں مگر میر ہادی کا دھواں دھواں ہو کر سفید پڑتا چہرہ دیکھ کر ضرور مسکرائیں تھیں۔

کیوں میں کسی مظلوم کی آہیں بددعائیں اپنے سر کیوں لوں،، ایک تو میں اسے چھوڑوں اوپر سے اس کے جینے کا آخری سہارا بھی چھین لوں، کبھی نہیں اسے چھوڑا تو بچہ بھی اسی کو ملے گا،، سمجھے آپ لوگ،، وہ بھی رانا میر ہادی تھا دانت پیس کر بولا مگر ان کو اب مسکراتے دیکھ انھیں نروٹھے پن سے گھورا۔

وہ جھٹکے سے اٹھ کر جانے لگا جب اماں سائیں کی بات نے اس کے قدم وہیں منجمد کیے تھے۔

اپنے دادا اور بابا کو خود بتانا جیسے ہمیں بتایا،، ہم نہیں بتائیں گے،،

(وہ جانتی تھی ان میں سخت قسم کی ناراضگی چل رہی ہے اسی مدعے کو لے کر ، اور اگر میر ہادی انھیں خود سے یہ بتائے گا تو یہ ناراضگی دور ہو سکتی تھی)

سہی،، بس ایک لفظی جواب تھا نا ہاں تھی نا ناں۔

کب لا رہے ہو اسے حویلی،، ان کی بات پر میر ہادی کو سکون ملا تھا جانتا تھا ایسا ہی کچھ ہونے والا ہے۔

ابھی کچھ وقت لگے گا،، وہ کہتا رکا نہیں تھا وہاں سے نکلتا چلا گیا۔

اور پھر پنچائیت اور زمینوں کے بکھیڑوں میں ایسا الجھا کہ گئے رات تک بھی اس کی جان نہیں چھوٹی تھی۔ میر ہاشم نے اسے کسی نا کسی کام میں الجھا کر ہی رکھا۔ پھر اماں اور امی سائیں کے اصرار پر وہ حویلی رک گیا

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

وہ اس کا انتظار کرتی رہی تھی مگر اس کے میسج کرنے پر کہ وہ آج رات نہیں آ پائے گا پریشان تو ہوئی مگر پھر خود کو تسلی دے کر لیٹ گئی۔

ادھی رات کا وقت تھا، حیرت انگیز طور پر میر لاج اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا جب غیر معمولی سے شور پر لویزا کی آنکھ کھلی تھی۔ وہ اٹھ کر بیٹھی۔ اور آہستگی سے دبے قدموں باہر آئی۔

وہ شیطان صفت سانڈ پچھلی جانب سے کچن میں گھس چکا تھا۔ ہاتھ میں ایک بوتل تھی۔ جو کہ شاید شراب کی تھی۔ اور دوسرے ہاتھ میں ایک بڑا تیز دھار خنجر

واہ واہ واہ آج تو شراب اور شباب دونوں سے لطف اٹھانا ہے مزا ہی آ جائے گا،، وہ بوتل منہ سے لگاتا بڑبڑایا۔

باہر وہ جو لاؤنج تک آئی تھی کچن میں اس شیطان کی موجودگی دیکھ اور اس کی مکروہ عزائم جان کر خوف سے لٹھے کی طرح سفید پڑ چکی تھی بے اختیار ہاتھ اپنے پیٹ پر رکھا تھا---

ادھر وہ شیطان ملگجے اندھیرے میں اسے شاید دیکھ چکا تھا تبھی اس کی جانب لپکا اور وہ جو خوف سے سفید پڑ چکی تھی قدم جیسے وہیں منجمد ہو چکے تھے۔۔۔

میر ہادی بیڈ پر لیٹا بے چین سا تھا۔ رات گہری تھی تقریباً دس بجے کا وقت تھا اور اس دشمنِ جاں کے بغیر نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ بختاور اچھی طرح اس کی جھنجھلاہٹ اور بے چینی دیکھ رہی تھی۔ اسے ماہی بے آب کی طرح تڑپتے دیکھ بختاور نے ایک سرد سی آہ بھری۔

فون کر لیں اسے،، بختاور نے اپنے موبائل سے نگاہ ہٹا کر اسے مشورہ دیا۔۔

واٹ،، میر ہادی ک جھٹکا لگا۔

میں نے کہا اسے فون کر لیں، جیسے آپ تڑپ رہے ہیں کیا پتہ وہ بھی آپ کے فون کا ویٹ کر رہی ہو،، وہ اب بھی سکون سے بولی تو میر ہادی ایک نظر اس کی جانب دیکھ کر اپنا فون اٹھایا۔

کافی دیر بیلز جاتی رہیں،، مگر ادھر سے فون رسیو نہیں کیا گیا۔ اس نے تنگ آ کر افضل کو کال ملائی۔

مگر جب افضل نے اور پھر باقی گارڈز میں سے کسی نے بھی فون نہیں اٹھایا تو وہ بے تحاشا چونکا تھا۔

لیزا نے فون رسیو نہیں کیا تو سمجھ آتا تھا کہ وہ سو گئی ہوگی مگر افضل اور گارڈز یہ گستاخی نہیں کر سکتے تھے۔ خاص طور پر تب جب وہ کہیں جائے اور لویزا کی زمہ داری اسے سونپ کر آئے تو میر ہادی جانتا تھا کہ اس صورت میں افضل رات کو ہمیشہ جاگتا تھا تاکہ لویزا کی حفاظت کر سکے اور دن میں سوتا تھا۔
کئی مرتبہ کے فون کرنے پر بھی جب کسی نے فون رسیو نہیں کیا تو وہ آندھی بنا اس روم سے نکلا تھا۔ بھاری قدموں کی دھمک حویلی کے طویل وعریض لاؤنج میں گونجی تھی۔

کدھر جا رہے ہو برخوردار، دادا سائیں کی دھاڑ گونجی تھی لاؤنج میں۔ اس نے بھنا کر پیچھے دیکھا تو دادا ، بابا ، اماں سائیں اور ممتاز بیگم لاؤنج میں بیٹھے تھے مگر وہ اس قدر بے چین تھا کہ دیکھ ہی نہیں پایا۔

میر لاج جا رہا ہوں،، سکون سے کمر پر ہاتھ باندھ کر کہا۔
میں پوچھتا ہوں آخر کیا جادو کیا ہے اس لڑکی نے تم پر کہ تمھیں اس کے علاوہ کچھ دکھائی نہیں دیتا،، دادا سائیں نے دانت پیس کر اپنے خوبرو اور وجیہ پوتے کو ملاحظہ کیا۔
پتہ نہیں دادا سائیں،، یہ بات تو آج تک میں خود بھی نہیں سمجھ پایا،، اطمینان برقرار تھا۔ مگر سامنے والے کو ضرور آگ دکھائی تھی۔
اور ہم نے تو کہا تھا کہ آج تم حویلی رکو گے،، ہماری بات کی کوئی اہمیت نہیں تمھاری نگاہوں میں،، وہ دانت پیس کر بولے۔۔
فی الحال اس سے بڑھ کر کچھ نہیں ہے میرے لئے،، وہ پھر سکون سے بولا تو ان کے سینے میں ایک ان دیکھی آگ سی بھڑکی تھی۔
اس دو ٹکے کی لڑکی کا ہم سے مقابلہ کر رہے ہو،، دادا سائیں نے انگارے چبائے۔
آپ کے اکلوتے خاندان کے چشم و چراغ اور اربوں کی جائیداد کے مالک یعنی میرے،،،،
رانا میر ہادی کے جینے کی وجہ ہے وہ دو ٹکے کی لڑکی ، تعجب ہے اب بھی آپ اس کی

قیمت اور اہمیت کا انداز نہیں لگا پائے،، اس کے الفاظ جانے کیوں سب کو لاجواب کرتے چبھتے ہوئے سے لگتے تھے۔

اب تو بختاور بھی پلر کی اوٹ میں سے اس کی باتیں سانس روک کر سن رہی تھی۔

سب کو سانپ سونگھ گیا تھا۔

"اب ہوا کیا ہے جو منہ اٹھا کر چل پڑے ہو،، دادا سائیں پھر پھنکارے

مجھے کچھ غیر معمولی لگ رہا ہے، عجیب سی بے چینی ہو رہی ہے، میری عزت کی حفاظت کا سوال ہے جانا ہوگا مجھے،،

میں نے اپنے آدمیوں کو بھیجا ہے اس کا کام تمام کرنے کے لئے،، دادا سائیں کی بات پر وہاں موجود سب لوگوں کے سروں پر حویلی کی چھت گری تھی جیسے ،،یا پیروں تلے سے زمین کھسکی تھی۔ میر ہادی کے تاثرات پل بھر میں بدلے تھے۔ لال انگارا آنکھیں اور لہو چھلکاتا چہرہ ، رگیں یوں تنی جیسے ابھی پھٹ پڑیں گی۔ مگر وہ اپنی جگہ سے ایک انچ بھی نہیں ہلا تھا۔

یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ بابا سائیں،، رانا میر دراب کو ہی ہوش آیا تھا بیٹے کی یہ حالت دیکھ کر ان سے باز پرس کرنے کا۔

رانا میر ہاشم اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے روبرو آ کر کھڑے ہوئے تھے۔

جو بھی کہہ رہا ہوں بلکل سچ ہے،، اب تک تو اس کا کام تمام بھی کر دیا گیا ہوگا،، رانا میر ہادی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا تھا انھوںنے۔

نہیں ابھی نہیں کیا ہوگا کام تمام،، رانا میر ہادی کی سرسراتی آواز حال میں گونجی تھی ''نہیں بھی کیا ہوگا کام تمام تو اپنے آدمی کو فون کر کے کہیں کہ گولی یا خنجر کا سب سے پہلا وار اس کے پیٹ پر کرے،، میر ہادی نے کہا تو سب نے اسے ایسی نگاہوں سے دیکھا جیسے اس کی دماغی حالت پر شبہ ہوا ہو۔

جبکہ اس کی بات سمجھ کر اماں سائیں اور ممتاز بیگم باآواز بلند رونے لگیں تھیں۔

کیوں ایسا کیوں بولوں اپنے آدمی کو،، دادا سائیں نے پوتے کی فرمائش پر خوش ہوتے پوچھا تھا۔

کیونکہ میرے بچے کی ماں بننے والی ہے وہ، اس خاندان کے وارث کو جنم دینے والی تھی،،

الفاظ تھے کہ پگھلا ہوا سیسہ،

جملہ تھا کہ آندھی یا طوفان جو میر حویلی کی تمام اکڑ، رعب، طنطنہ اور غرور کا سر کچل کر اسے خاک میں ملا گئی تھی۔ دادا سائیں اپنی جگہ پہ کھڑے بری طرح لڑکھڑائے تھے کہ میر دراب کو انھیں سہارا دینا پڑا۔ میر ہادی نے ایک تمسخرانہ اور حقارت بھری نگاہ ان پر ڈالی جو اپنی انا اور ضد میں اندھے ہو چکے تھے۔

"دادا سائیں اگر میری بیوی کو ایک کھروچ بھی پہنچی، یا میرے بچے کو کوئی نقصان پہنچا تو خدا کی قسم اور اسی بچے کی قسم ،، رانا میر ہاشم کی نسل رانا میر ہادی پر ہی ختم ہو جائے گی،، اور اس کے زمہ دار رانا میر ہاشم خود ہی ہوں گے،، وہ کہہ کر رکا نہیں تھا تیزی سے باہر نکلا تھا۔

دادا سائیں کے جسم سے جیسے جان نکلی تھی۔ میر دراب نے انھیں سہارا دے کر صوفے پر بٹھایا۔

میر دراب میرا فون دو مجھے جلدی کرو،، وہ دھاڑے تھے۔

یہ کیا کر دیا آپ نے،، اگر اس کی بیوی یا بچے کو کچھ ہو گیا تو،، اماں سائیں کے رونے میں اضافہ ہوا تھا۔

کتنے سالوں سے انتظار کر رہے تھے اس دن کا اور آج جب وہ خبر ملی تھی تو جیسے عنقریب ہی چھننے والی بھی تھی۔

تم لوگوں کو پتہ تھا پہلے،، میر دراب ممتاز بیگم کی جانب دیکھ کر دھاڑے--

نہیں آج ہی بتایا اس نے،، وہ گھبرا گئیں۔

میر ہاشم کافی دیر رجب کا فون ٹرائی کرتے رہے مگر اس خبیث نے فون نا اٹھایا۔ دو تین گھنٹے سخت ٹینشن میں گزرے ۔ آج کی رات بہت بھاری تھی--حویلی کے تمام افراد جاگ رہے تھے۔ آخر تھک ہار کر جو وہ نہیں کرنا چاہتے تھے وہ کرنا پڑ گیا۔ وہ پولیس کو اطلاع نہیں کرنا چاہتے تھے کیونکہ اس سے دنیا والوں اور میڈیا کو اس بات کی بھنک لگ سکتی تھی۔ مگر اس کے باوجود

میر ہاشم نے ایک نمبر ڈائل کر کے کان کو لگایا تھا۔ دوسری جانب کمشنر آف پنجاب تھے۔ رات کے ڈیڑھ بج چکے تھے۔

ایک ایڈریس بھیج رہا ہوں کمشنر،، میری بھو ہے وہاں پر اور اس کی جان خطرے میں ہے، فورا جا کر اس کی حفاظت کرو،، ایک کھروچ بھی نا آئے اسے،،،

وہ جانے اور کیا کیا بتا رہے تھے اور یہ وہی تھے جو کہتے تھے کہ کبھی اسے اپنے خاندان کی بھو تسلیم نہیں کریں گے اور اب،،

گاڑی ہوا سے باتیں کر رہی تھی۔ آج وہ اس کنڈیشن میں بلکل نہیں تھا کہ گاڑی ڈرائیو کر سکے، رات کو لگائی سن گلاسز کے پیچھے بار بار آنکھیں نم ہو رہی تھی اور لبوں پر اس کی سلامتی کی دعائیں تھیں۔

اس کا دل کیا عالی اور اجالا کو اطلاع دے دے۔ مگر وہ ایک جان کے لئے ان کی جان بھی خطرے میں نہیں ڈالنا چاہتا تھا۔ پتا نہیں کیا صورتحال ہوگی۔

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

رات کے ڈیڑھ بجے باہر رانا میر ہاشم کے آدمیوں نے گارڈز اور افضل کو قابو کر کے بے ہوش کر کے کوارٹر میں بند کر دیا تھا۔ میکس کو اس کے گھر میں بند کر دیا گیا تھا۔ باقی آدمی واپس چلے گئے تھے جبکہ رجب کچن کی جانب سے اندر گھس آیا تھا۔

لویزا اس کے سامنے کھڑی تھی۔ وہ لویزا کی جانب لڑکھڑاتا بڑھا تو وہ واپس مڑ کر بجلی کی سی تیزی سے اپنے کمرے میں گھس کر اس نے لاک لگایا تھا۔ اور دروازے سے لگی نیچے بیٹھتی چلی گئی تھی۔
وہ دیکھ چکی تھی وہ دیو ہیکل آدمی جلد ہی دروازہ بھی توڑ دے گا۔ لویزا نے گہرے گہرے سانس لیے اور خود کو ریلیکس کرنے کی کوشش کی ۔ جانے کیسے اور کیوں مگر ایک بھاری مہربان سی آواز کانوں میں گونجی جیسے یہ سبق اسے بچپن سے لے کر اب تک ازبر کروائے گئے ہوں۔ جیسے یہ بار بار اسے سکھایا گیا ہو۔

یہ پانچ پوائنٹس ہمیشہ ہمیشہ اپنے زہن میں رکھنا میری بچی،، ہر کوئی جو بھی تمھارے آس پاس ہو ضروری نہیں کہ سب ہی اچھے ہوں ان میں سے کوئی گندا اور بیڈ مین بھی ہوسکتا ہے جو تمھیں ہارم پہنچانے کی کوشش کرے تو سب سے پہلے

پہلا پوائنٹ،، ڈرنا نہیں بلکل بھی،

Fear is the biggest enemy,,,

ڈر آپ کو مینٹلی اور فزیکلی کمزور کر دے گا،،

دوسرا،، سچویشن کو فیس کرنا،، سامنے والے کو آپ ہمت والی اور بہادر ہو یہ دکھانا،،

تیسرا،، لیٹ دی سیم ٹائم اس سچویشن سے باہر آنے کی کوشش کرنا اور مشکل سے بچ نکلنے کا راستہ ڈھونڈنا

فورتھ، کسی اپنے کو انفارم کرنے کی کوشش کرو،،

ففتھ،، اگر ان میں سے کوئی بھی پوائنٹ کام نا کرے تو اپنی پوری طاقت لگا کر سامنے والے پہ اٹیک کرو،،

اس کا دماغ بہت تیزی سے کام کرنے لگا۔۔اسے اپنی اور اپنے بچے کی حفاظت کرنی تھی، میکس کی حفاظت کرنی تھی، وہ بے زبان جس نے آج ہی اپنی اس قدر وفاداری کا ثبوت دیتے اس کی جان بچائی تھی،، اب اس کی باری تھی یہ قرض اتارنے کی، اسے میکس کی آواز سنائی دے رہی تھی وہ بھونک رہا تھا اور جلد ہی اسے بچانے اندر آ جاتا ، مگر اس سانڈ کے سامنے اس ننھی سی جان کی کیا اوقات تھی۔ یہ ایک ہی وار میں اسے نقصان پہنچا سکتا تھا ،،،

اسے اپنے اور اپنے بچے کو بچانا تھا، اس کے لئے،، جس کی وہ امانت تھی۔ جس کا بچہ اس کے پاس اس کے شوہر کی امانت تھی۔ وہ جانتی تھی کہ گارڈز اور افضل کاکا کو یہ لوگ نقصان پہنچا چکے ہوں گے تبھی وہ اس کی حفاظت کے لئے نہیں پہنچ پائے تھے۔ وہ عورت تو جنت کی حقدار ہوتی ہے جو شوہر کی غیر موجودگی میں اس کی امانت یعنی اپنی عزت و عصمت کی حفاظت کرے۔

کیوں آخر کیوں ایک لڑکی کو یہ تاثر دیا جاتا ہے کہ کوئی آئے گا تو اسے بچائے گا۔ آخر وہ اپنی حفاظت کیوں نہیں کر سکتی۔ اپنی ہیرو خود کیوں نہیں بن سکتی، کیوں اپنی حفاظت خود کرنے کی کوشش نہیں کرتی،

مردوں کے کندھوں پر پورے گھر کی کفالت کی زمہ داری کا بوجھ ہوتا ہے تو اپنی حفاظت کا بوجھ بھی کیوں ڈالا جائے ان کے کندھوں پر، اس کام کی زمہ داری خود کیوں نا اٹھائی جائے۔

ایک بچہ پیدا کرنے کا درد اور تکلیف ایک مرد برداشت نہیں کر سکتا۔ تو یہ درد بار بار برداشت کرنے والی ایک عورت خود کو اتنا مضبوط کیوں نہیں بنا سکتی کہ کسی درندے سے خود کو بچا سکے۔۔ اس کو چھٹی کا دودھ یاد دلا دے۔

لویزا ایک عزم لیے اپنی جگہ سے شیرنی بنی اٹھی تھی۔ فون دوسرے روم میں تھا لہذا کسی کو فون نہیں کر سکتی تھی ۔ آگے بڑھ کر لینڈ لائن فون چیک کیا وہ شاید ڈسکنیکٹ کر دیئے گئے تھے۔۔ اب وہ کمرے کے پچھلے دروازے کو ان لاک کرتی باہر نکل کر گھوم کر کچن میں آئی تھی۔

کچن میں آ کر اپنے مطلب کے ہتھیار نکال کر ٹیبل پر رکھے۔ اور خود کو لیزاا بی بولڈ،،
اور بی بریو بولتی لاؤنج میں آئی۔۔

باہر وہ سانڈ دروازے سے مڈ بھیڑ میں مصروف تھا۔

او سانڈ،، بے وقوف، گدھے کی اولاد،، ادھر کیا ڈھونڈ رہے ہو، ادھر ہوں میں،، آؤ مجھے پکڑ کر دکھاؤ،، لویزا چلائی تو وہ بھناتا حیرت زدہ سا ہو کر پلٹا اور خونخوار نگاہوں سے رال ٹپکاتا اس بالشت بھر کی نازک لڑکی کو دیکھا اور اس کی جانب لپکا۔ جب وہ دو قدم کے فاصلے پر آیا تو،

تبھی لویزا نے سرخ مرچوں کا پورا ڈبہ کھول کر اس کے منہ پر اچھالا تھا۔
سیکنڈوں میں اسے اپنی نانی یاد آئی تھی۔ سارا نشہ ہرن ہو گیا۔ وہ کٹے بکرے کی طرح چنگھاڑنے لگا۔ پھر لویزا نے نمک اور دیگر مرچ مصالحوں سے اس کی تواضع کی تھی۔
اب لویزا نے اپنا دوپٹہ اس کے منہ پر لپیٹ کر اس کا سر پوری طاقت لگا کر دیوار سے دے مارا تھا۔

وہ مسلسل چنگھاڑنے لگا اور بری طرح لویزا کو نقصان پہنچانے کے لئے ہاتھ پیرا چلا رہا تھا۔ لویزا نے کچن کے تمام انسٹرومنٹ طبلہ بنا کر اس سانڈ پر بجا دیئے تھے۔

لویزا نے بیلن گھما کر اس کے سر میں مارا تھا۔ مگر اس دوران لویزا کو اس سانڈ کا ایک ہاتھ ہی پڑا تھا کہ وہ اپنی جگہ سے بری طرح لڑکھڑائی تھی سر دیوار پر لگا اور الماری کی نوک لگنے سے ماتھے پر سے ہلکا سا خون بہنے لگا اب وہ پچھلے دروازے میں بھاگ کر گم ہو گئی۔

وہ چیختا چنگھاڑتا گالیاں بکتا سنک تک آیا اور اپنا منہ ٹیپ کھول کر نیچے کر دیا۔ کچھ دیر بعد آنکھوں کی جلن کچھ کم ہوئی مگر سر پر بنے دو الو نما گھومڑ ضرور چل چل کر رہے تھے۔ وہ خنجر اٹھا کر دانت پیستا اندر کی جانب پھر لپکا۔

مگر لاؤنج میں قدم رکھتے ہی تارے زمین پر اترے تھے جب دھماکے کی آواز پر ایک واس اسے کے سر پر پھوٹا۔ اور وہ پھر لہولہان سر پکڑ کر چنگھاڑنے لگا۔ اس کے باوجود ہار ماننے کو تیار نا تھا۔

لویزا دیوار کے پاس کھڑی اسے گھور رہی تھی۔ "خبیث، الو کے پٹھے، شراب اور شباب کے مزے لو گے،، گھر میں ماں بہن نہیں ہیں کیا،، تمھیں تو چکھاتی ہوں میں

مزا،، لویزا نے جان بوجھ کر اسے اکسایا اور اپنی کوشش میں کامیاب بھی ہوئی۔ وہ جو اس کی جانب لپکا تھا دیکھ نا پایا کہ لویزا نے اپنے سامنے بڑا سا گلدان رکھا ہوا ہے۔ وہ اس کے قریب آنے لگا جب گلدان میں الجھا۔ لویزا سامنے سے تیزی سے پیچھے ہٹی اور اس کا سر دھڑام سے دیوار پر بجا تھا۔

وہ بھاگ کر کچن سے پھر لوہے کا راڈ لائی تھی اور اسے روئی کی طرح دھنک کر رکھ دیا۔

اتنے میں میکس بھی اندر گھس آیا تھا اور اس کے بیٹھنے کی جگہ کو اپنے دانتوں میں لے کر بھنبھوڑ کر رکھ دیا۔۔

وہ بری طرح چیختا چلاتا رہا مگر لویزا اس کی ہڈی پسلی سینک چکی تھی۔ اور میکس بھی اپنا حساب بے باک کر چکا تھا۔

ارے یہ لو میری ماں ،، میری بہن،، مرے جڑے ہاتھ دیکھو،، چھوڑ دو مجھے،،، وہ پھوٹ پھوٹ کر رویا تھا۔ مجھے جانے دو،، اس نے منت کی۔

میکس اسٹاپ،، بس کرو،، اس نے بولا تو میکس ایک سائیڈ ہو کر بیٹھ گیا۔

" اور تم بھیڑیے،، ہر گز نہیں ،، اگر نہیں چاہتے کہ میں اور تمھاری دھلائی کروں تو جو جو کہتی ہوں کرتے جاؤ،، تو اٹھو ابھی کہ ابھی،،

اب اس نے عافیت اسی میں جانی تھی کہ اس بالشت بھر کی پٹاخہ لڑکی کی باتوں پر عمل کرتا۔ سو وہ اٹھا۔

اس کرسی پر بیٹھو،، اور پاس پڑی رسی سے اپنے پاؤں باندھو،، اس نے کرسی پر بیٹھ کر اپنے پیر باندھے اور ایک ہاتھ بھی باندھ لیا۔

لویزا نے اس کے سر پر ایک ڈنڈا بجایا وہ جب تک درد کے اثر میں رہتا اس پر حملہ آور نہیں ہو سکتا تھا۔ لویزا نے فورا ہی اس کا دوسرا ہاتھ بھی مضبوطی سی جکڑ کر باندھ دیا۔

اور احتیاط کے طور پر رسی ہی رسی اس کے گرد لپیٹ کر اسے بری طرح رسیوں میں جکڑ دیا۔

اب لویزا نے اس کی پاکٹ سے فون نکالا تھا۔ اور نڈھال سی صوفے پر بیٹھی تھی۔

سب سے پہلے تو اسی کے فون سے پولیس کو اطلاع کی تھی۔ وہ یہ نہیں جانتی تھی پولیس تو کب کی حرکت میں آ چکی۔

"بیغیرت آدمی مجھے برباد کرنے آئے تھے،، آباد تو تمھیں بھی نہیں رہنے دوں گی، بیوی کا نمبر کس نام سے سیو کیا ہے بتاؤ مجھے، وہ غرائی،، فون لسٹ میں سے اس کی بیوی کا نمبر ڈھونڈنا چاہا۔

وہ صدمے سے گنگ ہوا تھا "باجی پلیز خدا کا واسطہ ، میری جان بخش دو،، میری بیوی کو مت بتاؤ،، بیوی کے نام پہ وہ گھگھیا گیا اور منت سماجت پر اتر آیا۔

تم بخشتے میری جان زلیل انسان،، وہ دانت پیس کر بولی۔ اور اس کی بیوی کو فون ملا کر مرچ مسالے کے ساتھ اس کے شوہر کے کالے کرتوت بتائے۔ اور اس وقت کی صورتحال سے بھی آگاہ کیا۔

پولیس آنے والی ہے صبح کو تھانے میں سے چھڑا لینا اپنے میاں کو،،

یہ کہتے لویزا نے اس غنڈے کی جانب دیکھا جو اتنی مار کھانے اور سر سے مسلسل بہتے خون کی وجہ سے بے ہوش ہو چکا تھا۔

لویزا نے نفی میں سر ہلاتے اسے افسوس سے دیکھا۔

مجھے ہادی کو کال کرنی چاہیے،، وہ اپنے روم کی جانب گئی۔ میکس بھی اندر آ گیا۔ لویزا نے روم احتیاطاً لاک کر لیا۔ اتنی تگ و دو، ٹینشن اور اتنے سروائو کے بعد اس کا خود کا سر چکرا رہا تھا۔ کچھ سر پر چوٹ بھی لگی تھی۔ ابھی فون ہاتھوں میں لیا ہی تھا کہ باہر سے پولیس کی گاڑیوں کے سائرن کی آواز آئی۔ تو اس کی جان میں جان آئی۔

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

پولیس اور رانا میر ہادی کی گاڑیاں اکھٹی ہی گیٹ پر رکی تھیں۔
کمشنر رانا میر ہادی کو سامنے دیکھ الرٹ ہوئے تھے۔
پولیس نے میر لاج کو چاروں اطراف سے گھیر لیا تھا۔ گارڈز اور افضل کو بھی باہر نکالا گیا تھا۔ ۔ رانا میر ہادی نے بھی اپنی گاڑی کے ڈیش بورڈ سے اپنی گن نکالی تھی پھر وہ محتاط طریقے سے اندر داخل ہوتے چلے گئے۔

اندر غیر معمولی سناٹا اور خاموشی سن میر ہادی کہ رونگٹے کھڑے ہوئے تھے پورا وجود پسینے میں نہا گیا۔ وہ اس خاموشی کا مطلب کسی انہونی کے ہو جانے کے بارے میں سوچنا بھی نہیں چاہتا تھا۔

تبھی جب وہ دھاڑ سے لاؤنج کا دروازہ توڑ کر اندر داخل ہوئے اور اندر تک گھستے چلے گئے ۔

اب اندر کے مناظر دیکھ وہ سب حیرت میں ڈوبے تھے ۔ لاونج اور کچن میں جیسے بھونچال برپا ہوا تھا۔ اور سب سے حیرت کی بات وہ دیو ہیکل سانڈ نما آدمی لہولہان بری طرح کرسی پہ رسیوں سے جکڑا ہوا تھا۔ اور بے ہوش تھا۔ پولیس والے پورے گھر میں تیزی سے پھیل گئے تھے۔ یہ سب دیکھ کر وہ اچھی طرح سمجھ چکے تھے یہ سب کیسے ہوا ہوگا ۔ اس لڑکی کو سلامی پیش کرنے کو دل کیا جس نے اپنے سے کئ گناہ طاقت ور بندے سے بہادری سے مقابلہ کرتے ہوئے یہ درگت بنائی تھی۔

لیزاااااا،،،،، میر ہادی دھاڑا۔ وہ کہیں دکھائی نہیں دے رہی مگر ان کے روم سے میکس کی آواز ضرور آ رہی تھی۔

لیزااااااااااا،،،،، وئیر آر یو ڈیم اٹ،،،،،،،،،

وہ جو نڈھال سی بیٹھی پولیس کے اندر آنے کا انتظار کر رہی تھی میر ہادی کی آواز نے جیسے رگوں میں نئی زندگی اور طاقت دوڑا دی تھی۔ بھاگ کر دروازہ کھولا۔

ہادی،، اس نے آواز دی۔

میر ہادی اس کی جانب لپکا تھا۔ کسی کی بھی پرواہ کیے بغیر اسے سختی سے سینے میں بھینچا وہ بھی اس کے سینے میں منہ دے کے اب سسک پڑی تھی۔

ہیے،،، تم ٹھیک تو ہو ناں بلکل،، میر ہادی نے اس اپنے سامنے کر کے اس کا اچھی طرح جائزہ لیا۔

میں بلکل ٹھیک ہوں ہادی،، میں،،،، کہتے ہوئے لویزا میر ہادی کے بازوؤں میں جھول گئی تھی۔

لیزاااا،، وہ چلایا۔

تبھی اجالا اور عالی کمرے میں داخل ہوتے چلے گئے تھے۔ وہ تینوں اسے لئے ہاسپٹل کی جانب نکلے مگر جانے سے پہلے وہ کمشنر کی جانب دیکھ کر غرایا تھا۔

ایک گھنٹے کے اندر اندر یہاں سے سب کلئیر کریں،

ہو جائے گا رانا صاحب،، ویسے ایک بات کہنا چاہوں گا آپ کی وائف بہت بریو اور ہمت والی ہیں،، کمشنر صاحب نے دل سے تعریف کی میر ہادی جا چکا تو انھوںنے رانا میر ہاشم کو کال ملائی تھی۔

میر ہادی اسے لئے ہاسپٹل پہنچے تھے۔ میکس بھی زبردستی گاڑی میں سوار ہو گیا تھا۔ اب ہاسپٹل پہنچ کر اجالا روئے جا رہی تھی۔ ابھی شام ہی تو لیزا نے اسے خوشخبری سنائی تھی۔ اور اب یہ سب،

میر ہادی تنی رگیں لیے دیوار سے ٹیک لگائے کھڑا تھا جب ڈاکٹر اندر سے باہر آئیں۔

میر ہادی تڑپ کر سیدھا ہوا۔

شی از ایبسلوٹلی آل رائٹ مسٹر ہادی،، وہ اور بے بی بلکل سیو ہیں فکر کی کوئی بات نہیں، بس سٹریس سے بے ہوش ہو گئیں، چھوٹی سی چوٹ تھی، بینڈیج کر دی ہے،، آپ کچھ دیر میں ہی انھیں گھر لے جا سکتے ہیں،،

میر ہادی نے سکون کا ایک گہرا سانس بھرا تھا۔ ان چند گھنٹوں نے ہی اسے اس سے جدائی کے خیال نے ہی ادھ مرا کر دیا تھا۔

ہادی میر لاج کا تو حشر بگڑ چکا ہے، بھابھی کو لے کر ہمارے گھر چلو،، عالی نے کہا تو میر ہادی نے بغیر بحث کیے اثبات میں سر ہلا دیا تھا اسے جتنی وحشت نے گھیرا ہوا تھا وہ اب اسے اس دہشت زدہ ماحول میں لے کر جانا بھی نہیں چاہتا تھا۔

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

میر ہادی اندر روم میں داخل ہوا تو وہ آنکھیں موندے سکون سے لیٹی تھی۔

لویزا،،،بہت قریب آ کر اس نے پکارا۔ تو لویزا نے آنکھیں کھول کر اس کی جانب دیکھا۔ سامنے والے کی نگاہوں میں کیا کچھ نہیں تھا۔ وحشت، تڑپ، درد، خوف، کہ وہ بھی بے چین سی ہوئی۔

ہادی، پلیز گھر چلیں،، میں بہت تھک گئی ہوں،،

چلو،، میر ہادی نے اسے بازوؤں میں بھرا۔

ہادی پلیز میں ٹھیک ہوں،، چل سکتی ہوں ناں،، اس نے احتجاج کیا۔ اور اس کی بانہوں میں مچلی۔

لیزا اسٹاپ اٹ،، میرا دماغ گھوما ہوا ہے، یہ نا ہو تمھیں یہیں بے بس کر دوں، خاموش رہو اور مجھے فیل کرنے دو کے تم سہی سلامت میرے بازوؤں میں ہو،،

اس نے سنجیدگی سے کہا تو لویزا نے اس کی آنکھوں میں مزاق کی رمق کو تلاشنا چاہا جس کا شائبہ تک نا تھا خوبصورت چہرہ پر،، تبھی وہ بلکل خاموش ہوئی تھی۔

وہ اسے لئے باہر آیا۔ عالی اور اجالا جنھیں اکتا کر میر ہادی نے ہی فون کیا تھا اب اسے سہی سلامت دیکھ سکون کا سانس لیا تھا۔

وہ آ کر گاڑی میں بیٹھے۔

عالی اور اجالا آگے بیٹھے جبکہ وہ اسے لیے پیچھے بیٹھا تاکہ وہ آرام دہ حالت میں بیٹھے۔

گاڑی میں میکس کو دیکھ کر لویزا کو خوشگوار حیرت ہوئی۔

او مائی کیوٹی پائی میکس،، وہ اس کی گود میں لوٹنے لگا۔

لویزا کیسے ہوا وہ سب، اور پھر وہ حشر کیسے ہوا، تم نے کسی کو کونٹیکٹ کرنے کی کوشش کیوں نہیں کی،، بتاؤ مجھے سب،، اجالا نے پوچھا تو لویزا نے گہری سانس بھری جبکہ وہ قریب بیٹھا اپنی بے چین نگاہوں سے اس کے چہرے کا طواف کیے جا رہا تھا۔

میں نیند سے اٹھی اور باہر آئی اور اس ڈاکو کو دیکھ کر ڈر گئی تو گھبراہٹ میں دوسرے روم میں چلی گئی اور موبائل ادھر ہی رہ گیا،،

پھر لویزا سکون سے اپنے اوپر گزری آج کی کارگزاری سنانے لگی۔ کہ ایک مرتبہ تو اجالا اور عالی بھی اس کی ہمت، جرأت اور بہادری پر پراؤڈ فیل کر رہے تھے۔ جبکہ وہ پاس بیٹھا سب خاموشی سے سنے گیا۔

گاڑی میر لاج کے مخالف سمت جاتا دیکھ وہ حیران ہوئی۔

ہم کہاں جا رہے ہیں ہادی،،؟

ہمارے گھر،، جب تک میر لاج سے سب کلئیر نہیں ہو جاتا تب تک تم لوگ ہمارے ساتھ رہو گے،، اب کی بار بھی جواب اجالا نے ہی دیا تو اکساٹڈ ہو گئ۔

گھر پہنچے تو رات کے ڈھائی بج چکے تھے۔ ہادی اور اجالا نے زبردستی اسے تھوڑا بہت کھلا کر اور جوس پلا کر میڈیسنز دیں۔

تب تک عالی ان کے لئے روم سیٹ کر چکا تھا۔

پھر وہ لوگ اپنے روم میں چلے گئے۔ کیونکہ رات کافی ہو چکی تھی۔

وہ اسے لئے روم میں آیا۔ اور اس کا بازو تھام کر اسے بیڈ پر لٹایا۔ جب سے وہ گاڑی میں تھا تب سے فون بج رہا تھا۔ کوٹ کی پاکٹ سے فون نکالا تو بابا سائیں اور دادا سائیں کی ڈھیروں مس کالز تھیں۔ اس نے نفرت سے موبائل کو گھورا۔ دل تو کیا فون دیوار میں دے مارے مگر اس سے لیزا پریشان ہو سکتی تھی جو اس کے چہرے کا ایک ایک تاثر اب بغور دیکھ رہی تھی۔ فون آف کر کے سائیڈ پر پھینکنے کے انداز میں رکھا۔

لویزا تو پہلے ہی پنک ٹاپ اور شاکنگ ڈھیلے ڈھالے ٹراؤزر میں تھی۔ میر ہادی بھی فریش ہو کر عالی کا دیا گیا نیو ٹراؤزر پہن آیا تھا۔ اب وہ بلیک ٹی شرٹ اور ٹراؤزر میں بیڈ پر اس کے پہلو میں لیٹ چکا تھا۔

کیا ہوا آپ کو ہادی،؟ لویزا نے اس کے کندھے کا سہارا لیتے قریب آ کر اس کی وحشت سے بھرپور، لال انگارا اور بھیگی آنکھوں میں جھانکا۔

ابھی بھی پوچھ رہی ہو لیزا کہ کیا ہوا،، جانتی ہو میں تمھیں کھونے کا سوچ کر ہی کتنا ڈر گیا تھا،، حویلی سے یہاں تک کا سفر میں نے کس اذیت و تکلیف سے کاٹا،،

میر ہادی کی زبان پھسلی۔

کون سی حویلی ہادی،، آپ کہاں گئے تھے،، لویزا کے سوال پر وہ چونکا۔ اور پتہ چلا جزبات میں آ کر کیا بول گیا ہے۔ مگر اب وقت آن پہنچا تھا اسے کچھ کچھ حقیقت سے آگاہ کرنے کا۔ کیونکہ اس کے لاکھ نا چاہتے ہوئے بھی جلد یا بدیر بچے کی وجہ سے وہ لوگ اس تک پہنچنے کی کوشش کریں گے۔ وہ جانتا تھا۔

میرے گھر والے لیزا،، میں ان سے ملنے گیا تھا، انھیں نے تم پر اٹیک کروایا، وہ کرب سے آنکھیں میچ کر بولا تو لویزا ششدر رہ گئی۔

یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ ہادی،، اس نے حیرت سے کہا تو میر ہادی نے بختاور کو حزف کر کے حویلی والوں کے بارے میں مختصر الفاظ میں اسے بتا دیا۔ "ان کا اکلوتا بیٹا ہوں میں،،کروڑوں کی جائیداد کا ملک، تبھی اب میرے بچے کا سن کر تڑپ گئے تھے وہ،، مگر تم پر اٹیک انھوں نے ہی کروایا جس کے لئے میں انھیں کبھی معاف نہیں کروں گا نا دوبارہ مڑ کر ان کی شکلیں دیکھوں گا،، اس کی لہجے میں ان دیکھی آگ تھی جس میں وہ کب سے جل رہا تھا۔

ادھر دیکھیں میری طرف،، اس نے اس کا چہرہ ، چھوٹے چھوٹے گداز ہاتھوں کے پیالوں میں بھرا "میں بلکل ٹھیک ہوں، آپ کا بے بی بھی ٹھیک ہے تو موڈ ٹھیک کریں اپنا، ویسے آپس کی بات ہے آپ کی یہ روندو شکل دیکھ کر مجھے بڑی ہنسی آ رہی ہے،، ہاہاہاہاہا،، یہ شوشا چھوڑ کر وہ اس کا دھیان بٹانے کو کھکھلا کر ہنسی تھی۔

میر ہادی نے اس کی جانب زخمی نگاہوں سے دیکھا۔

یو نو واٹ،، اچھی طرح جانتی ہے میری جان،، کہ رانا میر ہادی کا موڈ صرف میری جان ٹھیک کر سکتی ہے اور کیسے یہ بھی جانتی ہے،، رائٹ،

ہممممم رائٹ،، آپ یہ روندو شکلیں دراصل بنا ہی اسی لئے رہے ہیں ،جانتے جو ہوں گے، کافی کیوٹ لگتے ہیں، اسی لئے مجھے اپنے کڑوے کریلے پر بہت پیار آ رہا ہے،، وہ کہہ اسی کے کندھے پر دونوں ہاتھ کا سہارا لے کر اس کے ماتھے پر جھکی تھی۔

اسکی کشادہ پیشانی پر اپنے گداز لب رکھے تو میر ہادی نے سکون سے آنکھیں موندیں۔ اور اس کی کمر کے گرد بازو حمائل کیے۔

اپنی جلتی آنکھوں پر میٹھی ٹھنڈی پھوار محسوس کر کے وہ سرشار ہوا تھا۔ پھر دونوں گالوں پر وہ میٹھے لبوں کی نرماہٹ محسوس کر کے ہمیشہ کی طرح اس کی رگ و پہ میں ایک سکون اور سرور سا دوڑا تھا۔

اب خوش،، وہ پوچھ بیٹھی۔

ابھی تو مزہ آنے لگا تھا میری جان ،، ہادی نے برا منایا۔

ہادی آپ مجھ سے اتنی محبت کیوں کرتے ہیں،، وہ پوچھ بیٹھی۔

پتا نہیں،، اس نے سرد سی آہ بھری جیسے اس معاملے میں بلکل بے بس ہو۔۔ "نا کروں تم سے محبت ،،؟ آئبرو اچکا کر پوچھا۔

نا بولوں گی تو نہیں کریں گے،، وہ بھی سیدھی ہو گئی۔۔

نہیں بھی بولو گی پھر بھی صرف اور صرف تم سے محبت کروں گا میں،،

کروٹ بدل کر اس پر حاوی ہوا۔ اور چہرے کا ایک ایک نقش چوما۔۔ بالوں میں ہاتھ پھنسا کر گردن اونچی کرتے شہہ رگ پر اپنے لب رکھے تھے۔

ہادی میں تھک گئی،، مجھے سونا ہے،، وہ اٹکتی سانس کے ساتھ اتنا ہی بول پائی۔

مگر وہ جھک کر اب اپنے بے بی کو پیار کرنے لگا تھا۔ لویزا خود میں سمٹی۔ اور ایسا ہی تو ہوتا تھا وہ اس کی شدتوں کے آگے بے بس سی،،، شیرنی سے بھیگی بلی بن جاتی تھی۔

ہا،،، دی،،،، پپ،، پلیز،،، وہ بول بھی نہیں پا رہی تھی۔ وہ پیار کرتے پھر اس کی گردن تک آیا تھا۔

غلط سوال پوچھا ہادی کی جان،، ہاتھوں کی انگلیوں میں اپنی انگلیاں پھنساتے بوجھل سی سرگوشی کی تھی۔ " اتنی محبت کیوں نہیں، اتنی محبت کیسے کرتا ہوں یہ پوچھتی تو بتاتا

کہ ایسے کرتا ہوں، کہتے اس کہ ہونٹوں کی نرماہٹوں میں مکمل مدہوش اور بے خود سا ہوتے خود کو گم کر لیا تھا۔

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

رات بہت بوجھل تھی کوئی بھی نہیں سو پایا تھا۔۔ رانا میر ہاشم کی ٹانگیں شل ہو چکیں تھیں بے چینی سے ادھر ادھر چکر کاٹتے آخر دو بجے کے قریب کمشنر کا فون آیا تو میر دراب نے بے چینی سے فون اٹھایا۔

سامنے سے جو تفصیلات سننے کو ملیں میر دراب کے چہرے پر انوکھی سی چمک ہی آئی تھی۔ انھوننے نے فون رکھ دیا۔

اب بتاؤ گے بھی کہ کیا ہوا،؟ رانا میر ہاشم غرائے۔

ادھ مری حالت میں ہسپتال میں ہے،، میر دراب نے اطمینان سے کہا تو میر ہاشم شکست خوردہ سے صوفے پر ڈھے سے گئے۔

آپ کا بھیجا ہوا غنڈہ، ادھ مری حالت میں ہسپتال میں ہے، میر خاندان کی بہو نے اپنی عزت کی حفاظت کرتے ہوئے اسے مار مار کر ادھ مرا کر دیا،،

میر دراب نے اطمینان سے کہا تو سب پہلے تو حیرت سے ان کا منہ دیکھے گئے پھر سب کے چہرے خوشی سے دمک اٹھے تھے۔

بختاور سکون سے کھڑی یہ سب کاروائی دیکھ اور سن رہے تھے۔

میر ہادی کا کال ملاؤ، میری بات کرواؤ اس سے، بچے کا پوچھو، ٹھیک تو ہے ناں،، رانا میر ہاشم اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑے ہوئے اور میر دراب کے پاس آئے۔

وہ کافی دیر دونوں ہادی کو کال ملاتے رہے مگر اس نے فون نہیں اٹھانا تھا نا اٹھایا۔ پھر آخر کار اس نے فون سوئچڈ آف ہی کر دیا تو میر ہاشم اس کی بدتمیزی اور اکڑ پر بھنا کر ہی رہ گئے۔ مگر جانتے تھے اب اسے منانا جوئے شیر لانے کے مترادف ہوگا آخر اپنے ضدی، سر پھرے اور اکھڑ پوتے کو جانتے جو تھے۔

وہ اس کا دوست ہے عالیان اس کو کال ملاؤ یار،، وہ سخت تلملا کر جھنجھلائے سے بولے۔

میر دراب نے اسے کال کی جو کہ تیسری بیل پر رسیو کر لی گئی تھی۔

اسلام و علیکم بابا سائیں،

وعلیکم السلام، میر ہادی اور بہو کہاں ہیں، بہو اور بچے کے بارے میں پوچھنا تھا،، وہ فون نہیں اٹھا رہا بلکہ بند کر دیا فون،

بھابھی بلکل ٹھیک ہیں اور بے بی بھی بلکل ٹھیک ہے، بلکہ وہ ادھر ہمارے پاس ہی ہیں، ڈاکٹر نے بھابھی کو آرام کرنے کا بولا تھا تو وہ سو گئے ہوں گے، عالی نے انھیں تفصیل بتائی۔

کسی اچھے سے ڈاکٹر کو چیک کروایا تھا نا بہو کو، مطلب کوئی بھی کسی بھی قسم کی پریشانی کہ بات تو نہیں ہے ناں،

نہیں، نہیں کوئی پریشانی کی بات نہیں بابا سائیں وہ بلکل ٹھیک ہیں،، عالی کو سمجھ نا آئی انھیں کیسے تسلی دے۔

ٹھیک ہے ہم صبح آئیں گے بہو سے ملنے اور اسے دیکھنے ، ہادی کو مت بتانا اور اسے کہیں جانے بھی نا دینا، اسے میرا حکم سمجھنا، وہ کہتے اسے تنبیہہ کرتے فون رکھ گئے۔

عالی نے ایک سرد سی آہ بھری۔۔

کیا کہا اس نے،، میر ہاشم نے پوچھا۔

ٹھیک ہے وہ اور بچہ بھی بلکل ٹھیک ہے،، میر دراب نے سکون سے کہا تو میر ہاشم کو اب کہیں جا کر سکون آیا تھا۔

بابا سائیں اتنی رات ہو گئی ہے اب آپ کو آرام کرنا چاہیے،، آپ کی طبیعت خراب ہو جائے گی،، میر دراب نے کہا تو اتنی ٹینشن کے دوران وہ پہلی مرتبہ مسکرائے تھے۔

اب تو اس الو کے پٹھے کو دیکھ کر ہی سکون آئے گا، چلو سب آرام کرو، صبح گاڑیاں تیار کروا دینا جانا ہے مجھے،،

وہ کہتے اٹھ کر سینہ تانے اپنے روم کی جانب گئے۔

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

صبح لویزا کی آنکھ دس بجے کھلی میر ہادی گہری نیند میں تھا۔ وہ کافی دیر سے جگا رہی تھی مگر وہ ٹس سے مس نہیں ہو رہا تھا۔ الٹا اسے بھی کھینچ کر اپنی آغوش میں لے لیا۔ جو اب اجالا کے دیئے گئے ایک خوبصورت سرخ فراک میں تھی۔

سو جاؤ ایلو،، بڑی سکون کی نیند آ رہی ہے قسم سے،، بوجھل سی آواز میں وہ بولا تو وہ جھنجھلائی۔

میر ہادی کیا ہے آپ کو، اٹھیں ناں یا آپ کو اٹھانے کے لئے لاؤں اپنا بیلن،، لیزا کی دھمکی پر اس نے پٹ سے آنکھیں کھولیں تھیں۔

آں ہاں رانا میر ہادی کو دھمکی،، اس نے اپنے سر کے نیچے بازو فولڈ کر کے رکھا لویزا بمشکل خود کو چھڑاتی اٹھ کر بیٹھی۔

جی بلکل،، دھمکی ہی سمجھ لیں،، وہ انگلی اٹھا کر وارننگ دینے والے انداز میں بولی۔

ویسے اس غنڈے کو تو روز، رات کو خواب میں بھی تم ڈرایا کرو گی ایلو،، وہ گہرا مسکرایا۔

جی بلکل،، وہ تو اپنے بیٹوں کو بھی یہی بولا کرے گا،، بندے دے پتر بن جاؤ اور ہمیشہ عورت کی عزت کرنا نہیں تو لیزا آ کر چٹنی بنا دے گی،، وہ کھلکھلا کر ہنسی۔

ویسے میری جان بہت بریو ہے،، وہ اس ساتھ لگا کر فخر سے بولا۔

ہمم بابا بھی یہی کہتے تھے،، وہ کھوئی کھوئی سی بولی۔

واٹ،، لیزا تمھیں کیسے پتہ، میر ہادی کی سانس اٹکی۔

وہ چونکی،، پتہ نہیں ہادی،، خود بخود ہی زبان سے ادا ہو گیا، اسکی آنکھیں نم ہوئیں۔

ہیے ڈونٹ یو ڈئیر،، سب ٹھیک ہو جائے گا، وہ پھر سے اس ٹاپک کو چھیڑنا بھی نہیں چاہتا تھا۔

ویسے آپ بھی اب بچ کے رہنا مجھ سے،، وہ آئبرو اچکا کر بولی تو میر ہادی قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔

جی جی بلکل میری لیڈی موگیمبو،، وہ انسلٹ کہاں بھولی ہے جو میر لاج میں ہوئی تھی میری،، وہیں تو دل کو لگی تھی ٹھاہ کر کے، اسی نے تو نیندیں حرام کیں تھیں اس نا چیز کی،، وہ بھی اب کھویا سا بولا تو لیزا دلچسپی سے سننے لگی۔

ہادی ایسا ہوا تھا کیا،، آپ پچھلی پاسٹ کی کوئی بات سناتے ہی نہیں، اگر سنائیں تو کیاپتہ مجھے سب یاد بھی آ جائے،، اور میں پاپا سے مل پاؤں، وہ اداسی سے بولی تو میر ہادی کے اندر کچھ چھن سے ٹوٹا اور دل یک دم سکڑ کر پھیلا۔ اپنی بے وقوفی پر خود کو جی بھر کر کوسا کہ آخر یہ ٹاپک چھیڑا ہی کیوں۔

ابھی اسے کچھ کہتا کہ دروازے پر دستک ہوئی۔

لویزا بوکھلا گئی۔ اور بیڈ سے نیچے اتری۔

میر ہادی نے اٹھ کر اپنی شرٹ پہنی۔

اٹھ کر ڈور کھولا تو سامنے عالی کو تذبذب کا شکار جھجھکتے کھڑا دیکھ کر حیرت ہوئی ۔

خیریت عالی،،

نو ہادی خیرت نہیں یار،، حویلی سے مہمان آئے ہیں، مطلب دادا اور بابا سائیں،، حتیٰ کے اماں سائیں، آنٹی اور بختاور بھابھی بھی ساتھ ہیں،، وہ دھیمے لہجے میں بولا تو میر ہادی غصے سے پاگل ہوا تھا۔

واٹ،، ہاؤ ڈئیر دیم، ہمت کیسے ہوئی ان کی یہاں آنے کی، قاتلانہ حملہ کروا کر اب تماشہ دیکھنے آئے ہیں کہ بچ گئی کہ نہیں، اور انھیں یہ کس نے بتایا کہ ہم ادھر ہیں،، وہ دھواں دھواں چہرہ لیے غرایا۔

مجھے فون کیا تھا پوچھ رہے تھے تو میں نے بتا دیا، یار مجھے کیا پتہ تھا وہ واقعی آ ہی جائیں گے،، اب

تم چلو میں آتا ہوں،، عالی گیا تو وہ واپس مڑا۔

لیزا، وہ پریشان سا اس کی جانب آیا، اندر سے ڈور لاک کر لو ، کچھ دیر تک آ جاؤ گا، مگر تم باہر نہیں آؤ گی،

مگر ہوا کیا ہادی، آپ ایسے کیوں،

کچھ نہیں ہوا ہے، آ کر بتاتا ہوں، مگر تم باہر نہیں آؤ گی ، رائٹ، جانے کیوں وہ انگارے چبا رہا تھا۔ لیزا نے اثبات میں سر ہلایا وہ باہر گیا تو لویزا نے اٹھ کر ڈور لاک کر لیا۔

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

وہ اتنے خطرناک تیور لیے باہر آیا تھا کہ ایک مرتبہ تو وہ سب دیکھ کر اسے دنگ رہ گئے تھے۔ اجالا اور عالی بھی اس کے پیچھے لاؤنج میں چلے آئے تھے۔ وہ پہلے ہی ان سے مل کر سلام دعا کر چکے تھے دونوں ۔
وہ لاؤنج میں داخل ہوا تھا۔ حسب معمول ماتھے پر تیوریوں کا جال سا تھا۔

برخوردار شہر میں آ کر تمیز وغیرہ بھول جاتے ہو کیا جو سلام تک کرنا گوارا نہیں کیا،، میر دراب ہی بولے تھے اور کیسے بھی سہی بات کا آغاز کیا تھا۔ اس نے جھک کر اماں سائیں اور ممتاز بیگم سے پیار ضرور لیا تھا جنھوں نے اسے چٹا چٹ چوم ڈالا۔

لویزا چپکے سے روم سے نکل کر اس کے پیچھے آئی تھی اور پلر کے پیچھے چھپ کر ان سب کو دلچسپی سے دیکھنے لگی۔

وہ دادا سائیں کے سامنے آیا تھا۔

کیوں آئے ہیں آپ لوگ یہاں،؟ سنجیدگی سے سوال پوچھا۔ غصے میں بختاور کی جانب تو دیکھا بھی نہیں جو نم آنکھیں لیے وہاں سر جھکائے بیٹھی تھی۔

بہو کو دیکھنے آئے ہیں، اس کی خیر خیریت معلوم کرنے، اس کی عیادت کرنے،، تمھیں کوئی اعتراض،، دادا سائیں اطمینان (ڈھٹائی) سے بولے تھے۔۔ میر ہادی جز بز دھواں دھواں چہرہ لیے کھڑا کا کھڑا رہ گیا۔

اور جب اسے قتل کرنے کی سازشیں رچا رہے تھے اس وقت نہیں یاد تھا کہ وہ میری بیوی ہے، میری عزت، میرے نکاح میں ہے، آپ لوگوں کی بہو ہے اور اب،، وہ دانت پیس کر بولا تھا۔ دانستہ بات ادھوری چھوڑی۔

چلو دیر عائد درست عائد، اللہ کا شکر ہے کہ اللہ تعالی نے اسے بچا لیا،، اور بچے کو بھی محفوظ رکھا، اور اب تم کیوں دیوار بنے کھڑے ہو ہٹو سامنے سے اور بلاؤ اسے،، میر ہاشم خائف ہوئے۔

دادا سائیں کوئی تعلق نہیں ہمارا آپ سے ،یا اس کا یا میرے بچے کا، حویلی کی جانب تو اب میں رخ بھی نہیں کروں گا، ہر تعلق توڑتا ہوں میں حویلی سے، سمجھے آپ، اور اگر آپ لوگوں نے مزید ہمیں پریشان کرنے کی کوشش کی تو میں اسے لے کر یہ ملک ہی چھوڑ دوں گا، نہیں ملنا اس نے کسی سے بھی جائیے آپ لوگ،،

شدتِ ضبط کی جب انتہا ہوئی تھی تو وہ دھاڑا۔ مگر یہ بھول گیا کہ اس میں باپ، ماں اور دادی کا کیا قصور تھا۔ اور بختاور کا کیا قصور تھا ۔ وہ تو بس اپنی محبت کی ایک جھلک دیکھنے آئی تھی۔

ممتاز بیگم پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں تھیں، بختاور نے ممتاز بیگم کو خود سے لگایا تو میر ہادی اندر سے ہل گیا اور اپنی غلطی کا شدت سے احساس ہوا کہ اس نے گھن کے ساتھ گیہو بھی پیس ڈالے تھے۔

چھوٹے سائیں، باؤلے ہوئے ہو گیا، ہوش میں تو ہو، ارے ہمارا کیا قصور ہے جو ہمیں سزا دینے پر تل گئے ہو، اگر یہی بات ہے تو جہاں جاؤ گے ہمیں بھی ساتھ لے کر جانا، کیونکہ جہاں تم نہیں وہاں ہمارا کیا کام،، ارے ہم بوڑھی جانوں پر تو رحم کھاؤ،، اماں سائیں نے بھی اپنی دل کی بھڑاس نکالی۔ رانا میر ہاشم نے بیگم کو بری طرح گھوری سے نوازا مگر انھیں خاطر خواہ اب پرواہ نہیں تھی۔ انھوںنے کونسا بیگم سے پوچھ کر وہ کارنامہ کیا تھا۔

میر ہادی بری طرح لب کچلتا ان کے پاس آیا جو رونے کی تیاری کر رہیں تھیں۔ ماں کو گلے سے لگایا۔ میر داراب بھی بیٹے کو شکوہ کناں نگاہوں سے گھور رہے تھے۔

کہیں نہیں جاؤ گے تم سمجھے نہیں تو مر جاؤں گی میں،، ممتاز بیگم نے اسے ایموشنلی بلیک میل کیا۔۔

اچھا کہیں نہیں جا رہا یار، خاموش ہو جاؤ اب آپ، میر ہادی نے ماں کو سینے سے لگایا۔

کہاں ہے وہ میر ہادی،، اماں سائیں نے کہا اور بے چینی سے ادھر ادھر دیکھا تو لویزا کے دل کی دھڑکن تیز ہوئی فورا کمرے میں چلی گئی۔

آپ لوگ مل لیں،، اس نے صرف اماں اور امی سائیں کو دیکھ کر بولا تو باقی سب نے پہلو بدلا۔

میر ہادی باہر لے کر آؤ اسے،، اب کی بار میر دراب نے دانت پیس کر زرا سختی سے کہا کیونکہ وہ مسلسل رانا میر ہاشم کی انسلٹ کیے جا رہا تھا، تو وہ جھٹکے سے اٹھا تھا۔ بس نہیں چل رہا تھا کہ خود کو اور اسے یہاں سے کہیں غائب کر دے۔

اسے کسی چیز کا کوئی علم نہیں بابا سائیں اور بختاور کا بھی،، وہ دھیمی آواز میں غرایا۔

تو بختاور نے پہلو بدلہ اور آنکھیں نم ہو گئیں۔۔

ان سب کو اب پریشانی سمجھ آئی اس کی۔

نہیں بتائیں گے تم ملواؤ ایک مرتبہ،، میر دراب نے کہا تو اس نے اجالا کی جانب اشارہ کیا۔

اجالا کمرے میں آئی تھی۔۔ وہ ہونق سی بنی صوفے پر بیٹھی انگلیاں چٹخا رہی تھی۔۔

کیا ہوا اجالا،،

کچھ نہیں ہادی نے بلایا ہے شال اوڑھ کر باہر آؤ،، اس نے شال اوڑھی ۔ اجالا نے اس کا ہاتھ تھاما جو کنفیوز ہو رہی تھی۔ اور دونوں باہر آئیں۔ سب کی ایک مرکز پر نگاہ اٹھی اور ٹھہر سی گئی۔

سرخ فراک پاجامے میں وہ سکن کلر شال اوڑھے سرخ وسفید نازک اور ہرن جیسی معصوم آنکھوں والی لڑکی سیدھا ان کے دل میں اتری تھی۔ اس کے انگ انگ سے ممتا کا نور پھوٹ رہا تھا جیسے۔

اسلام و علیکم،، لویزا نے جھجھکتے کہا وہ جو یک ٹک اسے دیکھ رہے تھے ہوش میں آئے۔

اجالا سب سے پہلے اسے اماں سائیں کے پاس لے کر آئی تھی۔ اور اماں اور ممتاز بیگم کے درمیان اسے بٹھا دیا۔ انھوں نے اس کا ماتھا چوما تھا۔۔ ممتاز بیگم نے اسے سب کا تعارف کروایا۔

لویزا نے میر ہادی پر ایک نگاہ ڈالی جو سڑی سی شکل بنا کر اپنے بابا کے پاس بیٹھا تھا۔ (لویزا کو بڑی ہنسی آئی مگر ضبط کر گئی) میر داراب اور میر ہاشم نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔ دونوں نے منہ دکھائی کے طور پر اس کی گود میں بڑے نوٹ رکھے تھے جس پر وہاں بیٹھا ایک شخص سخت تلملایا۔

سب نے اسے اپنے بارے میں بتایا اور اب وہ سوالیہ نگاہوں سے اس پیاری سی لڑکی کو دیکھنے لگی جو پاس ہی مگر چپ چپ سی بیٹھی تھی۔ اس کی نگاہوں کا فوکس دیکھ کر سب گڑبڑائے اور اصل میں تو اب میر ہادی نے جھنجھلا کر پہلو بدلہ تھا۔ ۔

میں آپ کے شوہر کی پھپھو کی بیٹی ہوں، بہت سنا آپ کے بارے میں تو دیکھنے چلی آئی،، اور جیسا سنا ویسے ہی پایا، بے تحاشا خوبصورت ہیں آپ،،

آخر بختاور نے سادہ سے لہجے میں کہتے اپنا تعارف خود ہی کروا کر ان سب کی مشکل حل کی۔

لیزا گہرا مسکرائی۔ کچھ ہی دیر میں وہ ان سے گھل مل گئی مگر

اجالا بھابھی،، لیزا کو اندر لے کر جائیں، اسے آرام کی ضرورت ہے،، میر ہادی نے سنجیدگی سے کہا۔

(اماں سائیں اور ممتاز بیگم نے نروٹھے پن سے اسے گھورا۔ اس کے معاملے میں عجیب طرح سے بے اعتبار ہو رہا تھا۔) اماں سائیں نے اپنے ہاتھ سے جڑاؤ خالص کندن کنگن نکال کر اسے پہنانا چاہے۔

ارے دادو یہ کیا،، یہ میں نہیں،، وہ گھبرائی۔

نہیں تمھارا حق ہے ان پر، کیونکہ میں نے سوچا تھا، میری ہادی کے ہونے والے بچے کی ماں کی ہی پہناؤ گی میں یہ،،

اماں نے پھر اسے چوما۔ وہ کانوں تک سرخ ہوئی تھی۔ میر ہادی نے ایک گہری نگاہ اس کے حسین سراپے پر ڈالی اور اجالا کو دوبارہ اشارہ کیا۔ اجالا آگے بڑھی اور اس کا ہاتھ تھام کر اندر لے گئی۔

میر ہادی حویلی چلو یار،، حویلی کب آؤ گے،، حویلی چلو تاکہ خاندان والوں کے سامنے اس شادی کا اعلان کیا جائے اور بچے کی پیدائش بھی حویلی میں ہی ہونی چاہیے ؟ میر دراب نے میر ہاشم کے کہے گئے الفاظ دہرائے۔

بابا سائیں بہت جلد آؤں گا، فی الحال میرا کوئی ارادہ نہیں ہے ،، اس نے لاپروائی سے بول کر انھیں ٹالا مگر حویلی جانے کا ارادہ اس کا سرے سے تھا ہی نہیں۔

اجالا اور لویزا نے انھیں چائے ناشتہ سرو کیا۔ اور وہ کچھ دیر کے بعد روانہ ہو گئے۔۔

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

وہ سخت قسم کا موڈ آف کیے بیٹھا تھا۔ جب عالی قریب آیا۔

کیا ہوا ہادی،،

For more books 0313-6137393

میں اس وحشت زدہ ماحول سے باہر نکلنا چاہتا ہوں یار، اسے کہیں دور لے جانا چاہتا ہوں، سب کی نگاہوں سے بہت دور،، چھپا کر رکھنا چاہتا ہوں، وہ کھوئے کھوئے لہجے میں اکتا کر بولا تو عالی مسکرایا۔

''تو ٹھیک ہے چلو ہمارے ساتھ، ہم بھی کہیں گھومنے نہیں گئے تم لوگ بھی، ہمارے ساتھ ہی چلو، ایک تو تمہیں سکون ملے گا دوسرا بھابھی کو اس حالت میں بہت اچھا لگے گا، اور تمھاری خواہش بھی پوری ہو جائے گی،

عالی نے کہا تو میر ہادی کو کچھ پل ہی لگے تھے فیصلہ کرنے میں۔

کدھر جانا ہے،،

فی الحال تو اپنے ہی ملک میں نادرن ایریاز میں چلتے ہیں، پاکستان سے بڑھ کر بھی کوئی اور خوبصورت جگہ ہوگی، مجھے نہیں لگتا،، عالی نے کہا تو وہ مسکرایا جیسے اس کی بات سے متفق ہو۔

چلو پھر تیاری کرو، میں آج ہی جانا چاہتا ہوں اور ایبٹ آباد میں اپنا فارم ہاؤس بھی ہے،، میر ہادی نے جلدی سے اٹھتے کہا تو عالی اس کی بے صبری پر مسکرایا۔

ان کے ارے ارے اور شور مچانے کے باوجود انھوننے بہت جلدی مچائی تھی۔ اور چند ہی گھنٹوں میں تیاری کر بھی لی۔

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

وہ جب سے حویلی آئی تھی اپنے کمرے میں بند تکیے میں منہ دیئے آج اپنی ضد، ہٹ دھرمی اور اپنے کیے گئے فیصلوں پر پچھتا رہی تھی کہ واقعی وہ ایک سراب کے پیچھے اندھا دھند بھاگ رہی تھی جس سے اس کی جھولی میں سود وزیاں کے علاوہ کچھ نہیں آنے والا تھا کیونکہ وہ اس کا نا کبھی تھا نا کبھی ہو سکتا تھا۔ آج جو میر ہادی کی نگاہوں میں اسے اس لڑکی کے لئے عشق کی ان دیکھی آگ بھڑکتی دکھائی دی تھی۔ اس میں کسی اور کی زرا سی بھی گنجائش نکلنے والی ہی نہیں تھی۔

وہ رو رو کر اپنا غم غلط کر رہی تھی۔ جب دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی وہ بری طرح جھلائی۔ اب کون تھا۔ یہاں تو کوئی سکون سے رو بھی نہیں سکتا تھا جیسے۔

مگر اگلے ہی پل آنے والے نے اجازت لینے کی زحمت گوارا ہی نہیں کی تھی اور دروازہ ہلکے سے دھکیل کر اندر چلا آیا۔

اپنے سامنے افراسیاب کو کھڑے دیکھ وہ تلملا کر اٹھی تھی۔

تم یہاں کیا کر رہے ہو،،

مبارک ہو تمھارا شوہر باپ بننے والا ہے، منہ میٹھا کرنے آیا تھا،، وہ ڈھٹائی سے کہتے اس کے سارے زخم ادھیڑ گیا۔

چلے جاؤ یہاں سے سیاب، آج میں تمھارے منہ نہیں لگنا چاہتی، وہ جھلائی اور دوبارہ تکیے میں منہ دے گئی۔

اس نے بے بسی سے بیڈ پر پڑا اس کا ناتواں مگر قیامت خیز وجود دیکھا اور بری طرح نگاہیں چرائیں۔ لب کچلتے اس کی جانب سے رخ ہی موڑ لیا۔

اور میں ہمیشہ صرف تمھارے ہی منہ لگنا چاہتا ہوں،، وہ بھی اطمینان سے بولا۔ تو بھنا کر اپنی جگہ سے اٹھی اس کے سامنے آئی تھی۔

کیوں آخر کیوں ایک سراب کے پیچھے بھاگ رہے ہو افراسیاب، جب جانتے ہو کچھ ہاتھ نہیں آئے گا، میری طرح خالی ہاتھ رہ جاؤ گے،، وہ غرائی۔

تم بھی تو بھاگ رہی ہو ایک سراب کے پیچھے تو سوچا میں بھی بھاگ کر دیکھ لوں، اور کوئی تعلق نا سہی تو دونوں سراب سراب ہی کھیل لیتے ہیں، کوئی تعلق تو رہے گا کم از کم،،، وہ لاپروائی سے بولا تو بختاود نے اپنے سامنے کھڑے اس لمبے چوڑے وجیہ مرد کو دیکھا جسے اس نے اپنی بے وقوفی اور پاگل پن میں کھو دیا تھا۔

اگر تم میرے منہ سے یہ سننا چاہتے ہو کہ میں ہار گئی تو سنو سیاب بختاور ہار گئی، اگر یہ سننا چاہتے ہو کہ میں اپنی ضد اہنے فیصلہ پر پچھتا رہی ہوں تو سنو سیاب میں پچھتا رہی ہوں،، میں تھک گئی ہوں ٹوٹ گئی ، ہار گئی ہوں،، وہ کہتے پھوٹ پھوٹ کر روئی تھی۔

افراسیاب سے دھواں دھواں چہرے کے ساتھ اسے روتے دیکھا۔

تو لوٹ آؤ نا بختاور، دیکھو میں تو ہمیشہ سے تمھارا انتظار کر رہا ہوں،، اب بھی، سنا تم نے اب بھی مجھے بس تمھارا انتظار ہے،،

وہ اس کے دونوں کندھوں کو تھام کر بولا۔

کاش سیاب، کاش یہ اتنا آسان ہوتا، رانا میر ہاشم، رانا میر دراب مار ڈالیں گے مجھے، ان کی غیرت کبھی گوارا نہیں کرے گی کہ ان کی بہو ان کے بیٹے سے طلاق لے کر کسی اور سے شادی کرے، وہ بیٹا ہے جو مرضی کر سکتا ہے، مگر ادھر سوال بہو کا ہے، نام نہاد غیرتیں جاگ اٹھیں گی، اور لوگو بولیں گے کہ بختاور کتنی بدکردار ہے، جب ایک سے جی بھر گیا تو دوسرا پن پکڑ،

شٹ اپ بخت،، وہ دھاڑا۔ نہیں چاہتی کہ میرا ہاتھ اٹھ جائے تو بکواس بند کرو اپنی،، وہ غرایا تھا۔

بختاور نے اس کے سینے پر سر ٹکایا تھا اور بے تحاشا رو دی تھی۔

سچ تو سچ ہے ناں سیاب،، وہ ہچکیوں کے درمیان بولی۔

افراسیاب نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا تھا۔ کچھ بھی کہو بخت، ہمیشہ سے تمہارا انتظار کرتا تھا اور ہمیشہ کرتا رہوں گا، اب دیکھتے ہیں کب میرا یہ انتظار معتبر ٹھہرے گا اور کب مجھے اپنے انتظار کا پھل ملے گا،، وہ جزب سے کہتا اسے محسوس کیے گیا۔ جب وہ جھٹکے سے پیچھے ہٹی تھی۔

مت کرو انتظار سیاب،، رائیگاں نا چلا جائے، میرے انتظار کی طرح،
نہیں جائے گا بخت،، مجھے میری محبت پر پورا بھروسہ ہے،، وہ کہتا رکا نہیں تھا جا چکا تھا۔
اور بختاور بھیگی پلکیں لیے اس کے قدموں کی آہٹ سنتی رہی۔

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

ڈھلتی دوپہر تک وہ ایبٹ آباد کی خوبصورت وادیوں میں داخل ہو چکے تھے۔ یہ سفر زندگی کا خوبصورت ترین سفر رہا۔
یہ میر ہادی کا فارم ہاؤس تھا جو تھا تو چھوٹا سا مگر مگر انتہائی خوبصورت، سامنے ایک گراؤنڈ بھی تھا جہاں ٹورسٹ اپنا ٹائل سپینڈ کرتے، کھیلتے کودتے اور انجوائے کرتے تھے۔

لویزا بہت تھک چکی تھی۔ اسی لئے آتے ساتھ ہی لیٹ کر سو گئی۔ جبکہ اجالا جو راستے میں سو گئی تھی اب کافی فریش تھی اور آتے ساتھ ہی عالی کے ساتھ باہر نکل گئی تھی۔

وہ کافی دیر سے اس کے اٹھنے کا انتظار کرتا رہا مگر وہ تس سے مس نا ہوئی۔ پھر آوازیں بھی دیں مگر اثر ندارد ۔ اب وہ اس کے قریب چلایا آیا اسے میر ہادی سٹائل میں جگانے کے لئے ۔

سب سے پہلے اس کے پاؤں پر گدگدی کی تھی۔ وہ بری طرح کسمسائی۔ پھر ویسٹ پر لب رکھے۔ اس نے کروٹ بدلی۔

اب وہ مکمل اس پر قابض ہوا اس کی گردن پر جھکا تھا۔ ہلکی بئیرڈ کی جلتی سی چبھن محسوس کر اس نے اپنی آنکھیں کھولیں تھیں اور خود پر اسے جھکے دیکھ اس کے کندھوں پر مکے برسائے۔

ہادی،، یہ کیا،، پیچھے ہٹیں،، وہ غرائی۔

نہیں ہٹا تو،، بالوں کی خوشبو کو اپنی روح میں اتارتا وہ اطمینان سے بولا۔

تو میں اپنا بیلن لے آؤں گی کچن سے، وہ اس کی شرٹ دبوچتی اپنے روبرو کر کے دھمکی دیتی بولی۔

آں ہاں،، رائٹ، تم کھیلتی رہو بیلن بیلن، رانا کا ایک وار ہی نہیں جھیل پاؤ گی،، میں تو چلا، باہر گراؤنڈ میں کافی گرلز ہیں ان کے ساتھ کرکٹ کھیلنے، بعد میں شکوہ مت کرنا، وہ بول کر اسے آگ لگا کر باہر نکل گیا۔

وہ جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھی۔ اور بیڈ سے نیچے اتری۔

تجسس کے مارے کھڑکی تک آئی تو حیرت سے آنکھیں پھیل چکی تھیں۔ وہ جس نے باقاعدہ ابھی اپنے سیاسی کیئرئر کا آغاز بھی نہیں کیا تھا بڑے مزے سے لڑکیاں اس کے گرد شہد کی مکھیوں کی طرح جمگھٹا بنائے آٹوگراف لینے کی تگ و دو میں مری جا رہیں تھیں۔

بلیک ٹوپیس کے اوپر بلیک سن گلاسز، لگائے وہ لگ بھی تو اتنا ہینڈسم اور ڈیشنگ رہا تھا۔

یہ فارم ہاؤس آپ کا ہے سر، آپ ادھر رہنے آئے ہیں،،

آف کوارسیس،، وہ سکون سے بولا۔

وہ محسوس کر چکا تھا کہ لویزا اسے دیکھ رہی ہے تبھی گہرا مسکرایا۔

واٹ اباؤٹ آ گیم گرلز،، کون کون کھیلنا چاہے گا،،، وہ واپس مڑ کر سٹور روم سے بیٹ اور بال اٹھا لایا تھا۔

وہ تو چیخیں مار کر تالیاں بجاتی گراونڈ میں پھیل گئیں۔

ادھر وہ جل بھن کر کباب ہوئی تھی۔ وہ بھی سرخ لباس میں لال آگ کا گولہ بن چکی تھی۔

کرکٹ وہ کھیل رہے تھے اور آؤٹ لویزا کے دل و دماغ ہو رہے تھے۔ اور اب تو غم وغصے کی انتہا سے وہ دانت کچکچاتی آگے گراؤنڈ میں بڑھی تھی اور وہی وکٹ نکال کر ان لڑکیوں کی جانب لپکی۔ اس سے پہلے وہ ان لڑکیوں کے پہلو سینک دیتی جو خواہ مخواہ اس کے وڈیرا جی سے فری ہونے کی کوشش کر رہیں تھیں اب وہ چیخیں مارتے وہاں سے دور بھاگی کھکھلا کر ہنس رہیں تھیں۔

وہ تو دسترس سے باہر ہو گئی تھیں مگر وہ میر ہادی کی ضرور درگت بنا سکتی تھی۔ جو اطمینان سے اب ہاتھ باندھے اپنی لیڈی موگیمبو کو اپنی جانب بڑھتے دیکھ رہا تھا۔

کہا تھا نا ایلو، نہیں جھیل پاؤ گی مت الجھو،، اب کیوں جل بھن کر کباب ہو رہی ہو،،

میر ہادی نے دانتوں تلے لب دبایا۔

وہ پاس آئی اور وکٹ ہوا میں لہرائی۔

کیا؟ ،، مارو گی مجھے،، میر ہادی نے آئیبرو اچکائی۔

نو ہنی،، آپ سے کس نے کہا کہ ماروں گی میں آپ کو،، وہ کہتی ہیروئن سٹائل میں آنکھیں پٹپٹاتی اس کے کندھوں کے پیچھے وکٹ رکھ کر دونوں ہاتھوں سے وکٹ تھام کر میر ہادی کو اپنی جانب جھکایا۔ کہ ایک مرتبہ تو میر ہادی کے بھی ہوش اڑے تھے۔

ایکچوئلی میں تو اپنے ہینڈسم سے ہبی کو ڈھیر سارا پیار کرنے والی ہوں، وہ باآواز بلند بھکی سی بولی تاکہ پیچھے کھڑی ان چوڑیلوں کو لازمی سنائی دے۔

اب اس نے اوپر ہو کر میر ہادی کے چہرے پر پیار کی مہریں ثبت کرنا شروع کی تھیں۔ میر ہادی نے مسکراتے اس کی جلن میں اپنا سکون پایا۔

وہ لڑکیاں آنکھوں پر ہاتھ رکھتی چیختی وہاں سے بھاگ کھڑی ہوئیں۔

ایلو نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ میدان صاف تھا۔ وہ گہرا مسکراتی، وکٹ پھینکتی ہاتھ جھاڑتی پیچھے ہٹی۔ ان کو تو بھگا دیا اب اس ایلو کی جان کو مجھ سے کون بچائے گا،، میر ہادی معنی خیز سا بولا۔

نو ہادی،، میں تو چلی،، وہ پیچھے مڑ کر بھاگنے کو تھی جب میر ہادی کے بازو اس کی کمر کے گرد حمائل ہوئے تھے۔ فوراً اسے بازوؤں میں بھرا۔ اسے اندر کی جانب جاتا دیکھ لیزا کے ہوش اڑے۔

ہادی گھومنے چلیں ،، لویزا نے اسے بچوں کی طرح بہلانا چاہا۔

نو میری جان خود ہی چھیڑا ہے اس عاشق کو اب جھیلنا بھی خود ہی پڑے گا ناں،، وہ دانتوں تلے لب دباتا اندر کی جانب بڑھا اور لویزا نے اس وقت کو کوسا جب وہ باہر آ کر اس بلا سے الجھتے خود ہی اس کے گلے پڑ گئی تھی۔

دل و نگاہ میں، بانہوں میں بھر لیا جائے
کسی طرح تجھے محفوظ کر لیا جائے

تمہارا ساتھ ملا ہے تو پھر ضروری ہے
کہیں ستاروں کے جھرمٹ میں گھر لیا جائے!

یہاں آئے آج ان کا دوسرا دن تھا۔ ایک دوسرے کی سنگت و قربت میں ہر دن عید اور ہر رات شب برات تھی جیسے۔ وہ آس پاس کی ساری جگہیں گھوم چکے تھے۔ مگر ڈھلتی دوپہر کے ساتھ لویزا کی طبیعت زرا بوجھل سی ہوئی تھی۔ اسی لئے میر ہادی اس کی طبیعت کو لے کر سخت حساس ہو گیا تھا۔

وہ جہاں گھومنے آئے تھے وہاں عالی، اجالا اور ہادی نے ہورس رائڈنگ کی تھی۔ لویزا کو بھی دیکھ کر شوق ہوا مگر میر ہادی نے اسے سختی سے منع کر دیا۔ پھر وہ بتہیرا اصرار کرتی رہی مگر میر ہادی یہ کہہ کر ٹس سے مس نا ہوا کہ پہلے سے اس کی طبیعت خراب ہے۔

وہ اس کو لے کر کوئی رسک نہیں لینے والا تھا۔ لویزا سخت قسم کی ناراض ہوئی تھی اس سے۔

ادھر عالی کو ایک لڑکی کے ساتھ جان بوجھ کر فری ہوتے دیکھ اجالا کا پارہ ہائی ہوا تھا۔ وہ دونوں پیر پٹختی ان کے ساتھ آئے بغیر فارم ہاؤس لوٹ آئیں تھیں۔۔ اور آ کر اپنے اپنے روم کی بجائے ایک تیسرے روم میں بند ہو چکی تھیں۔۔
وہ دونوں معنی خیز مسکان لیے ان کے پیچھے چلے آئے تھے۔

اپنے اپنے روم میں انھیں نا پاکر وہ ٹھنڈی آہیں بھرتے ان کے پیچھے چلے آئے تھے۔
ایک دوسرے کی جانب دیکھا میر ہادی نے کندھے اچکائے۔
لیزا،،، میر ہادی نے روم میں کے اندر آ کر پکارا۔
واٹ از دس یار، چلو اپنے روم میں آؤ، پہلے ہی طبیعت ٹھیک نہیں،،
اتنے میں ہی وہاں عالی چلا آیا۔ اجالا چلو اپنے روم میں،،

تو ہم نہیں آئیں گے، جائیں آپ لوگ، اج ہم اسی روم میں سوئیں گے،، اجالا نے لٹھ مار انداز، اپنایا۔

کیوں،، عالی نے آئبرو اچکائی۔

ہماری مرضی،، جواب لویزا کی جانب سے آیا۔ ۔ایلو،، روم میں چلو نہیں تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا،، ہادی نے وارننگ دی۔

نہیں تو کیا کریں گے آپ لوگ،، لویزا بھی کہاں دبنے والی تھی۔

پھر ہم جو کریں گے شاید تم لوگوں کو پسند نا آئے،، میر ہادی نے دانتوں تلے لب دبایا۔

رائٹ اگر تو یہ چیلنج ہے تو ہم ایکسیپٹ کرتے ہیں، جو مرضی کریں آپ لوگ، ہم اس روم سے باہر نہیں نکلنے والے،، اجالا نے کہا۔

ان دونوں نے ایک دوسرے کی جانب معنی خیز نگاہوں سے دیکھا۔ اور باہر نکل آئے۔۔

عالی تمھارے پاس وہ نمبر ہے،، ہادی نے دانستہ اونچی آواز میں کہا۔

لویزا اور اجالا کے کان کھڑے ہوئے تھے۔ وہ دونوں جا چکے کچھ دیر بعد ہی باہر سے پائلوں کی جھنکار کی آواز سنائی دی۔ وہ بے تحاشا متجسس ہوئیں۔ اس کے بعد تیز میوزک اور لاؤنج سے آتی آوازوں نے ان کے ہوش اڑائے تھے۔

لویزا یہ لوگ کیا لڑکیوں کے ساتھ ہیں،، اجالا کے پیٹ میں بل پڑے۔

پتہ نہیں شاید،، لویزا نے بھی ناخن چبائے۔

کافی دیر برداشت کرتی رہیں مگر آوازیں ہنوز آتی رہیں۔

لیزا جا کر دیکھیں آخر ہو کیا رہا ہے وہاں؟

یار نہیں جا سکتے باہر،، لویزا جھنجھلائی۔

مگر یہ آوازیں،، اجالا نے کھڑکی سے باہر جھانکا۔۔

تجسس کے مارے ان سے رہا نہیں جا رہا تھا۔ بے حد ناراضگی جتاتے ہوئے چیلنج کر تو لیا تھا ان سے کہ آج دونوں نے انھیں منہ نہیں لگانا اور اس روم سے باہر نہیں نکلنا کسی صورت ،، مگر رات کے گیارہ بجے لاؤنج سے آتی پائلوں کی جھنکار، تیز میوزک اور میر ہادی اور عالی کے قہقہوں کی آوازوں سے وہ سخت جھلا رہیں تھیں۔

لیزا یار، اگر وہ واقعی لڑکیوں کے ساتھ ہوئے تو ،،، اجالا نے بے چینی سے اپنے ہاتھوں کی انگلیاں چٹخائیں۔

تو پھر ہادی کو آج رانا لویزا میر ہادی سے تو اللہ ہی بچائے، وہ دانت کچکچاتی اجالا کا ہاتھ تھامے باہر نکلی۔ پہلے رخ کچن کا کیا ادھر سے بیلن اٹھا کر لائی پھر لاؤنج کی کھڑکی کی جانب گئی۔ چپکے سے جھانک کر دونوں نے اندر دیکھا تو دونوں کی آنکھیں حیرت و صدمے سے پھیل گئیں تھیں۔

اندر کا منظر ہی کچھ ایسا تھا۔

وہ دو لڑکیاں تھیں جو ملٹی کلر لہنگے پہنے گھونگھٹ نکالے پیروں میں پائلیں پہنے ناچنے میں مصروف تھیں۔ اور ان کے ساتھ ساتھ وہ دونوں ہلکے ہلکے ڈانس سٹیپ کر رہے تھے۔

چولی کے پیچھے کیا ہے،،،

چنری کے نیچے کیا ہے،،،،،

لویزا اور اجالا کے تو تلوؤں پر لگی سر پر بجھی تھی۔ طیش کے عالم میں اندر داخل ہوئیں تھیں اور بیلن سے ان کی ہڈی پسلی سینکتے ہوئے اچھی طرح بتایا تھا کہ چولی اور چنری کے نیچے کیا ہے--؟

وہ دونوں پہلے تو ہکا بکا کھڑے دیکھنے لگے مگر پھر لاؤنج میں چھت پھاڑ قہقہے گونجے تھے۔

جبکہ اجالا اور لویزا نے معصوم دوشیزاؤں کے گھونگھٹ پلٹے تو چولی کے پیچھے اور چنری کے نیچے ان کی یہ لمبی لمبی مونچھیں دیکھ کر دونوں کی چیخ ہی نکلی گئی۔ کیونکہ وہ بیچارے سکیورٹی گارڈ تھے جو میر ہادی کے عتاب کا نشانہ بنے تھے۔ اپنی کمر سہلاتے وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے تھے۔ وہ دونوں پیٹ پکڑے ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہو رہے تھے۔ وہ خجالت کے مارے سرخ ہوتی وہاں سے واپس بھاگنے کی تیاریوں میں تھیں مگر ان کی یہ کوشش ان دونوں نے ہی ناکام بنائی تھی۔

کہاں بیگم، چیلنج ہار چکی ہیں،، عالی نے اس کی کلائی تھامی۔اور جھٹکے سے بازوؤں میں اٹھایا۔

عالی یہ کیا بدتمیزی ہے،، وہ چلائی ہی تھی جب اسے لویزا کی ہلکی سی چیخ سنائی دی۔
کیونکہ اسے بھی میر ہادی بازوؤں میں بھر چکا تھا۔ اجالا اور لویزا کا دل کیا ماتھاپیٹ لیں
کہ کن بدتمیزوں اور ڈھیٹوں سے پالا پڑا تھا۔

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

اپنے روم میں لا کر اسے بیڈ پر نرمی سے اتارا تھا۔
لویزا نے اسے ناراضگی سے گھورا۔
واٹ،، نگاہوں سے ہی قتل کرنے کا ارادہ ہے کیا جان،، ہادی نے شرارت بھرے لہجے میں کہا اور اس کے پہلو میں بیٹھ گیا۔
ہادی اس وقت وومٹ ہو رہی تھی، مجھ سے کھانا سہی طرح نہیں کھایا گیا اب مجھے بھوک لگ رہی ہے،، وہ روہانسی ہوئی۔
اوہہہہ،،، کھانا گرم کر کے لاؤں؟
نو، مجھے کھانا نہیں کھانا،، اس نے پھر بری سی شکل بنائی۔

فاسٹ فوڈ آرڈر کروں؟ ہادی نے آپشن دیا۔

نہیں،،

آئسکریم؟

نو،،

جوس،؟

ہر گز نہیں،،

دودھ،؟

بلکل بھی نہیں،، گندی سی شکل بنائی میر ہادی کو ہنسی آئی۔ جب سے پریگننٹ ہوئی تھی ڈائٹ کے معاملے میں یونہی تنگ کر رہی تھی۔ ہر وقت بس کھٹی اور چٹ پٹی چیزیں۔ مگر میر ہادی بڑے تحمل سے اس کو ہینڈل کر رہا تھا۔

میرا بابو پھر کیا کھائے گا،، میر ہادی نے گہری مسکان لیے اس کو بازوؤں میں بھرتے پوچھا۔

آپ کا سر،، وہ جھلائی۔

سر ہی کیوں، پورے کے پورے کو کھا لو جان،، افففف بھی نہیں کروں گا،، لہجہ صاف شرارت بھرا تھا۔۔

ہادی پلیز تنگ مت کریں،، وہ جھنجلائی۔

اوکے میری جان شاید چاکلیٹ کھائے گی،، رائٹ وہ اپنے کوٹ کی پاکٹ سے بگ سائز چاکلیٹ نکالتا بولا۔ جسے دیکھ کر وہ کھل گئی۔

آپ کو کیسے پتہ مجھے چاکلیٹ چاہیے تھی،، اس نے چاکلیٹ پکڑ کر جلدی سے ریپر کھولا۔

میر دل تو تمھارے سینے میں دھڑکتا ہے میری جان،، وہ مسکرایا۔

وہ آدھی سے زیادہ چاکلیٹ کھا چکی تھی جب میر ہادی نے اسے یونہی تنگ کرنے کو کہا۔

ایلو ٹیچر نے کچھ شئرنگ وئرنگ کا نہیں سکھایا تھا یار،،

بلکل کڑوے کریلے،، سکھائی ہے شئیرنگ،، وہ ایِنان سے بولی۔

تو لاؤ دو، آئبرو اچکائی۔

اپنے بے بی کے ساتھ شئیر کر رہی ہوں،، وہ پھر سکون سے بولی۔میر ہادی نے اسے گھورا۔ اب لاسٹ بڑی سی بائٹ رہ گئی تھی۔

ایلو شرافت سے دے دو ورنہ چھین لوں گا،، میر ہادی نے کہتے فنگر اٹھا کر وارن کرنا چاہا۔ مگر

اوووووووو،،، میں تو ڈر گئی، ہمت ہے تو چھین کے دکھائیں، یہ کہتے اس نے وہ بائٹ منہ میں ڈالی تھی۔

پر سامنے بھی بے شرم میر ہادی تھا اس سے پہلے کو وہ چاکلیٹ چبا کر نگلتی میر ہادی نے تیزی اس کے بالوں میں انگلیاں پھنسا کر اس کے ہونٹوں کو اپنی دسترس میں لیا تھا۔ لویزا کی آنکھیں حیرت سے پھیل چکیں تھیں۔

بہت جلد میر ہادی کو چاکلیٹ کا ذائقہ اپنے منہ میں گھلتا محسوس ہوا۔

لویزا نے اسے کے سینے پر مکے برسائے تھے۔ وہ چھت پھاڑ قہقہہ لگاتا دور ہٹا۔ وہ نڈھال سی ہو کر تکیے پر گری۔

ہادی بہت بدتمیز اور گندے ہیں آپ،، لویزا نے تکیے اٹھا کر اس کے سر میں دے مارا تھا۔

اب پتہ چلا میری جان کو،، مخصوص ڈائلاگ بول کر ڈھٹائی کا مظاہرہ کرتے اس کا سر اپنے سینے پر رکھا تھا۔

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

اگلے دن وہ ایبٹ آباد کی قدیم ترین مسجد الیاسی مسجد گھومنے گئے تھے۔جس کے قریب پہاڑوں سے ایک میٹھے پانی کا چمشہ بہہ رہا تھا اور یہ منظر ایک خوبصورت ترین منظر اور قدرت کا ایک شہکار تھا۔

اجالا اور عالی اپنی ہی دنیا اور نوک جھونک میں مصروف تھے۔ میر ہادی اس کے لئے قریبی شاپ سے جوسے لینے گیا تھا۔ وہ کھڑی بہتے چشمے کو دیکھ رہی تھی۔
لویزا،،، شدید حیرت میں ڈوبی ایک مردانہ جانی پہچانی سی آواز سنائی دی تو وہ جھٹکے سے پیچھے مڑی تھی۔ پیچھے ایک اجنبی کو خود کو حیرت و صدمے سے دیکھتے پایا۔

لویزا تم زندہ ہو، یہ کوئی خواب ہے او میرے خدایا، میں ظفر،، پہچانا نہیں لویزا، تم کہاں چلیں گیئں تھیں ہمیں چھوڑ کر ،، مجھے چھوڑ کر،، ظفر حیرت سے گنگ اسے دیکھے گیا۔ بہت ناقابل فہم تھا ۔ یقین کرنا چاہتا تھا کہ وہ اس کے سامنے ہے تبھی لویزا کی کلائی نرمی سے تھامی تھی۔

وہ بھی تو حیرت سے اسے پہچاننے کی کوشش کر رہی تھی کیونکہ شکل و صورت اور آواز کافی جانی پہچانی لگ رہی تھی۔

آپ،، اس سے پہلے وہ کچھ کہتی

ہیے یو،، ہاؤ ڈئیر ٹوچ مائی وائف،، میر ہادی جو جوس لے کر واپس آیا تھا سامنے کے منظر نے اسے سر تا پا جھلسا ڈالا تھا اس لئے اس کی دھاڑ سے پورا ایریا گونج اٹھا تھا۔ جھٹکے سے آ کر سامنے والے کی گرفت سے لویزا کی کلائی چھڑائی تھی۔

آپ بات سنیں میری ،، اتنے ہائپر کیوں ہو رہے ہیں، یہ کزن ہے میری، میں جانتا ہوں اس کو یہ اقبا،،،

شٹ اپ جسٹ شٹ اپ،، جانتا ہوں میں تم جیسوں کو فری ہونے کی کوشش کر رہے ہو، ٹچ بھی کیسے کیا اسے،، وہ چلا کر جان بوجھ کر اچھا خاصا تماشہ لگا چکا تھا۔

اجالا نے قریب آنا چاہا مگر عالی نے اسے بازو سے دبوچ کر روک لیا۔ ایک مرتبہ پھر اجالا ان دونوں دوستوں کی خود غرضی پر کلس کر رہ گئی۔

ہادی یہ مجھے جانتے ہیں شاید،، کوئی بدتمیزی نہیں کر رہے تھے، ان کی بات تو سنیں،، لویزا منمنائی۔

لیزا تم نہیں جانتی ان جیسوں کو،، وہ ظفر کو بھیڑ میں چھوڑ کر تیزی سے اسے لئے باہر نکلا تھا۔ لوگ ظفر کو لعن طعن کرنے میں مصروف تھے۔ اس نے بھیڑ سے نکل کر لویزا کے پیچھے نکلنا چاہا مگر نکل نا پایا۔

ہادی ایک دفعہ اس کی بات تو سن لیتے، اس نے خود سے میرا نام پکارا،،

ہمارے ہی منہ سے سن لیا ہوگا لیزا، تم بہت معصوم ہو،،نہیں جانتی لوگوں کو،، وہ جبڑے بھینچ کر بولتا وہاں سے گاڑہ نکالتا چلا گیا۔

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

یہ حسین دن ،، قیمتی پل کیسے گزرے پتہ ہی نہیں چلا۔ ایک ہفتے کے بعد وہ واپس آئے تھے۔

میر ہادی اسے لیے میر لاج ہی واپس آیا تھا۔

اب وہ اسے باہر لے جا کر کسی بھی قسم کا راک نہیں لینے والا تھا۔

کسی قیمت پر اسے کھو نہیں سکتا تھا کبھی اسے خود سے دور نہیں کر سکتا تھا ایسی سوچ ہی سوچتے اس کی سانس اٹکنے لگی تھی۔

آتے ساتھ ہی میکس لویزا کے پاؤں میں لوٹنے لگا تھا۔

او مائی کیوٹی پائی میں نے تمھیں بے حد مس کیا،، ڈو یو مس می ٹو،،،، لویزا میکس کے لاڈ اٹھانے میں مصروف تھی۔

جب میر ہادی کا فون بجا۔

وہ فون لیے ایک سائڈ پر گیا تھا۔ رانا میر دراب کا فون تھا۔

وہی ایک ہی تکرار سن سن کر اب وہ اکتا چکا تھا۔ بس نا چلتا تھا خود کو اور لویزا کو دنیا کی نگاہوں سے اوجھل ہی کر دے۔

اب بھی میر دراب لویزا کو حویلی لانے کی بات کر رہے تھے۔ جبکہ وہ گاڑیوں کے شورومز کی چین کی شروعات کر چکا تھا۔ سیاست میں رتی برابر بھی دلچسپی نہیں تھی اسے۔
بابا سائیں کتنی مرتبہ بولوں آپ سے کہ میں اسے حویلی ہر گز نہیں لاؤں گا تو کیوں ضد کرتے ہیں،،اور یہ یقیناً داداسائیں آپ کو فورس کرتے ہیں تب آپ مجھے فون کرتے ہیں،، ہیں ناں،، وہ کتاہٹ بھرے لہجے میں بولا۔
لویزا اس کی گوہر افشانی بخوبی سن رہی تھی۔

تو جب جانتے ہو میر ہادی تو مان کیوں نہیں لیتے ان کی بات، وہ چاہتے ہیں کہ بچے کی پیدائش،،
آپ لوگ اس کی پیدائش کی فکر چھوڑ کیوں نہیں دیتے آخر،، اس کی فکر کرنے کو اس کا باپ ہے،، آپ لوگ پلیز مجھے سکون سے رہنے دیں، اور جب دل چاہے آ کر مل لیا کریں، مگر میں حویلی نہیں آؤں گا،، جھنجھلا کر کہتے اس نے فون کٹ کیا تھا۔
آپ بابا کی بات مان کیوں نہیں لیتے، لویزا نے قریب آ کر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا تھا۔

میں تمھارے معاملے میں کسی پر بھی ٹرسٹ نہیں کرنا چاہتا، اپنے گھر والوں پر بھی نہیں ، نرمی سے کہتے اس کا بازو تھام کر اندر کی جانب بڑھا۔

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

وہ دکان کے کسی کام سے ایبٹ آباد گیا تھا۔ اور وہاں یہ سب ہو گیا ۔ ابھی تک اعتبار کرنا مشکل تھا کہ وہ لویزا اقبال ہی تھی۔ مگر اس کے نام پکارنے پر تو پلٹی تھی۔

ممتاز بیگم کو ساری بات من و عن بتاتے ہوئے وہ پھر اپنے نصیب کو رویا تھا۔

آپ کہتی تھی امی کے صبر کرو، مگر مجھے صبر نہیں آیا، آتا بھی کیسے؟ صبر تو مرے ہوؤں پر آتا ہے، زندہ لوگوں پر نہیں آتا، کیوں ہوا میرے ساتھ ایسا امی، اور وہ مجھے پہچان کر بھی پہچاننے کی کوشش کر رہی تھی، مجھے لگتا ہے امی اس ایکسڈینٹ میں اس کی یاداشت چلی گئی، اور اس امیر زادے نے اس چیز کا فائدہ اٹھایا ہو گا، میں چھوڑو گا نہیں اسے، وہ پتہ نہیں کس حال میں ہو گی، اب میں اپنی لویزا کو واپس لاؤں گا، ہر قیمت پر، اسے ڈھونڈ کر اسے سب یاد کرواؤں گا،

وہ جھٹکے سے اٹھ کر باہر نکل گیا اور ممتاز بیگم نے اپنا سر پکڑ لیا۔

مگر وہ نہیں جانتا تھا یہ اتنا آسان بھی نہیں تھا۔ اب تو وہ ایک حسین خواب ہی تھی جس کی تعبیر اس کی دسترس سے کافی دور تھی۔

ہوا بھی یہی کتنے دن، مہینے گزر چکے تھے اسے نگر نگر کی خاک چھانتے مگر لویزا نے نہیں ملنا تھا نہیں ملی۔

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

وہ فریش ہو کر واش روم سے باہر نکلی تھی۔ آہستگی سے محتاط قدم اٹھاتی ڈرسنگ تک آئی۔ بلیک فراک ٹراؤزر میں ممتا سے بھرا بھرا پر نور وجود، دوپٹہ بیڈ پر پڑا تھا۔ نائن منتھ سٹارٹ ہو چکا تھا، ممتا کے نور نے ایک الگ ہی الوہی روپ بخشا تھا اسے، تبھی میر ہادی جو ابھی ابھی روم میں داخل ہوا تھا اسے دیکھ اپنی جگہ پر قدم جم چکے تھے۔

لویزا نے خود کو گہری نگاہوں کی تپش کے حصار میں پایا تو پیچھے مڑی۔

مگر اسے یوں خود کو دیکھتے پایا تو چہرہ نے لہو چھلکایا اور دل یکدم سکڑ کر پھیلا۔ اب تک وہ اس کی ان نگاہوں کی تاب لانے کی سکت خود میں نہیں پاتی تھی۔ تبھی آگے بڑھ کر شال اٹھائی اور اپنے وجود کے گرد لپیٹی۔

وہ اس کی اس شرمانے کی ادا پر سرشار سا ہوتا گہرا مسکرایا۔ اور اس کے قریب آیا۔

ہو گئی پیکنگ ایلو جان،،؟ اسے بازوؤں کے حصار میں بھر کر ماتھے پر لب رکھتے پوچھا۔

ہادی کیا ہے آپ کو،،اس نے اکتائی سی شکل بنائی، آپ جائیں نا جہاں جانا ہے، مجھے ساتھ لے جانا ضروری ہے کیا،،میں ادھر ہی رہ جاتی ہوں اجالا میرے پاس آ جائے گی، اس حالت میں میں ہر جگہ جاتی پھروں، شرم آتی ہے مجھے اور آپ،،

اشششش،،،، میر ہادی نے اس کے لبوں پر انگلی رکھی۔

جانا بھی ضروری ہے، اور تمھیں ساتھ لے جانا تو اور بھی ضروری ہے، میں نہیں چاہتا جب وہ وقت ہو اور میں تمھارے پاس نہ ہوں، اسی لئے تمھارا میرے پاس میرے قریب ہونا بے تحاشا ضروری ہے،، وہ نرمی سے اسے بیڈ پر بٹھاتا اس کے بال برش کرنے لگا۔

پریگنینسی کے ان مہینوں میں کیا کچھ نہیں تھا جو میر ہادی نے اس کے لئے نا کیا تھا۔
اس کی ہر چھوٹی سے چھوٹی ضرورت کا خیال رکھا۔ اس کے پل پل بدلتے موڈ سوئنگز کو تحمل سے برداشت کیا۔ نا صرف برداشت کیا بلکہ ہر تکلیف ہر درد میں اس کی دلجوئی کی۔

اور اب بابا اور دادا سائیں کی طرف سے اسے اس شرط پر سیاست سے جان چھڑانے کا موقع مل رہا تھا کہ فی الحال وہ آنے والے الیکشن کی چلنے والی کمپین میں ان کا ساتھ دے اور مختلف شہروں میں ہونے والے جلسے اور میٹنگ کو اٹینڈ کرے۔
اب بھی انھوںنے اسے فیصل آباد جانے کا کہا تھا۔ ان گزرتے مہینوں میں ایک دن ایک بھی رات میر ہادی نے لویزا کو اکیلا نہیں چھوڑا تھا۔ تبھی اب بھی اسے ساتھ لے جانے کی ضد کر بیٹھا تھا۔
مگر نہیں جانتا تھا یہ ضد اس کی زندگی کا غلط ترین فیصلہ تھا کہ جس کی وجہ سے اس کا سکھ چین، نیند سکون سب برباد ہو جائے گا۔

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

فیصل آباد گھنٹہ گھر کے قریب رائل ہوٹل کے باہر گاڑی رکی تو افضل نے جلدی سے اتر کر میر ہادی کی جانب کا دروازہ کھولا تھا۔

جبکہ میر ہادی نے دوسری طرف آ کر لویزا کی جانب کا دروازہ کھولا اور اپنا ہاتھ آگے بڑھایا۔ لویزا نے میر ہادی کا ہاتھ تھاما اور آہستگی سے گاڑی سے باہر آئی۔ وہ بڑی سی شال میں خود کو کور کیے ہوئے تھی۔

لویزا کی نگاہ ہوٹل کے مخالف سمت سڑک کے اس پار اٹھی تو پلٹنا بھول گئی تھی۔ وہ کھوئی کھوئی سی آس پاس کے مناظر دیکھ رہی تھی۔

ہادی آگے بڑھا مگر لویزا کا ہاتھ تھام رکھا تھا وہ آگے نہیں بڑھی تو اسے بھی رکنا پڑا۔

چلو لیزا،، ہادی نے اس کو متوجہ کرنا چاہا۔

نو ہادی،، مجھے وہ سامنے وہاں ایک مٹھائی کی شاپ ہے ادھر کا پتیسہ کھانا ہے،، وہ مچلی۔

لیزا، تمھیں کیسے پتہ،، میر ہادی کا سانس اٹکا۔

مجھے پتہ ہے چلیں تو سہی،، لویزا نے کہا تو مجبوراً اسے سڑک کے اس پار جانا پڑا۔

مگر لویزا کو سڑک کے اس پار جا کر سخت مایوس ہونا پڑا کیونکہ وہاں مٹھائی کی دکان کی بجائے ایک بڑا ریسٹورنٹ تھا۔

میر ہادی نے سکون کا سانس لیا۔

دیکھا نہیں ہے مٹھائی کی شاپ اب چلو،،

تبھی رانا میر ہادی کو اپنے ریسٹورنٹ کے باہر کھڑے دیکھ مینجر خود باہر آیا تھا۔

آیئے نا سر، پلیز تشریف لائے،، اس نے مسکرا کر کہا۔

نو،، تھینکس، میری وائف کو جس چیز کی تلاش تھی وہ تو ملی نہیں، اب کچھ نہیں چاہیے،، میر ہادی نے مسکراتے آسودگی سے کہا۔

کیا چاہیے تھا آپ کی وائف کو سر،، مینجر حیران ہوا۔

یہاں ایک مٹھائی کی شاپ ہوا کرتی تھی، اور اس کا پتیسہ بہت مشہور تھا شاید یا ہو سکتا ہے مجھے غلط فہمی ہوئی ہو،، لویزا نے مایوسی سے کہا

یس میم،، یہاں میرے بابا کی مٹھائی کی شاپ تھی، اور ان کا پتیسہ بہت فیمس تھا، مگر دو سال پہلے ان کی ڈیتھ کے بعد ہمیں وہ شاپ سیل کرنی پڑی،مگر اسی جگہ پر میں نے اپنے ریسٹورنٹ کا آغاز کیا ہے، آپ تو پہلی مرتبہ آئی ہیں ناں یہاں ؟ تو آپ کو کیسے معلوم،

مینجر کی بات پر لویزا کا چہرہ کھلا تھا جبکہ میر ہادی کے چہرے پر تاریکی چھائی تھی۔

رئیلی، ایسا ہے کیا، اور اس مٹھائی کی دکان کی بیک سائیڈ پر ، ایک بڑی مسجد ہے، ہے ناں،،

یس میم،، بلکل ایسا ہی ہے، مینجر کو حیرت ہوئی۔

ہادی مجھے لگتا ہے میں یہاں پہلے بھی آئی ہوں، سب جانا پہچانا لگ رہا ہے، سب کچھ، آپ مجھے یہاں گھمائیں ناں، ہو سکتا ہے مجھے سب یاد آ جائے،

لویزا،، ابھی چلو یہاں سے،

نہیں ہادی، مجھے مسجد دیکھنی ہے، وہ مچلی

نو لیزا، تم تھک گئی ہو گی، طبیعت خراب ہو جائے گی چلو یہاں سے،، میر ہادی کا بس نہیں چل رہا تھا اسے یہاں سے غائب ہی کر دے۔ لہجے میں پہلی مرتبہ اس کے لئے سختی در آئی تھی۔

نہیں مجھے وہ اس شاپ سے بیک سائیڈ والی گلی دیکھنی ہے،،

نو،، تم ابھی کہ ابھی ہوٹل چل رہی ہو،، وہ غرایا۔ اور اس سے پہلے میں تمھیں اٹھا کر لے جاؤں لیزا چلو یہاں سے،، وہ دانت پیس کر بولا۔

اور لویزا کا بازو پکڑ کر اسے تقریباً گھسیٹتا ہوٹل کی جانب لے گیا۔ میر ہادی کی گرفت میں اتنی شدت اور وحشت تھی کہ لویزا کی حیرت و صدمے والی کیفیت تھی۔

ہوٹل میں کمرے میں لا کر ہی اس کا بازو اپنی گرفت سے آزاد کیا تھا۔

ہادی واٹس رونگ ود یو،،؟ لویزا روہانسی ہوئی۔

واٹ،، میں نے کیا کیا،، ٹائم نہیں تھا لویزا مجھے میٹنگ کے لئے نکلنا ہے،، میر ہادی نے نگاہیں چراتے کہا۔

اب تو مجھے ایسا لگتا ہے جیسے آپ چاہتے ہی نہیں کہ میری یادیں واپس آئیں، ہادی کیا ہوا تھا ہمارے پاسٹ میں بتائیں مجھے،، وہ اس کے سامنے آئی تھی۔

کچھ نہیں ہوا تھا، دماغ پر مت زور ڈالو،، طبیعت خراب ہو جائے گی، ریسٹ کرو، میں میٹنگ اٹینڈ کر کے آتا ہوں،، پھر جہاں چاہو گی وہاں گھما کر لاؤں گا،، اوکے، اس کا چہرہ ہاتھوں میں بھرتے ماتھے پر تشنہ لب رکھے۔ اسے تسلی دی۔ اور بیگ میں سے فائل نکال کر باہر نکلتا چلا گیا۔

کوریڈور سے نکلتا وہ باہر آیا تھا۔ گارڈز، اور افضل اس کے پیچھے تھے۔

چھوٹے سائیں مجھے کچھ گڑبڑ لگ رہی ہے،، افضل نے کہا تو میر ہادی گہری سوچ میں ڈوبا۔

اونہہہہ،، مجھے بھی، ایسا کرو، ڈیٹیلز نکلواؤ کہ اس کا اس شہر سے کیا تعلق کیا لینا دینا ہے، میٹنگ کے بعد مجھے تمام ڈیٹیلز اپنے ٹیبل پر چاہیں،، رائٹ،

جی چھوٹے سائیں،افضل نے اثبات میں سر ہلایا۔

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

میٹنگ کے بعد جو ڈیٹیلز اس کے ٹیبل پر تھیں وہ ناقابلِ فہم تھیں اور میر ہادی کے ہوش ضرور اڑا گئیں تھیں۔

لویزا کی پیدائش تک اسی شہر کی تھی۔ یہیں پل بڑھ کر جوان ہوئی اور ابھی کچھ عرصے پہلے وہ لوگ لاہور شفٹ ہوئے تھے۔ لویزا کے یونی جانے کی وجہ سے، ان کا پرانا گھر اسی مسجد والی سٹریٹ پر تھا جہاں وہ جانے کی ضد کر رہی تھی۔

میر ہادی کا دل کیا اسے یہاں سے لے کر کہیں غائب ہی ہو جائے۔ وہ غلطی سے وہاں آن پہنچا تھا جہاں کہ چپے چپے سے اس کی یادیں وابستہ ہوں گیں۔

مگر اسے تین دن با امر مجبوری یہاں رکنا ہی تھا۔

تین دن ہو چکے تھے، وہ یا تو اتنا ہی مصروف تھا جتنا ظاہر کر رہا تھا۔ کیونکہ پہلے بھی لاکھ مصروفیات ہونے کے باوجود کبھی یوں نہیں ہوا تھا۔ کہ میر ہادی کے پاس اس کی بات سننے کا بھی وقت نہیں ہو اور وہ اس کی جانب سے بلکل ہی لاپرواہ ہوجائے۔ اب تو جیسے وہ وہاں ہو کر بھی وہاں نہیں تھا۔

کئی مرتبہ اسے اس نے کہنے کی کوشش کی کہ وہ باہر جانا چاہتی ہے، جانے کیوں دل ہمک ہمک کر اسی گلی میں جانے کو چاہ رہا تھا۔

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

آج یہاں ان کی پارٹی کا بہت بڑا پاور شو تھا۔ بڑے پیمانے پر جلسے کی تیاریاں کی جا رہیں تھیں۔ میر ہادی اسی سلسے میں گراؤنڈ میں تھا۔ جبکہ اس کے روم کے باہر کافی سارے گارڈز پہرہ دے رہے تھے۔

وہ مختلف سوچوں کی الجھن کا شکار تھی۔ اس پر متضاد یہ کہ میر ہادی نے کہا تھا وہ تیار رہے انھیں جلسے کے بعد فورا یہاں سے نکلنا ہے۔

وہ یہاں گھومے بغیر بلکل بھی واپس نہیں جانا چاہتی تھی۔۔

اسی لئے چپکے سے خود کو چادر سے مکمل طور پر ڈھانپے پچھلے کوریڈور کے دروازے سے باہر نکلی۔ مختلف کمروں کے پیچھے سے وہ ہوٹل کے گیٹ تک پہنچی اور بڑی آسانی سے گارڈز کو چکما دے کر وہاں سے نکل آئی۔

سڑک کراس کر کے وہ مسجد سے سامنے والی سٹریٹ میں داخل ہوئی تھی۔ اور قدم خود بخود اپنے گھر کے سامنے آ کر رکے۔

کھوئے کھوئے انداز میں اس نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ کچھ چہرے،ذہن میں واضح ہونے لگے کچھ باتیں ذہن میں گونجنے لگیں۔

لیزووووووو،،،،،

بابا،،، وہ جھٹکے سے پیچھے مڑی۔ مگر کوئی نہیں تھا۔

(دیکھیں زرا، اپنی لاڈلی کو پھر لڑکوں کو پیٹ کر آ گئی، اور اپنا حشر بھی بگاڑ لیا، ارے میں پوچھتی ہوں، یہ کیوں ہے اتنی مرد مار،، لڑکیوں جیسی کوئی بات بھی ہے اس میں کہ نہیں،،

چھوڑو بھی نیک بخت، مجھے میری پرنسز یونہی شیرنی کے روپ میں اچھی لگتی ہے، ابھی جو گیدڑوں کا حشر کیا دیکھا میں نے،، ہاہاہاہا)

امی،، بابا،، لویزا بے چین ہوئی۔

تبھی ایک لڑکی باہر آئی تھی۔

لویزا تم،،، وہ اسے دیکھ اس کے گلے سے لپٹ ہی گئی۔۔

تم،، تم فوزی ،فوزیہ ہو ناں،،لویزا نے زہن پر زور ڈالا۔ کئی چہرے، باتیں، جگھیں، واقع آپس میں گڈ مڈ ہوئے۔ لویزا نے اپنی کنپٹیاں سہلائیں۔

ہاں میں فوزیہ، تمھاری بچپن کی سہیلی،، آؤ اندر آؤ ناں،، اس نے لویزا کا بازو تھاما اور اندر چلی گئی۔

تم ہمارے گھر میں کیسے،، لویزا نے کہا تو اس نے مڑ کر حیرت سے اسے دیکھا۔

لیزا بھول گئیں،، انکل اقبال سے یہ گھر ہم نے ہی تو خریدا تھا۔

وہ کھوئی کھوئی سی صحن میں لگے اس امرود کے درخت کے پاس آئی۔

(بابا،، مجھے وہ امرود کھانا ہے، مگر میرا ہاتھ نہیں پہنچ رہا اس تک،، وہ روہانسی ہوئی۔

میں اپنی پرنسز کو وہی لا کر دوں گا زرا صبر کرو، ابھی لایا، اب وہ سٹول رکھ کر اسے سب سے اوپر والا امرود توڑتے نظر آئے سٹول زرا سا ہلا۔

بابا،،،،،،،،،،،،،)

بابا،، لویزا چیخی،

کیا ہوا لویزا،، فوزیہ نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

نن،، نہیں کچھ نہیں،، لویزا نے اپنا ماتھا سہلایا۔

یہ وہی درخت ہے جس کے نیچے ہم کھیلا کرتے تھے، تم ٹھہرو میں تمھارے لیے چائے بناتی ہوں۔

وہ گئی تو لویزا نے چاروں طرف نگاہ دوڑائی۔

اسے واقعی تنہائی چاہیے تھی۔

اس درخت کے دوسری طرف لویزا کے بابا نے اس کا نام بھی لکھا تھا۔ وہ جلدی سے اس جانب گئی۔۔

کب سے جو دھندلے چہرے تھے دماغ میں وہ واضح ہونے لگے۔

باتیں وضاحت سے سنائی دینے لگیں۔ واقعات اور جگہیں بھی واضح ہونے لگی۔ اسے سب یاد آنے لگا۔ اس نے اپنے بال مٹھیوں میں جکڑے۔

یہاں تک تو ٹھیک تھا۔

مگر اس سے آگے لاہور شفٹنگ

یونیورسٹی کی زندگی،

رانا میر ہادی، اور اس سے جھگڑا

تھپڑ،

اس کی کڈنیپنگ، اور وہ اندوہناک خبر،،

وہ حادثہ،،

پھر ایک شخص کے ہاتھوں کی کٹھ پتلی بن جانا،

اس کا من پسند کھلونہ بن جانا،

جھوٹ ، جھوٹ اور صرف جھوٹ،

ہر بات جھوٹ، ہر عمل جھوٹ،

سراب،

پھر تو وہ محبت بھی محبت نہیں جھوٹ تھا۔

مکرو فریب کا جال،

لویزا کا دل بند ہونے لگا۔ ہوا میں آکسیجن کی سخت کمی محسوس ہوئی۔ دم گھٹنے لگا۔ وہ تیزی سے اس گھر سے باہر نکلی تھی۔

غائب دماغی سے ہی سڑک پر چلنے لگی۔

یادِ ماضی،،،،،،،،،، عذاب ہے یا رب
چھین لے مجھ سے حافظہ میرا

اے کاش، ایک مرتبہ پھر ایسا کچھ ہو جائے اور اس کا حافظہ چھین لیا جائے، یا وہ کبھی یہاں آئی ہی نا ہوتی۔ بے تحاشا روتے رستے بھی بار بار دھندلانے لگے۔ سانس لینے میں دقت محسوس ہو رہی تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ نیم جان وہیں کہیں گر پڑتی موبائل نکال کر جلدی سے لاہور کے لئے کیب کروائی تھی۔

تمام رستے وہ ڈرائیور کی پرواہ کیے بغیر پھوٹ پھوٹ کر روتی رہی تھی۔

کیسے لاہور پہنچی، کیسے اپنے لاہور والے گھر کے باہر گاڑی سے نکلی، ڈرائیور کو پیسے کیسے دیئے، اسے کچھ خبر نہیں تھی۔ بس آنسو تواتر سے بہہ رہے تھے۔ اور وقتا فوقتا جسم و جاں میں درد کی ٹیسیں سی اٹھ رہی تھیں۔

وہ بے جان سی اپنے گھر کے دروازے پر کھڑی تھی دروازے پر لگے تالے کو گھورے جا رہی تھی۔ جب محلہ والے اسے اتنے عرصے بعد ایسی حالت میں وہاں کھڑے روتے ہوئے دیکھ اپنے گھروں سے باہر نکلے تھے۔

"ارے دیکھو کتنی بے شرم ہے منہ کالا کر کے، باپ کو کھا کر پھر یہیں چلی آئی،،

"تو اور کیا خود کشی نا کرتا تو اور کیا کرتا،،

"دل بھر گیا ہو گا تو چھوڑ دیا اور یہ آ گئی واپس اس کا پاپ اپنی کوکھ میں لے کر،

"نکالو اس گند کے ڈھیر کو یہاں سے،،

وہ منافق جو کسی والی وارث کے نا ہونے پر ان کا مکان ہتھیانے کے چکروں میں تھے انھیں زیادہ آگ لگی تھی۔ وہی زیادہ بول رہے تھے۔

لویزا کی برداشت کی حد ہوئی تھی۔

بکواس بند کرو اپنی اپنی،، رانا میر ہاشم کو تو جانتے ہی ہو گے تم لوگ،، وہ استہزایہ سے لہجے میں دھاڑی تھی۔ " انھیں کے پوتے کا پاپ ہے میری کوکھ میں، اب اگر نہیں چاہتے کہ میری ایک فون کال پہ تم لوگوں کو بوریا بستر اس محلے سے ہی گول ہو جائے تو دفع ہو جاؤ یہاں سے،،

وہ چلائی اور محلے والے دم دبا کر اپنے اپنے گھروں میں بند ہوئے تھے۔

آپ یہاں کیوں آئیں بہن،، جائیے یہاں سے،، ان کے گھر کے ساتھ والے گھر میں رہنے والے ایک بندے کو ہی اس کی حالت پر ترس آیا تھا۔

آپ ایک احسان کریں مجھ پر بھائی یہ تالہ توڑ دیں مجھے اندر جانا ہے،، وہ بمشکل بول پائی۔

اس بھلے آدمی نے اینٹ سے تالہ توڑا تھا۔

وہ اندر داخل ہوتی چلی گئی۔

اندر ہر طرح بابا کی یادیں بکھری پڑیں تھیں۔

جسم و روح جیسے روند دیئے گئے تھے۔ دل جیسے پاؤں کے نیچے کچل دیا گیا تھا۔ وہ لڑکھڑاتے قدموں سے لاؤنج تک آئی تھی۔

درد کی لہریں تھیں جو اب برداشت سے باہر تھیں۔

مگر وہ ڈھیٹ بنی چھوٹے سے لاؤنج کے کارپٹ پر بیٹھتی چلی گئی۔

اس زندگی سے ،ایسی زندگی سے تو بہتر تھا وہ یہیں اسی جگہ ایڑھیاں رگڑ رگڑ کر مر جاتی جہاں اس کے بابا نے اپنی جان دی تھی۔

وہ بے حال لہولہان ہوتی وہیں گرتی چلی گئی، گہری غنودگی میں جاتے جیسے اقبال صاحب مسکراتے اس کے سامنے آئے تھے۔

بابا،،،، اس نے ان کی جانب ہاتھ بڑھایا جیسے کہنا چاہتی ہو مجھے بھی ساتھ لے جائیں۔

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

وہ ابھی ابھی اپنی سپیچ دے کر سٹیج سے نیچے اترا تھا بلیک شلوار قمیض میں براؤن مردانہ شال کندھوں پر ڈالے عجیب ہی رعب ودبدبہ تھا جب افضل اس کے کان کے قریب آیا۔

چھوٹے سائیں بہو بیگم ، ہوٹل کے روم میں نہیں ہیں اور آس پاس کہیں بھی نہیں ہیں،،

افضل نے رانا میر ہادی کے سر پر بم پھوڑا۔

واٹ،، وہ دھاڑا۔ اور گارڈز کدھر مر گئے تھے،،

وہ تیزی سے وہاں سے نکلا۔ باقی وزراء اسے آوازیں دیتے رہے مگر وہ گارڈز کی زیر نگرانی وہاں سے تیزی سے نکلا۔

ادھر ہی تھے چھوٹے سائیں، شاید بہو بیگم، بیک ڈور سے نکلی ہیں، ہوٹل کے سی سی ٹی وہ کیمرے سے اسی گلی میں جاتی دکھائی دی ہیں،، افضل نے ڈیٹیلز بتائیں۔

پھر ،، میر ہادی کے انگ انگ سے بے چینی چھلک رہی تھی۔

ہمارے آدمی ہر جگہ پھیل چکے ہیں،، چھوٹے سائیں وہ اس گھر میں گئیں تھیں جو پہلے ان کا تھا،، اور مجھے لگتا ہے کہ بہو بیگم کو سب یاد آگیا ہوگا،، افضل نے کہا تو میر ہادی کے قدم وہیں ٹھٹھک کر رکے تھے۔

زخمی نگاہوں سے اسے دیکھا۔ افضل نے بے بسی سے نگاہیں جھکائیں۔

اس کا نمبر ٹریس کرواؤ افضل،، وہ گاڑی میں ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا تھا۔ داؤ پر جیسے زندگی لگی ہو۔

پہلے ہی کروا چکے ہیں، پوچھ تاچھ اور ان کے فون ریکارڈز سے پتہ چلا وہ ایک کیب کے زریعے لاہور کے لئے نکلی ہیں،،

جھٹکے سے وہاں سے گاڑیاں نکلی تھیں۔ اور ہوا سے باتیں کر رہیں تھیں۔۔۔ میر ہادی کافی ریش ڈرائؤنگ کر رہا تھا۔ کافی دفعہ ایکسیڈنٹ ہوتے ہوتے بچا۔

کیسے پتہ چلا افضل اس کا،، میر ہادی کا چہرہ اسے کھونے کے خوف سے لٹھے کی طرح سفید پڑ چکا تھا۔ اوپر سے اس کی ایسی حالت کبھی بھی وہ تکلیف میں پڑ سکتی تھی۔

پھر اپنے بچے کے بارے میں سوچ سوچ کر وہ پاگل ہوا جا رہا تھا۔

روز کی طرح ڈاکٹر بھو بیگم کا بی پی چیک کرنے آئیں تھیں تو وہ کمرے میں موجود ہی نہیں تھیں، پھر گارڈ نے مجھے فون کیا اور میں نے فورا یہ سب معلومات اکٹھی کیں،، افضل نے بتایا وہ بھی پریشان تھا۔

ہم اس سے کتنی دور ہیں افضل،، میر ہادی نے اپنی رسٹ واچ میں ٹائم دیکھا۔
تقریبا چالیس کلو میٹر،، مگر یہ فاصلہ کم ہوا جا رہا ہے چھوٹے سائیں،، افضل نے کہا تو میر ہادی کے ایک سرد سی آہ بھری۔ سینے میں سانس الجھ چکی تھی۔ جس سے ڈرتا تھا وہ وقت آن پہنچا تھا وہ بھی اتنے نازک وقت پہ،
یہاں آنا اس کی زندگی کی سب سے بڑی غلطی ثابت ہوا تھا۔
محبت، زندگی، اس کی جینے کی وجہ، سب ہاتھ کی مٹھی سے سوکھی ریت کی طرح پھسلتا محسوس ہو رہا تھا۔

وہ کیسے لاہور پہنچا تھا وہی جانتا تھا۔۔ فون کی لوکیشن اسی کے پرانے گھر کی تھی۔ بہت جلد وہ وہاں پہنچے تھے۔

محلے میں اتنی شاندار گاڑیوں کی لائن لگی تو محلے والے بھی تجسس کے مارے باہر نکل آئے تھے۔

وہ دیوانوں کی طرح گاڑی سے نکل کر اندر کی جانب بھاگا تھا۔ افضل اور گارڈز دروازے پر ہی رک چکے تھے۔

وہ اندر آیا تو پیروں تلے سے زمین کھسک چکی تھی۔ سامنے ہی وہ زمین پر دگرگوں حالت میں بے ہوش پڑی تھی۔

لیزا،، میری جان،، وہ اسے ایسے دیکھ ماہی بے آب کی طرح تڑپا تھا۔ پاگلوں کی طرح اس پر جھکا اور سر اٹھا کر باہوں میں بھرا،،

لویزا،، لیزا، میری جان،، میری زندگی،، پلیز مجھ سے بات کرو، آنکھیں کھولو،

وہ اس کے چہرے پر جھکا تھا۔ میر ہادی کے آنسو اس کی گال پر گرے تھے۔

وہ بے ہوشی میں بھی اپنے وجود پر اس کا لمس محسوس کر کے بری طرح جھٹپٹائی تھی۔ اور اس کے ہاتھ پرے جھٹکنے کی کوشش کی۔ میر ہادی نے اذیت سے اپنے لب کچلے۔ اپنی چادر اس کے وجود پر لپیٹی اسے باہوں میں بھرا اور باہر نکلا۔۔

گارڈز اسے باہر آتا دیکھ الرٹ ہوئے۔ میر ہادی نے نرمی سے اسے گاڑی میں لٹایا۔ خود پاس آ کر بیٹھا اور اس کا سر اپنے سینے پر رکھا۔

ائم سوری،، میری جان،،

گاڑیاں تیزی سے وہاں سے ہاسپٹل کی جانب روانہ ہوئیں تھیں۔ اس نے فون نکال کر اجالا کو میسج کیا تھا۔

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

ہاسپٹل پہنچے تو کچھ ہی دیر میں عالی اور اجالا بھی وہاں پہنچ چکے تھے۔

اس کی طبیعت نہیں سنبھل رہی تھی اور وہ بے ہوشی میں جو بول رہی تھی اس سے ان تینوں کی اچھی طرح اندازہ ہو چکا تھا کہ اس کی یاداشت واپس آ چکی تھی، اور اس سے میر ہادی کو دل کا خون نچڑ چکا تھا۔ روح جسم سے نکلتی محسوس ہو رہی تھی۔

اس کی آہیں، سسکیاں اور چیخیں پورے ہاسپٹل میں گونج رہیں تھیں،، وہ نیم جان سی نیم غنودگی میں چیخ رہی تھیں،
"ڈاکٹر مجھے،،،،،،،،، زہر کا،،،،،،،،،، انجیکشن،،،،،،،، لگا دو ،،،،،،خدا کے لئے، میں زندہ نہیں،،،،،،، رہنا چاہتی، مار ڈالو مجھے، اپنے بابا کے قاتل ،،،،،،،کا بچہ نہیں ،،،،،،پیدا کرنا ،،،،،،چاہتی میں ،، مار ڈالو ،،،،،مجھے، ،،،،،زہر کا انجیکشن،،،، لگا دو ،،،،،،مجھے،، کوئی سنتا ،،،،،کیوں نہیں،، وہ بار بار چیختی اٹکتی سانسوں کے بیچ ایک ہی بات کی تکرار کیے جا رہی تھی۔

باہر وہ سرخ انگارا روئی ہوئی نم آنکھیں لیے دیوار سے ٹیک لگائے ہاتھ باندھے کھڑا تھا۔ پاس ہی عالی تھا اور اجالا اس کی چیخیں سن، میر ہادی کی دگرگوں حالت دیکھ بری طرح اپنے لب کچل رہی تھی جب ڈاکٹر روم سے بے حد پریشان سی باہر آئی۔
مسٹر ہادی، پیشنٹ کا بہت بلڈ لوس ہو چکا ہے، بے بی کی دھڑکن بھی بہت سلو ہے، نا ہونے کے برابر، فورا آپریٹ کرنا پڑے گا، مگر آپریٹ کے لئے بھی ان کا خاموش اور

پرسکون ہونا بہت ضروری ہے جو وہ ہو نہیں رہیں اور اپنا بی پی خطرناک حد تک ہائی کرتی طبیعت خراب کر رہی ہوں،،

الفاظ تھے کہ پگھلا ہوا سیسہ جو ڈاکٹر،، اس پہلے سے ہی شکست خوردہ اور ہارے ہوئے نیم جان شخص کے کانوں میں انڈیل رہیں تھیں۔

ڈاکٹر میں ایک دفعہ بات کرنا چاہوں گی، اجالا نے کہا تو ڈاکٹر نے اثبات میں سر ہلایا۔

اجالا نے پیچھے مڑ کر میر ہادی کو دیکھا جو جھکے کندھوں کے ساتھ اب دونوں آنکھوں پر اپنا ہاتھ رکھ چکا تھا۔

وہ روم میں داخل ہوئی تھی۔

لیزا،، لیزا،، اس کا چہرہ تھپتھپاتے خون میں لت پت اسے پکارا۔

اس نے بمشکل آنکھیں کھول کر پکارنے والی کی جانب دیکھا۔

اجا،،،، اجالا،، میں مر جانا چاہتی ہوں،، مم،،، مجھے اپنے بابا کے پاس،،، اجالا، مجھے زہر،،،،،،،، انجیکشن،،

"شٹ اپ لیزا، ایک تھپڑ لگا دوں گی میں تمھارے منہ پر،، اجالا پھنکاری اور اسے کندھوں سے پکڑ کر جھنجھوڑا۔ "میری بات غور سے سنو لویزا،، وہ چھوڑ دے گا تمھیں،، جیسے تم کہو گی دور چلا جائے گا تم سے،، مگر یہ بچہ اسے چاہیے، سمجھیں،، اسے سہی سلامت اس کے حوالے کرو گی تم،، رائٹ، اور اب تمھاری آواز نا آئے،، اجالا نے کہا تو اس کے رونے میں اضافہ ہوا تھا مگر فرق اب اتنا تھا کہ وہ اول فول بولنا بند کر چکی تھی۔

ڈاکٹر نے اثبات میں سر ہلایا اور اسے آپریشن تھیٹر لے جا گیا۔

اجالا باہر آئی تو سامنے کھڑے اس شخص کی لال انگارا وحشت سے بھر نگاہوں میں دیکھ خود اس کا دل ڈوب کر ابھرا۔

میں ایسا کچھ نہیں کرنے والا بھابھی،ابھی جو آپ نے اسے کہا، وہ دھواں دھواں چہرے لیے اتنا ہی بول پایا ۔ حلق میں پھندا سا لگا تھا۔

اسے پرسکون کرنے کے لئے بولا میں نے،، اجالا نے اسے تسلی دینا چاہی۔

مگر اب تو یہ وقت طے کرنے والا تھا کہ میر ہادی ایسا کچھ کرے گا یا اس کی جان بچانے کو اسے ایسا کرنا پڑے گا ہر صورت،

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

غنودگی میں جاتے ہی کئی چہرے اس کی نگاہوں سے سامنے آئے تھے۔

بابا مجھے آپ کے پاس آنا ہے،، لویزا چلائی۔

نہیں،،لیزا واپس جاؤ، ابھی کہ ابھی،، سامنے والے نے اسے بری طرح جھڑکا۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

قابل رحم ہے حالت میری
دیکھنے آؤ تو رلاؤں تمہیں

ادھر باہر وہ ہارے جواری کی طرح جیسے سب کچھ لٹا کر اور ہار کر آپریشن تھیٹر کے باہر بھیگی پلکیں لیے کھڑا تھا۔ لہو چھلکاتے چہرے اور آنکھوں سے بے پناہ وحشت ٹپک رہی تھی۔ دل اپنی جگہ بلکل خاموش تھا۔

پاس ہی عالی اور اجالا بیٹھے تھے۔

آدھے گھنٹے بعد ڈاکٹر آپریشن تھیٹر سے باہر آئیں تھیں۔۔

Congratulations,,,

مسٹر رانا، بیٹا ہوا ہے آپ کا،، ڈاکٹر حنا نے قریب آ کر کہا۔۔

ڈاکٹر میری وائف،، (کاش اس وقت وہ بول سکتا ڈاکٹر میری لائف)

ان کی طبیعت اسٹیبل نہیں ہو رہی ہے، خون تو پہلے ہی بہت زیادہ بہہ چکا تھا مگر شکر ہے عین وقت پر بلڈ کا انتظام ہو گیا، مگر اب بھی وہ آپریشن کے بعد ہوش آنے پر پھر روئے جا رہی ہیں، بلیڈنگ بھی معمول سے زیادہ ہو رہی ہے، بی پی خطرناک حد تک لو ہو چکا ہے، اور ایسی کنڈیشن میں ڈاکٹر پیشنٹ کی جان بچانے کو یوٹرس ہی نکال دیتی ہیں، جو بلڈ نچڑ کر پیاز کی پرت سے بھی زیادہ باریک ہو چکی ہے، آپ سمجھ رہے ہیں ناں میری بات، جائیں بات کریں ان سے اور جو بھی پرابلم ہے اسے سورٹ آؤٹ کریں،،

انھیں ریلیکس کریں، کسی بھی طرح، نہیں تو ان کی جان بچانے کو دوسرا طریقہ اختیار کیا تو پھر دوبارہ کبھی ماں نہیں بن پائیں گی آپ کی مسز،، ڈاکٹر نے سنجیدگی سے تمام صورت حال بتائی۔

شدتِ ضبط اور بھنچے ہوئے جبڑوں کے باجود ایک باغی سا آنسو تھا جو پلکوں کی باڑ توڑ کر گال پر پھسل آیا تھا۔

ڈاکٹر میں بات کرتی ہوں اس سے، ویسے تو وہ اپنے مرے ہوئے باپ کو اب رو رہی ہے ، خاموش نہیں ہوگی،مگر میں ایک کوشش کرتی ہوں،، اجالا ہی میر ہادی کی حالت سمجھتی اپنی جگہ سے اٹھی تھی کہ وہ تو اس قدر مجبور تھا کہ اسے تسلی بھی نہیں دے سکتا تھا۔ ہاں مگر ایک زخمی سی نگاہ میر ہادی پر ضرور ڈالی تھی جیسے کہنا چاہتی ہو دیکھا میں نے کہا تھا ناں بہت برا ہوگا اس سے سچائی چھپانے سے۔

اسے ابھی انڈر آبزرویشن رکھا گیا تھا۔ اجالا آئی سی یو میں آئی۔ وہ غنودگی میں روئے جا رہی تھی۔

سسٹر نے ریڈ کمبل میں لپٹی ایک گلابی سی گھڑی اسے تھمائی تو اجالا مبہوت ہی رہ گئی۔

ہیے بے بی،، خالہ از ہئیر،، وہ واری صدقے گئی۔

سب سے پہلے بابا کی باری،، وہ اکسائٹڈ سی باہر آئی۔

میر ہادی جو آنکھوں پر ہاتھ رکھے بیٹھا تھا اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ وہ سیدھا ہوا۔۔ اور حیرت سے اجالا کی گود میں موجود اس گلابی سے ننھے منے وجود کو دیکھا۔ جو اب باریک سی آواز نکالے کڑوی سی شکل بنا کر رونے کی تیاری میں تھا۔ جیسے ماں کی طرح اس کی بھی کوئی ناراضگی ہو اپنے بابا سے اور بابا کی یہ میٹنگ اسے کچھ خاص پسند نا آئی ہو۔ میر ہادی نے اپنی محبت کے وجود سے بنے اس وجود کو دیکھ دنیا بھلا دی۔

اجالا نے نرمی سے اسے میر ہادی کی گود میں تھمایا۔ میر ہادی نے اسے باؤوں میں بھرا۔ عالی بھی اسے پرشوق نگاہوں سے دیکھتا قریب آ گیا۔

باپ بننے کا سکھ اور خوشی کیا ہوتی ہے کیا احساس ہوتا ہے، یہ وہ کبھی بھی الفاظ میں بیان نہیں کر سکتا تھا۔ خاص کر اپنی ہی کاربن کاپی کو اپنی ہی گود میں دیکھ کیا محسوس ہوتا ہے۔

باریک سی آواز میں چوں چوں سنی تو وہ چونکا جونئیر وڈیرا جی منہ بنا بنا کر اب رونے کا شغل فرمانے لگے تھے۔۔ وہ گھبرا ہی گیا۔

تبھی سسٹر نے آکر اسے میر ہادی سے اپنی گود میں تھام لیا اور روم میں لے گئی۔

میر ہادی شیشے کے اس پار حسرت سے اسے دیکھے گیا۔

اجالا اندر اس کے بیڈ تک آئی تھی۔

لیزا،، لویزا،، اس نے لویزا کے گال تھپتھپائے۔ اس نے زرا سی آنکھیں کھولیں۔

وہ پھر پھوٹ پھوٹ کر روئی تھی۔ اجالا اس کے سرہانے بیٹھ گئی۔ اسکا سر اپنی گود میں رکھا۔

لویزا صبر کرو،، پلیز،، کیوں اپنی جان ہلکان کر رہی ہو خاموش ہو جاو،، اجالا نے پیار سے اس کا سر اور کمر سہلائی۔

وہ روتے روتے مگر اب کچھ پرسکون ہو کر دواؤں کے زیر اثر گہری نیند میں گئی تھی۔

میر ہادی چپکے سے اندر آیا۔

اجالا نے میر ہادی کا دھواں دھواں چہرہ دیکھا، نرمی سے اس کا سر تکیہ پر رکھا اور کمرے سے باہر نکلتی چلی گئی۔۔

وہ دھیمے شکستہ قدموں سے اس کے قریب آ کر بیٹھا۔

پیلے زرد چہرے، خشک ہونٹوں اور روئی سرخ آنکھوں میں کرب و اذیت کی آمیزش لیے وہ برسوں کی مریضہ لگ رہی تھی۔

پیاسی نگاہوں نے چہرے کا ایک ایک نقش چوما۔

ایلو میری جان،، دھیمے سروں میں سرگوشی کی جھک کر نرمی سے ماتھے پر تشنہ لب رکھے۔

بہت چھوٹا لفظ ہے سوری، لیکن پھر بھی کہنا چاہوں گا ائم سوری فار ایوری تھنگ میری جان،

اس کا چہرہ ہاتھوں میں تھاما۔

ایک جانا پہچانا لمس اپنے وجود پر محسوس کر کے اس نے نیند میں بھی برا منایا اور ماتھے پر ہلکے سے بل نمودار ہوئے تھے۔

وہ اس کی ناراضگی کی اس شدت پر زخمی سا مسکرایا۔ اور کافی دیر اس کے قریب بیٹھا اپنی دید کی پیاس بجھاتا رہا کہ ہوش میں تو جانے وہ اس کے محبت بھرے دل پر کیا کیا قہر ڈھانے والی تھی۔

میر ہادی نے بے بی کی اطلاع ابھی کسی کو نہیں دی تھی نا یہ خبر لیک ہونے دی تھی۔ کہ اتنے نازک وقت میں جب اس کی زندگی محبت اور متاعِ کل داؤ پر لگی تھی اور لویزا کی اتنی طبیعت خراب تھی وہ کوئی شو شا ، جشن یا ہنگامہ آرائی نہیں چاہتا تھا جو یہ خبر ملنے پر اس کے باپ دادا پورا ہاسپٹل سر پر اٹھا کر مچا دیتے۔ تبھی اس نے بس حویلک پیغام بھجوایا تھا کہ اس کی طبیعت ٹھیک نہیں، مگر انھیں یہاں آنے سے سختی سے منع کر دیا تھا۔

♥♥♥♥♥♥♥♥♥♥♥♥♥♥♥

آج تیسرا دن تھا اسے روم میں شفٹ کر دیا گیا تھا آج ہی وہ مکمل ہوش میں آئی تھی اور اب آنکھوں پر ہاتھ رکھے خاموش سی لیٹی ہوئی تھی۔

اتنے دن سے بے بی کی کئیر نرسز اور اجالا کر رہیں تھیں۔ لویزا پہلے تو ہوش میں ہی نہیں تھی مگر جب سے وہ ہوش میں آئی تھی اجالا نوٹ کر چکی تھی اس نے ایک بار بھی بے بی کی جانب نہیں دیکھا تھا۔ وہ جو کھڑکی کے باہر سنجیدگی سے کھڑا تھا اسے گہری نگاہوں سے آبزرور کر رہا تھا۔

اجالا کو اندازہ تھا کہ وہ ایسا کیوں کر رہی تھی یہ بھی اجالا اچھی طرح جانتی تھی۔

بے بی اب بھی اجالا کی گود میں تھا جب اجالا نے اسے آواز دی۔

لیزا یہ دیکھو بے بی کو،، کتنا کیوٹ ہے، بلکل تم پر گیا ہے، لو گود میں اٹھاؤ اسے،، ڈاکٹر نے کہا آج سے تم اسے فیڈ کرواؤ گی، آج سے،،

"اجالا اس کو اس کے باپ کے سپرد کر دو اور بولو اپنی اولاد لے اور جائے یہاں سے،،

لویزا کے سرد وسپاٹ لہجے نے اجالا کو حیرت و صدمے سے گنگ کیا تھا۔

لویزا،،، وہ حیرت و صدمے سے اتنے ہی بول پائی کہ لویزا نے پھر اسے ٹوکا۔

اجالا جو کہا ہے وہ کرو،،

لیزا اس میں اس معصوم جان کا کیا قصور ہے، دیکھو تو سہی اس کی طرف، اجالا نے بے بی کو اس کے چہرے کے آگے کرنا چاہا۔

اذیت سے تڑپتے لویزا نے کروٹ ہی بدل لی۔ اور ایسا کرتے اس کی روح کانپ اٹھی تھی۔ وہ جسے دیکھے بغیر ہی ممتا سے چور اس سے بے تحاشا محبت کی تھی اس کے وجود کو لے کر لاکھوں سپنے نگاہوں نے بنے تھے۔ اب اسی سے منہ موڑنا تھا تو کلیجہ تو منہ کو آنا ہی تھا ناں۔

اولاد کا موہ بڑا جان لیوا ہوتا ہے، وہ جانتی تھی اگر ایک مرتبہ بھی اس ننھی جان کو دیکھ لے گی تو کبھی بھی، مر کر بھی اس سے دور نہیں جا پائے گی جبکہ اسے تو اس سے دور ہونا ہی تھا کہ لویزا نہیں چاہتی تھی کہ اولاد کی بیڑی اس کے قدم روکے اس کے قدم زرا سا بھی ڈگمگائیں، کیونکہ اسے تو اس شخص سے دور جانا تھا بہت دور۔۔

اوکے ٹھیک ہے میں اسے تھوڑی دیر کے لئے تمھارے پیروں کے قریب لٹا کر جا رہی ہوں،، سسٹر کو بلا کر لاتی ہوں، یہاں سے اس کا سامان پیک کرے گی، اجالا نے لاپروائی سے کہتے بے بی کو اس کے قدموں کے قریب لٹا دیا۔

اجالا اسے بھی ساتھ لے جاؤ،، لویزا کا خون نچڑ کر چہرے پر آیا۔

او کم آن لویزا اقبال، اتنی سنگدل مت بنو، ماں ہونے کی حثیت سے نا سہی انسانیت کے ناطے ہی سہی کچھ دیر برداشت کر لو اسے،،

اجالا نے اسے بری طرح جھڑکا اور تن فن کرتی باہر چلی گئی۔ لویزا کا دل کیا اپنی بے بسی پر دھاڑیں مار مار کر روئے۔۔

اجالا باہر آئی تو وہ خون چھلکاتی نگاہوں سے کھڑکی کے پاس ہاتھ باندھے کھڑا تھا جس کا مطلب تھا اس کی تمام گوہر افشانیاں سن چکا ہے۔ مگر اجالا بجائے سسٹر کو بلانے کے وہیں بینچ پر اطمینان سے بیٹھ گئی۔

تبھی بے بی کے رونے کی آواز آئی ۔ میر ہادی اذیت سے تڑپا۔ اور اندر جانے لگا۔ جب اجالا نے اس کا بازو پکڑا تھا۔

بیٹھیں رہیں آرام سے اور بس تماشہ دیکھیں، میں بھی دیکھتی ہوں کیسے نہیں اٹھاتی بے بی کو،، اجالا نے سنجیدگی سے کہا۔ تو میر ہادی بھی شکستہ انداز میں بینچ پر بیٹھ گیا۔

لویزا کروٹ بدل کر لیٹی تھی جب پیروں میں کچھ ہلچل سی محسوس ہوئی۔ اس کا دل اچھل کر حلق میں آیا۔۔

تبھی کانوں میں ایک ننھے معصوم وجود کے رونے کی آواز آئی۔

پہلے تو وہ جی کڑا کیے ڈھیٹ بنی لیٹی رہی۔ مگر جب اس کے رونے میں اضافہ ہوا تو اس نے اپنے کانوں پر ہاتھ رکھے تھے۔ اور بے تحاشا رو دی تھی۔

ننھے معصوم وجود نے ہاتھ پیر چلانے شروع کر دیئے تھے۔۔ یقیناََ بھوکا تھا۔ اور ممتا سے ہمک ہمک کر اپنی خوراک مانگ رہا تھا۔۔

اجالا،، سسٹر،،، وہ جھنجھلا کر چلائی۔ چلانے سے سٹیچز پر کھینچ پڑی۔ خود بھی تکلیف سے دوہری ہو گئی۔

اور اپنی جنت میں پڑے وجود نے رونے میں اضافہ کرتے ایڑھیاں رگڑیں۔

ادھر میر ہادی کی برداشت کی حد پار ہوئی تھی۔ بیٹے کے سسکنے پر جھٹکے سے اپنی جگہ پر سے اٹھا تھا جب اجالا نے پھر اس کا بازو تھام لیا۔

بھائی آپ کچھ دیر صبر نہیں کر سکتے،، پلیز،، وہ دانت پیس کر بولی۔

میر ہادی بری طرح لب کچلتا وہیں کھڑا رہا۔

اندر وہ پھوٹ پھوٹ کر روئی تھی۔ دم گھٹنے لگا۔ آنسوؤں کا پھندا گلے میں اٹک گیا۔ بے بی کے رونے میں اس قدر شدت آ چکی تھی کہ اب تو وہ سانس بھی سہی طرح سے نہیں لے پا رہا تھا۔

لویزا تڑپی۔ سینے میں اکڑن بڑھی اور اینٹھن سے پڑنے لگے اور ممتا کے سوتے پھوٹ پڑے۔ یوں جیسے قدرت بھی اشارہ کر رہی ہو کہ اٹھو اور اپنے لختِ جگر کو سینے سے لگا لو۔۔

اب برداشت کی ہر حد پار ہوئی تھی۔ وہ بے تحاشا روتی بمشکل اپنی پوری طاقت لگا کر اٹھی۔

تڑپ کر اسے اٹھایا اور چٹا چٹ ننھا سا پورے کا پورا وجود چوم ڈالا۔

فوراََ سے پہلے اسے سینے میں بھینچ لیا۔

یہ خوش کن منظر اجالا اور عالی نے چھپ کر کھڑکی سے دیکھا تھا۔ میر ہادی کی پلکیں بھی نم ہوئی تھی۔

چھوٹی سی جان کی چڑیا کے دانے جتنی بھوک تھی دو گھونٹ پی کر ہی آسودگی سے بے سدھ ہو کر ممتا کی آغوش میں گہری نیند سو گیا۔

لویزا اسے غور سے دیکھے گئی۔

ایک مرتبہ پھر اسے چوما۔

تم صرف میرے بیٹے ہو،، سنا تم نے،، اس کے کان میں آہستگی سے سرگوشی کی۔

وہ بھی مسکرا دیا جیسے اپنی مما کی یہ بات پسند آئی ہو۔۔

تکیہ پر لیٹ کر اسے اپنے پہلو اپنی آغوش میں مضبوطی سے بھر کر دوبارہ لیٹ کر سکون سے آنکھیں موند لیں۔

وہ اس کا بیٹا تھا۔ اس کے وجود کا حصہ۔

کس کے باپ کی بھی جرات تھی لویزا اقبال کو اس کے بیٹے سے الگ کرنے کی۔ اس کے بیٹے کو اس سے چھیننے کی۔

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

وہ نمازوں میں دعاوں کے وظیفوں جیسا
میں رعایا کی طرح ہوں وہ خلیفوں جیسا
اس کا ہر نقش ہے ازبر مجھے آیت کی طرح
اس کا ہر لمس میسر ہے صحیفوں جیسا

میر ہادی اس کے سرہانے بیٹھا اسے تکے جا رہا تھا۔ آج چوتھا دن تھا انھیں ہاسپٹل آئے۔

منظر بہت مکمل تھا۔۔ وہ بے بی کو اپنی آغوش میں لیے گہری نیند میں تھی اور میر ہادی اس کے قریب بیٹھا۔ اس کے بالوں میں انگلیاں پھیر رہا تھا کہ تبھی ہاسپٹل میں ایک طوفانِ بدتمیزی سا برپا ہوا تھا۔

میر ہادی بے حد چونکا مگر پھر ایک سرد سی آہ بھری اس کے نا چاہنے کے باوجود شاید، اس کی کہیں بھی غیر حاضری سے حویلی والوں کو بے بی کی بھنک یا خبر مل گئی تھی۔

اس نے اٹھ کر کھڑکی سے باہر دیکھا۔۔

حسبِ معمول اس کا اندازہ درست ثابت ہوا۔ باہر گاڑیوں کی لائن لگی تھی اور میڈیا والے بھی پاگل ہو چکے تھے شاید۔

اس کے ماتھے پر بے شمار بل آئے۔ اور جبڑے بھنچ گئے۔ ابھی کچھ دیر میں تو ڈسچارج ملنے والا تھا۔ کیا ہی اچھا تھا کہ یہ تماشا گھر جا کر لگا لیا جاتا۔

لویزا کسمسائی تھی۔ اور آہستگی سے آنکھیں کھولیں۔

نگاہ کھڑکی تک گئی۔ سامنے ہی وہ دیوانہ اسی دن کے لباس میں ملگجے سلوٹ زدہ سے حلیے میں کھڑا دیوانہ وار اسے دیکھے جا رہا تھا۔ نگاہوں سے نگاہیں ٹکرائیں۔

لویزا نے نفرت بھرے انداز میں نگاہ پھیری تھی۔

میر ہادی کے دل نے پسلیوں سے سر ٹکرایا۔ ایک ہوک سی اٹھی۔ مگر ابھی اس کمال ضبط کا مظاہرہ کرنا تھا۔ اور برداشت بھی۔

لویزا نے جلدی سے اپنے پہلو میں دیکھا۔ بے بی کو اپنے قریب پا کر اسے سکون آیا۔

میر ہادی کے کانوں میں پچھلے کچھ دن پہلے کی باتیں گونجیں۔۔

سنیں ناں ہادی،، وہ اس کے پاس آئی تھی۔

ہاں سناؤ، ایلو جان، وہ مصروف سا بولا توجہ اپنے لیپ ٹاپ پر تھی۔

نو،، پہلے ادھر میری طرف دیکھیں پھر بتاؤں گی،، وہ جھنجھلا کر بولی۔

گریٹ، تم لڑکیوں کا بھی خوب ہے ہاں ، بندے نے آنکھوں سے سننا ہوتا ہے یا کانوں سے،، میری طرف دیکھیں،، میر ہادی نے اسے چھیڑتے اس کی نقل اتاری۔

ارے اس کمبخت لیپ ٹاپ کو تو بند کریں کم از کم ، وہ واقعی چڑ ہی گئی۔ اب میر ہادی نے لیپ ٹاپ بند کر کے اس کا بھرا بھرا وجود اپنی باہوں کے حصار میں لیا تھا۔ وہ گھبرا کر خود میں سمٹی تو میر ہادی گہرا مسکرایا۔

"توجہ نا دوں تو جھنجھلاہٹ،،، دوں تو بھی مصیبت، بندہ جائے تو کہاں جائے،، میر ہادی نے کہتے سرد سی آہ بھری۔

اچھا سنیں ناں،، وہ لاپروائی سے بولی،، یو نو واٹ، میں نے بے بی کا کیا نام سوچا ہے،، اس نے اپنے پیٹ پہ ہاتھ رکھتے کہا۔

کیا، میر ہادی نے اس کے ہاتھ کے اوپر اپنا ہاتھ رکھا تھا۔ اور دوسرے ہاتھ سے اس ان دیکھے وجود کو محسوس کرنے کی کوشش کی، اور تبھی اس وجود نے بھی شاید ایک کک رسید کر کے اپنے ہونے کا ثبوت دیا۔

لویزا اچھلی۔

واؤ کک پڑی،، ہادی نے کہا تو وہ حیران ہوئی۔

آپ کو کیسے پتہ،، وہ پوچھ بیٹھی۔

کیونکہ یہ میری پرنسز ہے، ڈیڈ قریب آئے تو اپنے ڈیڈ کو ہیلو بولا،، میر ہادی نے اطمینان سے کہا۔

نو یہ میرا پرنس ہے، اور میں نے اس کا نام رانا زارون میر ہادی سوچا ہے، کیسا،، وہ اکسائٹڈ سی بولی۔

اور اگر پرنسز ہوئی،، میر ہادی نے اس کے گرد بازوؤں کا گھیرا تنگ کیا وہ مچلی تھی۔

وہ سوچوں کے گہرے گرداب میں پھنسا تھا جب دروازہ کھول کر تمام حویلی والے اندر داخل ہوتے دکھائی دیئے۔

حتی کے اماں سائیں اور بختاور بھی آتی دکھائی دیں۔ میر ہادی بری طرح جھنجھلایا تھا۔

کیونکہ حسبِ معمول ہاسپٹل میں غیر معمولی ہلچل سی مچ چکی تھی۔ گارڈز، میڈیا، پبلک،، میر خاندان کے چشم و چراغ کے بارے میں جاننا چاہتے تھے۔

مبارک ہو، مبارک ہو،، بڑا مبارک وقت ہے بھئی، مگر تمھیں کیا لگا برخوردار نہیں بتاؤ گے تو ہمیں پتا بھی نہیں چلے گا،، دادا سائیں نے آتے ہی اس پر خفیف سا طنز کیا۔

ممتاز بیگم اور اماں سائیں بیڈ کے قریب آئیں تھیں اور اسے چٹا چٹ چوم ڈالا۔

کیسی ہو بیٹی،، ممتاز بیگم نے نرمی سے اس سے پوچھا۔

ٹھیک ہوں،، لویزا کے حلق میں پھندا سا لگ گیا۔اجالا قریب آئی اور اسے سہارا دے کر اٹھا کر بٹھایا اور اس کے گرد چادر اچھی طرح لپیٹ دی۔۔

بے بی کمفرٹر کے اندر منہ کیے سو رہا تھا۔ سب اس کی ایک جھلک دیکھنے کو بیتاب تھے۔ لویزا نے نرمی سے اسے اٹھا کر ممتاز بیگم کی گود میں تھمایا۔

ماشاء اللہ،، ماشاء اللہ،، ہائے صدقے،، بلکل میرے ہادی پر گیا ہے،، اماں سائیں نے کہا تو لویزا نے اپنے لب دانتوں تلے کچلے۔ میر ہادی نے بغور اس کی یہ حرکت ملاحظہ کی۔

اماں سائیں نے دیکھتے ہی نظر اتاری،، وہ سب بے بی میں مگن ہو گئے تھے۔

میر ہادی نام کیا رکھنا ہے بے بی کا،، ممتاز بیگم نے اسے محبت بھری نگاہ سے دیکھا۔

رانا زارون میر ہادی،، میر ہادی نے بے لچک لہجے میں کہا۔ اور اسے گہری نگاہ سے دیکھا۔

میر دراب اور میر ہاشم کے چہرے خوشی سے دمک رہے تھے۔

ہاسپٹل میں جیسے خزانوں کے منہ کھول دیئے گئے تھے۔۔ میر دراب باہر میڈیا والوں کو سپیچ بھی دے کر آئے اور اپنے دادا بننے کی خوشخبری سنائی۔

اتنا شور شرابا، ہنگامہ لویزا بری طرح ڈسٹرب ہو رہی تھی۔

واقعی پورا خاندان ہی جیسے سیلفش تھا۔ کسی کا بیمار یہاں ایڈمٹ تھا، کوئی بستر مرگ پر تھا، تو کوئی اس دنیا سے رخصت ہو چکا تھا، جن کے لواحقین دکھ اور صدمے میں ہو سکتے تھے اور انھوںنے پورا ہاسپٹل سر پر اٹھا رکھا تھا۔ عجیب اندھیر نگری تھی۔

وہ اس دوران یہ نہیں دیکھ پائی تھی یا جان کر نہیں دیکھنا چاہتی تھی کہ وہ بھی ماتھے پر بے شمار بل ڈالے وہاں جھلایا کھڑا تھا اور بس نہیں چل رہا تھا یہ سب تماشا بند کروا دے--

تبھی سسٹر نے آ کر میر ہادی کو ڈسچارج پیپر، لویزا کی میڈیسنز، بے بی کی کئیر کی چیزیں تھمائیں تھیں۔

بھابھی سب پیک کریں، گھر چلنا ہے،، میر ہادی نے کہا لویزا نے پہلو بدلا۔

وہ سب بے بی میں گم تھے۔

اجالا مجھے کہیں نہیں جانا ہے، اور اس قاتل شخص کے ساتھ تو بلکل بھی نہیں،، وہ جبڑے بھینچ کر دانت پیس کر اجالا کے کان میں غرائی تھی۔ جو قریب ٹیبل سے چیزیں سمیٹتا میر ہادی سن چکا تھا تبھی اذیت سے آنکھیں سرخ ہو چکی تھیں---

لویزا پاگل مت بنو،، یہ دیکھ رہی ہو، پورا خاندان، پبلک، میڈیا ان کے لوگ، ایک نیا تماشا لگ جائے گا، یہ پرسنل میٹر ہے، پرسنل پرابلم جو گھر جا کر ہی حل ہوگا، ابھی چپ چاپ گھر چلو، وہاں چل کر فیصلہ کرنا کیا کرنا ہے، ابھی چپ،، بلکل خاموش،،

اجالا تم،،

اششش چپ کرو،، اجالا نے اس کا بازو دبوچا کیونکہ ممتاز بیگم ان کی جانب متوجہ ہو چکیں تھیں۔

اماں سائیں، ممتاز بیگم بختاور اور اجالا نے بڑی کیئر سے اس کا سامان اٹھایا۔ لویزا بے بسی کے احساس سے نم آنکھیں لیے اپنے لب کاٹ رہی تھی۔ ابھی تو ایک پیشنٹ ہی تھی دوسروں پر انحصار کرنا پڑ رہا تھا۔ ابھی کرتی بھی تو کیا۔

اجالا نے اسے سہارا دے کر وہیل چیئر پر بٹھایا۔ میر ہادی کی اتنی بھی جرات نہیں ہوئی تھی وہ آگے بڑھ کر اسے سہارا ہی دے دیتا، وہ ان سب کے سامنے کوئی تماشہ نہیں چاہتا تھا۔

وارڈ بوائے مبارکی لینے کے چکر میں وہیل چیئر گاڑی تک لایا۔ میرا ہاشم نے براؤن بڑا نوٹ لویزا کے سر پہ وار کے اسے تھمایا تو وہ سر خوشی سے جیسے جھوم اٹھا۔

گارڈز آس پاس کھڑے تھے اسی لئے میڈیا والے قریب نا آسکے۔ اجالا ، لویزا اور بختاور نے اپنے چہرے ڈھانپ رکھے تھے۔

ہادی بھو کو گاڑی میں بٹھاؤ،

میرا ہاشم نے کہا۔ لویزا کا تو کاٹو تو بدن میں لہو نہیں والا حساب تھا جبکہ وہ بھی اپنی جگہ سن سا ہو گیا۔ مگر یہ موقعہ کیسے جانے دیتا۔

تبھی آگے بڑھا تھا۔ مگر اس سے پہلے ہی وہ پاس کھڑی بختاور کا ہاتھ تھام آہستگی سے کھڑی ہوئی تھی۔

بختاور ہونق سی بنی کبھی لویزا کبھی ہادی کے دھواں دھواں چہرہ دیکھے گئی۔ بختاور نے اسے نرمی سے سہارا دیا اور گاڑی میں بٹھا دیا۔ ممتاز بیگم نے بے بی کو اس کی گود میں تھما دیا۔

سب گاڑی میں بیٹھے اور گاڑیاں اپنی منزل کی جانب روانہ ہوئیں۔

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

میر لاج میں جشن کا سماں تھا۔

خزانوں کے منہ کھول دیئے گئے تھے جیسے۔ کالے بکرے صدقے کیے جا رہے تھے اور گوشت حقداروں کو بانٹا جا رہا تھا۔

بیٹھک لگی ہوئی تھی اور ملک کے مختلف وزراء و مشیر رانا میر ہاشم اور رانا میر دراب کو پوتے کی مبارک باد دینے آ رہے تھے۔ میر ہادی بھی ادھر ہی موجود تھا۔

دوسرے کمرے میں اماں سائیں، ممتاز بیگم، اور بختاور ملک کی سیاست سے منسلک خواتین سے ملاقات میں مصروف مبارک باد وصول کر رہیں تھیں۔۔

مختلف پکوان پکائے جا رہے تھے۔ کچھ پکا پکایا باہر سے منگوا کر بانٹا گیا تھا۔

اندر لویزا آرام کر رہی تھی جب بے بی کے چوں چوں کی آواز آئی۔۔ وہ تکیے کا سہارا لے کر اٹھی اور اسے گود میں اٹھایا۔

باقی سب اس کے اور بے بی کے آرام کرنے کے خیال سے باہر تھے۔ وہ رونے لگا۔ بھوکا تھا۔ لویزا اسے فیڈ کروانے کی تیاری کر رہی تھی جب آہستگی سے دروازہ کھول کر وہ اندر آیا۔ وہ آہستگی سے چلتا بیڈ کے قریب آیا تھا۔ جبکہ وہ مکمل اسے اگنور کیے اپنے کام میں مصروف تھی۔ بلکہ اس کی جانب سے نفرت سے منہ بھی موڑ چکی تھی۔

جانے کیوں مگر پاگل دل نے ہمک کر فرمائش کی کہ وہ اس سے مخاطب ہو۔

کچھ چاہیئے، آئی مین کسی چیز کی ضرورت تو نہیں؟ وہ قریب کھڑا اس سے ایسے پوچھ رہا تھا جیسے ان کے بیچ کچھ غلط ہوا ہی نا ہو بلکہ لویزا کا دل کہا اس کی اس قدر ڈھٹائی اور بے حسی پر پیچھے مڑ کر اس کا منہ نوچ لے۔

جی بلکل،، چاہیے،، لویزا نے کہا تو ہادی کا دل اچانک سکڑ کر پھیلا تھا۔

کیا؟ وہ پوچھ بیٹھا۔

طلاق،، ابھی دیں گے یا یہ تماشا ختم ہونے کے بعد،، لویزا کے سرسراتے لہجے نے میر ہادی کے کانوں میں پگھلا ہوا سیسہ انڈیلا تھا۔

اور کچھ،،؟ میر ہادی نے زخمی لہجے میں پوچھا تھا۔ ابھی وہ اس کی بات کی مکمل نفی کر کے اسے چھیڑنا ہر گز نہیں چاہتا تھا۔

جبکہ اب اس نے کلام کرنا ضروری نہیں سمجھا تھا۔

میر ہادی نے ایک سرد سی آہ بھری اور روم سے باہر نکل گیا۔

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

لیزا، میں چلتی ہوں، اتنے دنوں سے کوشش کر رہے تھے میں اور عالی، اب کہیں جا کر منظوری ہوئی ہے، کل کی فلیٹ ہے یار، ہم عمرے پر جا رہے ہیں،، اجالا نے لویزا کے سر پر بم پھوڑا۔ لویزا صدمے سے بے حال پھٹی پھٹی نگاہوں سے اسے دیکھے گئی جیسے کہنا چاہتی ہو کہ سب کچھ جانتے بوجھتے وہ اسے اس نازک حالت میں اس گھمنڈی شخص کے حوالے کر کے اس کے رحم و کرم پہ چھوڑ کر کیسے جا سکتی ہے۔

(جبکہ وہ کہاں جانتی تھی کہ اجالا نے ایسا جان بوجھ کر ہی کیا تھا۔)

اجالا تم مجھے ایسے چھوڑ کر کیسے جا سکتی ہو،، لویزا سسک پڑی۔

ائم سوری لیزا، عالی نے اچانک،، پلیز حوصلہ کرو یار،

اجالا مجھے یہاں سے جانا ہے، نہیں رہنا یہاں، خود جانے سے پہلے خدا کے لئے مجھے یہاں سے لے جاؤ،، لویزا بوکھلا ہی تو گئی تھی۔

کہاں جاؤ گی لویزا، اجالا نے سنجیدگی سے پوچھا۔ میری بات غور سے سنو، چلہ پورا کرو، تب تک ہم بھی آ جائیں گے اور یہ شور ہنگامہ بھی تھم جائے گا،، تو کچھ سوچیں گے رائٹ،، اس نے اس کا گال تھپتھپاتے آدھی باتیں نگاہیں چرا کر کہا۔

مگر اجالا،،

لیزا عالی ویٹ کر رہے مجھے جانا ہوگا،، وہ بولا کر فوراََ وہاں سے نکلی تھی۔

مگر باہر آ کر پھوٹ پھوٹ کر روئی تھی اور شاکی نگاہوں سے رانا میر ہادی کو گھورا جو تشکر آمیز نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔۔

بھابھی آئم سوری،، وہ اتنا ہی بولا پایا۔

پتا نہیں کس کس بات کے لئے سوری بولیں گے آپ،، ہر بار اسے ایک نیا دھوکا دیتے ہیں،، اجالا دانت پیس کر بولی تو وہ نگاہیں چرا گیا۔

اجالا تن فن کرتی وہاں سے نکلی تھی۔

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

قریبا رات کے دس بجے کا وقت تھا رانا میر ہاشم اور رانا میر دراب واپس جانے کے تیار بیٹھے تھے۔

جب رانا میر ہاشم نے سرگوشی نما آواز میں میرا دراب سے کہا تھا۔

اگر بچہ اس سے لے کر بختاور کی گود میں ڈال دیا جائے،،

میرا ہشم کی بات پر میر دراب استہزایہ سی ہنسی ہنسے تھے۔

بھول ہے آپ کی بابا سائیں، وہ بھی آپ کا ہی پوتا ہے،، اور وہ لڑکی شاید اس کی زندگی ہے اور ضد بھی،، میر دراب نے گہرے لہجے میں کہا۔

کیا مطلب،،؟ میر ہاشم چونکے۔

مطلب یہ کہ کچی گولیاں نہیں کھیلیں آپ کے پوتے نے، ان دونوں کی علیحدگی کی صورت میں، بچے ماں کو ملیں گے،، یہ نکاح نامے میں لکھ کر دے رکھا ہے آپ کے پوتے نے،، اور اب عافیت اسی میں ہے کہ آپ اسے دل سے تسلیم کر لیں اور ایسے کسی بھی آئیڈ پر عمل کرنے سے باز رہیں،، میر دراب نے کہا تو میر ہاشم چھاؤں کی طرح بیٹھ گئے تھے جب میر ہادی کو اندر آتے دیکھا۔

ہم حویلی واپس جا رہے ہیں، ملنے آتے رہیں گے بختاور اور تمھاری دادی واپس جائیں گے اور تمھاری ماں بہو کے پاس رہیں گی،، مگر بہتر یہی ہے بہو کو حویلی لے آؤ،، کیونکہ ہم سب اب بچے کے بغیر ہر گز نہیں رہیں گے،،

میر ہاشم نے حکم صادر کیا۔ مگر سامنے بھی وہ سر پھرا تھا۔

ابھی ممکن نہیں دادا سائیں،، سفر منع ہے اس کا، چلے کے بعد دیکھا جائے گا، انداز لٹھ مار تھا۔

میر ہاشم نے اسے گھوری سے نوازا۔ مگر یہاں اثر کسے تھا۔

وہ سب اس سے مل کر بے بی کو ڈھیر سارا پیار کر کے واپس چلے گئے۔ ممتاز بیگم لویزا کے پاس رکنا چاہتی تھیں۔ کہ ابھی اتنے چھوٹے بے بی کو اتنی تکلیف میں سنبھالنا مشکل تھا مگر ان کے سر پھرے بیٹے نے ان کی ایک نہیں سنی تھی۔ اور انھیں الگ کمرے میں روانہ کر دیا۔

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

رات گیارہ بجے وہ روم میں داخل ہوا تھا۔ بے بی سو رہا تھا جبکہ وہ تکیے سے ٹیک لگائے بیٹھی بری طرح روتے ہوئے اپنے لب دانتوں تلے کچل رہی تھی۔۔

وہ جان بوجھ کر لیپ ٹاپ لے کر صوفے پر بیٹھا بزی ہونے کی ایکٹنگ کرنے لگا تھا۔ مگر تمام تر حسیات سے اس کی جانب متوجہ تھا۔۔

وہ بے چین سی تھی۔ اور بری طرح اپنے لب کاٹ رہی تھی۔

شاید،

نہیں یقیناََ اسے واش روم جانا ہوگا۔

لیزا،، واش روم جانا ہے،،؟ وہ پوچھ بیٹھا۔

مگر ادھر سے کوئی جواب نہیں آیا تھا۔۔ ہاں مگر وہ گھٹنوں میں سر دیئے اپنی بے بسی پر پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔

میر ہادی تڑپ کر اپنی جگہ سے اٹھا تھا۔ اور اس کے سر پر پہنچا۔

کیا ہوا ایلو جان،، بہت نرمی اور محبت سے پوچھا۔

وہ بیمار تھی، تکلیف میں تھی، اور لباس بھی سارا خراب ہو چکا تھا۔ میر ہادی سیکنڈوں میں اس کی مشکل سمجھ چکا تھا۔

جلدی سے ڈریسنگ میں سے اس کا سادہ اور آرم دہ سا سوٹ نکالا اور واش روم میں رکھا اس کی ضروت کی ہر چیز واش روم میں رکھی۔۔

اب ایک سرد سی آہ بھرتا اس کے قریب آیا تھا۔

وہ اس کے ارادے بھانپتی پیچھے کو سرکنے لگی۔۔

میر ہادی نے اپنے ہاتھ اس کی طرف بڑھائے جو کہ وہ بری طرح جھٹپٹاتی جھٹک چکی تھی۔

خبردار،، ڈونٹ ٹچ می،، ہاتھ مت لگانا مجھے،،

لیزا سمجھنے کی کوشش کرو،، وہ نرمی سے اس مخاطب ہوا تھا۔ کمال ضبط کا مظاہرہ کر رہا تھا۔

نو، نہیں،، دور رہیں مجھ سے،، ہاتھ بھی نا لگانا نہیں تو،،،

اس کے الفاظ منہ میں دم توڑ گئے تھے جب میر ہادی نے زبردستی اسے بازوؤں میں بھرا۔

وہ بری طرح جھٹپٹائی اور مسلسل مزاحمت کیے گئی۔ مگر وہ ازے واش روم میں لا چکا تھا۔ نرمی سے نیچے اتارا۔ اور اس کی جانب سے رخ موڑ لیا۔

وہ یا تو رو سکتی تھی یا جھٹپٹا سکتی تھی اور دونوں کام بخوبی کر رہی تھی۔ تبھی اب پھر رونا سٹارٹ کر چکی تھی۔۔ اس ڈھیٹ انسان کو سٹل وہیں جمے دیکھ،

باہر جائیں،، وہ چلائی۔

چینج کرو لیزا، نہیں دیکھوں گا تمھاری طرف، مگر میں باہر نہیں جاؤں گا،، اطمینان قابلِ دید تھا۔

میں نے کہا باہر جائیں،، وہ پھر غرائی۔

اوکے رائٹ، میں ڈور کے باہر کھڑا ہوں، تم لاک نہیں لگاؤ گی، چینج کر چکو تو ڈور ناک کرنا میں اندر آ جاؤں گا،، وہ صلح جو انداز میں بولا۔

لویزا نے سر جھٹکا۔ وہ باہر چلا گیا۔

کچھ دیر بعد ہی لویزا خود کو گھسیٹتی ڈور تک لائی تھی۔ اور دل میں دعا مانگنے لگی کہ اسے اتنی ہمت و صحت عطا کی جائے کہ وہ اس شخص کی محتاج تو بلکل نا رہے،

اس نے آہستگی سے ڈور کھولا ۔ سامنے ہی وہ شخص آنکھوں میں دنیا جہان کی محبت سموئے اس کے سامنے دیوار بنا کھڑا تھا۔ جب پھر آگے بڑھا۔

ہٹیں سامنے سے،، میں خود چل سکتی ہوں،، کسی بھی سہارے کی ضرورت نہیں مجھے،، وہ اسے اچھی طرح باور کرنا چاہتی تھی کہ اسے اب اس کی ضرورت نہیں۔ وہ خاموشی سے مگر لڑکھڑاتی اس کے پہلو سے نکل کر جانا چاہتی تھی جب بری طرح لڑکھڑائی۔ مگر دو مضبوط بازوؤں نے اسے وقت رہتے تھام لیا تھا۔

میر ہادی نے اس کی مزاحمت کی پرواہ کیے بغیر پھر اسے بازوؤں میں بھرا تھا۔ اور لا کر بیڈ پر لٹایا۔

لویزا نے اس سے نفرت سے منہ موڑا تھا۔ مگر اس نے جھک کر نرمی سے اس کے بالوں پر اپنے لب رکھے۔ ایک قیمتی موتی ٹوٹ کر اس ظالم لڑکی کے بالوں میں جزب ہوا تھا۔

اس سے پہلے وہ پھر واویلا مچاتی وہ دل میں اٹھتے قیامت خیز جزبوں پر لگامیں کستا پیچھے ہٹا تھا۔

لویزا نے کروٹ بدل کر آنکھیں موند لیں تھیں۔

میر ہادی بیڈ پر اپنی سائیڈ آ کر لیٹا تھا۔

جھک کر بے بی کو پیار کیا۔ مگر اس ظالم لڑکی نے بے بی کو بڑی جلدی اپنی جانب کھسکا لیا تھا۔

میر ہادی چت لیٹا آنکھوں پر بازو رکھ چکا تھا۔ نیند ، محبت، محبوب اور بے بی اس سے جیسے کوسوں دور تھے۔

مگر ضبط کے بند خود پر باندھے رکھے۔

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

چلتی پھرتی ہوئی آنکھوں سے اذاں دیکھی ہے
میں نے جنت تو نہیں دیکھی ہے ماں دیکھی ہے

ممتاز بیگم کمرے میں داخل ہوئیں تو لویزا ہونق سی بنی بیٹھی تھی۔ بے بی نے اس کے ہاتھ پیر پھلا رکھے تھے۔ رو رو کے بے بی نے پورا روم سر پر اٹھا رکھا تھا۔ میر ہادی بھی بوکھلایا ہوا تھا کچھ بے بی کے جسم کا رنگ بھی زرد زرد سا محسوس ہو رہا تھا۔

ممتاز بیگم مسکرائیں۔ اور اس کے قریب آئیں۔

کیا ہوا بیٹا،،

افففف یہ چپ ہی نہیں ہو رہا امی، رات بھر جاگ کر روتا رہا اور مجھے پریشان کرتا رہا،، لویزا نے اسے گود میں اٹھایا۔

ممتاز بیگم اس کے قریب بیٹھیں۔

پہلا بچہ تو میاں بیوی کے لئے تجربہ ہی ہوتا ہے،، ضرورت سے زیادہ کیئر کرنی پڑتی ہے، کسی چیز کا بھی علم نہیں ہوتا، لیکن ایک ماں ایسی ہستی ہوتی کہ خود بخود پتہ چل جاتی ہے ہر بات،، ممتاز بیگم نے اسے سمجھاتے بے بی کو گود میں لیا۔

اس کا کلر کیوں پیلا پڑ رہا ہے امی،، لویزا فکر مند ہوئی۔

یہ اتنی فکر کی بات نہیں ہے، صبح صادق کے وقت سورج کی پہلی شعاعیں بے بی کو لگوائیں گے تو ٹھیک ہو جائے گا،،، اور یہ رو اس لئے رہا ہے کہ اس کے پیٹ میں درد ہے،، ممتاز بیگم نے کہتے پاس پڑی دوا کے چند قطرے بے بی کے منہ میں ٹپکائے۔

آپ کی کیسے پتہ چلا امی سائیں،، میر ہادی نے تعجب سے پوچھا۔

ماں کو پتہ چل جاتا ہے، یونہی تو نہیں جنت سمٹ کر قدموں میں آ جاتی،، وہ مسکرائیں۔

ممتاز بیگم جب سے آئیں تھیں ان دونوں کے بیچ موجود ایک ان دیکھی سی سرد مہری اور دوری محسوس کر چکی تھیں۔

میر ہادی اپنا لیپ ٹاپ اٹھا کر باہر گیا تو ممتاز بیگم اس کی جانب متوجہ ہوئیں تھیں۔

لویزا بیٹا،،

جی،، وہ اب بے بی کو فیڈ کروا رہی تھی۔ دوا لے کر وہ پرسکون ہو چکا تھا۔

میرے بیٹے سے ناراض ہو،، وہ پوچھ بیٹھیں۔

نہیں،، ناراض ان سے ہوا جاتا ہے جن سے کوئی تعلق کوئی واسطہ ہو، اور میرا آپ کے بیٹے سے کوئی تعلق نہیں، ایک کاغذ کا تعلق ہے، وہ بھی جلد ہی میں توڑ ڈالوں گی،، اس کے لہجے میں ان دیکھی نفرت کی سی تپش تھی۔ ممتاز بیگم چونکیں۔

کیا کیا ہے اس نے،،

میرے بابا کا قاتل ہے آپ کا بیٹا، اغوا کیا مجھے، اور، وہ آہیں بھرتی انھیں سب بتاتی چلی گئی۔ ممتاز بیگم صدمے سے گنگ اسے روتے دیکھتی رہیں زبان تالو سے چپک گئی۔ ایک لفظ بھی تسلی کا اسے نہیں بول سکیں تھیں۔

مجھے زیادہ حیرت نہیں ہوئی بیٹا، رانا خاندان تو باعث فخر سمجھتا ہے یہ سب کرنا، ظلم، جبر، قتل وغارت، خود پرستی،، خود غرضی، سے بھری پڑی ہے رانا خاندان کی تاریخ،،
وہ نم لہجے میں، تلخی سے مسکرائیں تو لویزا کو مزید صدمہ لگا۔
لیکن میں اس خاندان کا حصہ ہر گز نہیں بنوں گی، امی اپنے بیٹے سے کہیں مجھے طلاق چاہیے، وہ روتی چلی گئی۔ مگر ممتاز بیگم نے اسے اپنی گود میں لٹا کر کافی دیر اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتی رہیں تھیں۔
آپ کو پتہ ہے امی،، میری پھپھو کا نام بھی ممتاز ہے،، اسی لئے مجھے آپ میں سے ان کی خوشبو آتی تھی، تبھی میں آپ کا نام سن کر چونک جایا کرتی تھی، یہاں سے جانے کے بعد میں انھیں کے پاس جاؤں گی،، میں نے فون کیا تھا، مگر نمبر بند تھا ان کا،،

میں بہت جلد ان کے پاس چلی جاؤں گی،، وہ اپنے دل کی باتیں کرتی جلد ہی نیند کی وادیوں میں اتر گئی۔

ممتاز بیگم خاموشی سے وہاں سے اٹھ کر باہر آئیں تو دروازے کے قریب ہی وہ پینٹ کی پاکٹوں میں ہاتھ ڈالے لال انگارا آنکھیں زمین میں گاڑھے کھڑا تھا۔

سنا تم نے رانا میر ہادی وہ علیحدگی چاہتی ہے،، ممتاز بیگم نے سنجیدگی سے کہا۔

لیکن میں نہیں چاہتا، اس کے بغیر ایک پل بھی نہیں جینا چاہتا،

زبردستی کرو گے،، وہ پھنکاریں۔

کرنی پڑے گی ،، وہ بھی ڈھیٹ تھا۔

تمھارا کوئی قصور نہیں میر ہادی، ظالم خون کا اثر ہے،،

نہیں امی سائیں ، اس بار آپ شاید غلط ہیں، عشق کا اثر ہے، جو سر چڑھ کر بولتا ہے میرے،

وہ تم سے نفرت کرتی ہے،

اس کی جگہ میں ہوتا تو مجھ سے نفرت ہی کرتا، اس کی نفرت کا جواب بھی میرے پاس محبت ہی ہے، اطمینان قابلِ دید تھا۔۔

چھوڑ دو اسے میر ہادی، ممتاز بیگم کی بات پر اس کا دل کرچی کرچی ہوا تھا۔

مجھے ایسے سنائی دیا امی سائیں جیسے آپ نے کہا ہو میر ہادی سانس لینا چھوڑ دو،،

دو دو زندگیاں برباد کر رہے ہو، ایک بختاور کی ایک اس کی اور جب اسے بختاور کا علم

ہوگا تو جانتے ہو کیا ہوگا، دو دو زندگیوں سے کھیل رہے ہو تم،، آج شاید یومِ حساب تھا جو

ممتاز بیگم اس کے دل کے بخیے ادھیڑنے میں مصروف تھیں۔

دونوں کو آباد کر دوں گا امی سائیں وعدہ ہے میرا آپ سے مگر فی الحال مجھے اور اسے

ہمارے حال پر چھوڑ دیں، اور یہ یاد رکھیے گا رانا میر ہادی کسی صورت کسی بھی قیمت پر

رانا لویزا میر ہادی کو نہیں چھوڑے گا،، وہ کہتا سٹڈی میں گم ہوا۔

ممتاز بیگم نے ایک افسوس بھری نگاہ اس پر ڈالی اور وہاں سے چلیں آئیں۔۔

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

جونئیر وڈیرا جی نے پورا میر لاج سر پر اٹھا رکھا تھا۔ آج اس کے پیدائش کے بال اتروائے گئے تھے۔

اب لویزا ممتاز بیگم کی ہدایات کے مطابق نرمی سے اس کے جسم کی مالش کر رہی تھی۔

اور کچھ دیر بعد اسے نہلایا جانا تھا۔

وہ اب بہت عمدہ انداز میں اس کی دیکھ بھال کرنے لگی تھی۔ نومولود کی دیکھ بھال بھی جوئے شیر لانے کے مترادف تھا۔ جو وہ بخوبی کر رہی تھی۔۔

وہ بے بی کی کئیر کر رہی تھی اور میر ہادی نے قدم قدم پر اس کے لاکھ مزاحمت کرنے اور نا نا کرنے کے باوجود اس کی کئیر کی تھی۔

اب وہ صحتیاب ہو چکی تھی۔ اپنا خیال رکھ سکتی تھی۔

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

آج اس کے چلے کو بیسواں دن تھا۔ وہ خود بھی فریش ہوئی تھی اور اب بے بی کو نہلا کر بیڈ پر ہر چیز کا بکھیڑا ڈالے اسے کپڑے پہنا رہی تھی جب وہ فریش ہو کر گیلے بالوں میں انگلیاں پھیرتا باہر نکلا۔ ڈریسنگ کے پاس کھڑا ہو کر کوٹ پہنا اور اپنی تیاری کرنے لگا۔ براؤن تھری پیس میں ہمیشہ کی طرح شاندار شخصیت، بھرپور مردانہ وجاہت کا شہکار، مگر بھرپور توجہ صرف اور صرف اس کی جانب تھی جو کئی دن سے اس سے ناراض ہو کر منہ موڑے ہوئے تھی۔

وہ ہر بار اسے مخاطب کرنے کی کوشش کرتا رہا مگر ہر بار وہ نامراد ہی رہا۔

اب بھی وہ بیڈ کے قریب آیا۔

"کچھ ضروری کام کے لیے جا رہا ہوں اپنا اور بے بی کا خیال رکھنا،، میر ہادی نے سنجیدگی سے کہا اور جھک کر بے بی کو چوما۔ خوشبوؤں کا ریلا سا سانسوں سے ٹکرایا تھا وہ بوکھلا کر جھٹکے سے پیچھے ہٹی تھی۔

میر ہادی اتنی ٹینشن میں بھی اس کے اس طرح اس کی قربت سے گھبرانے پر مبہم سا مسکرایا اور روم سے نکلتا چلا گیا۔۔

میر ہادی کو گئے ایک دو گھنٹے گزر چکے تھے۔ بے بی اب گہری نیند سو چکا تھا۔ اب وہ جو کرنا چاہتی تھی وہ باآسانی کر سکتی تھی۔ تبھی فون کر کے وکیل کو میر لاج بلایا تھا۔ مگر کیا وہ نہیں جانتی تھی کہ اسے پل پل کی رپورٹ ہوتی ہے۔۔

وکیل آیا۔ وہ دوپٹہ اچھی طرح اوڑھ کر کمرے سے باہر نکلی۔ سامنے ممتاز بیگم کھڑی تھیں۔

لویزا بیٹا ایک مرتبہ سوچ لو،،

نہیں امی مجھے کچھ نہیں سوچنا،،

یہ میر خاندان کے مردوں سے واقف نہیں تم، بڑے ضدی اور سر پھرے ہوتے ہیں،،

میر خاندان کا پالا آج تک لویزا اقبال سے نہیں پڑا،،، شاید اس لئے ، میرے سائن کیے ہوئے پیپر کورٹ پہنچ جائیں، بس یہ قصہ ادھر ہی ختم ،، وہ کہتی آگے بڑھ گئی تھی۔

ڈرائنگ روم میں آئی لوئر اس کے اعزاز میں اٹھ کر کھڑا ہوا تھا۔ مگر نہیں جانتا تھا اپنی بدقسمتی کو خود ہی دعوت دے رہا ہے۔

لویزا اس کے سامنے بیٹھی۔ اپنے بیگ میں سے اس نے پیپر نکال کر اس کے سامنے رکھے۔ لویزا کے دل نے پسلیوں سے سر پٹخا۔۔

کمال شخص تھا جس نے مجھے تباہ کیا
خلاف اس کے یہ دل ہو سکا ہے اب بھی نہیں

اس کا دل کیا اس دل کا منہ نوچ لے۔۔ تبھی اپنے کان لپیٹتی خلع کے پہلے پیپر پر سائن کر دیئے تھے۔ مگر،

وہ آندھی طوفان بنا میر لاج داخل ہوا تھا۔ آفس میں مختلف کمپنیز سے ضروری میٹنگ میں مصروف تھا جب افضل کی کال آئی۔ اور اس نے سب کچھ اگنور کر کے کال اٹینڈ کی۔ مگر سامنے سے جو سننے کو ملا تھا۔ اس نے کئی دنوں کے ایک بھوکے پیاسے شیر کو جیسے جگا دیا تھا۔ تبھی وہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ وہاں سے نکلا تھا۔

جھٹکے سے گاڑی سے اترا اور دم ہلاتے میکس کی جانب گیا۔ اس کی رسی کھول دی تھی۔ اور تیزی سے اندر داخل ہوا۔

لویزا جو آنے والے طوفان سے بے خبر تھی سنجیدگی سے جھک کر خلع کے ایک پیپر سائن کر دیئے جب ڈرائینگ روم میں جیسے قیامتِ صغرا برپا ہوئی تھی۔

میر ہادی کے ساتھ میکس ڈرائنگ روم میں داخل ہوا تھا۔ میر ہادی نے سب سے پہلے آ کر ان پیپر پر کچھ گرا کرا انھیں آگ دکھائی تھی۔

اور میکس لوئر پر جھپٹ پڑا تھا۔

گلاس ٹیبل ایک پیر کی کک رسید کیے جانے پر ہی سوکھی لکڑی کی طرح ہوا میں اچھلی تھی۔

اور دیوار سے ٹکرا کر چھناکے سے چکنا شور ہوئی۔لویزا کے منہ سے زور دار چیخ برآمد ہوئی۔ وکیل کی چیخ و پکار نے میر لاج کو ہلا کر رکھ ڈالا تھا۔ میکس نے مسکین کو بھنبھوڑ ڈالا۔

سٹاپ میکس،، چھوڑو اسے، سٹاپ دس،، لویزا چلائی تو میکس برا مناتا باہر بھاگ گیا۔ تبھی ممتاز بیگم ڈرائنگ روم میں داخل ہوئیں تھیں۔۔

ہادی کیا ہے یہ سب،، وہ چلائیں۔

امی سائیں آپ اپنے کمرے میں جائیں، پلیز، یہ ہمارا آپس کا معاملہ ہے، جائیں یہاں سے،، میر ہادی دھاڑا تو مجبوراً وہ اپنے کمرے میں جا کر بند ہو گئیں تھیں۔

رانا میر ہادی ٹوٹ کر بکھرا تھا۔۔

میں جس کی راہوں میں بچھ گیا ہوں
اسی کو مجھ سے شکائتیں ہیں
شکائتیں سب بجا ہیں لیکن

میں کیسے اس کو یقین دلاؤں
جو مجھ کو جاں سے عزیز تر ہے

اسے بھولوں تو مر نہ جاوں ؟
میں اس خاموشی کے امتحان میں
کہاں کہاں سے گزر گیا ہوں
اسے خبر بھی نہیں ہے شاید
میں ڈھیرے ڈھیرے بکھر گیا ہوں

کہتے سے تو وکیل بھگت لیا اب شیر نے اس پر پنجا آزمائی کی تھی۔ تبھی اس کا گریبان میر ہادی کی گرفت میں آیا۔

جانتے ہو مجھے، کون ہوں میں؟ وہ پھنکارا۔

جج،، جی،، معا،،، معاف کر دیں،، رانا صاحب،، جج،، جانے دیں مجھے،، وہ گھگھیا گیا۔

میر ہادی نے اسے اس کے بیگ سمیت ڈرائنگ روم سے باہر پھینکا۔ گارڈز اسے گھسیٹتے لے جا چکے تھے۔

اب ڈرائنگ روم کی ہر چیز تہس نہس ہو رہی تھی اور وہ اس کا یہ جنونی اور پاگل پن والا روپ دیکھ ڈری سہمی مگر غصے سے لال بھبھوکا چہرہ لیے ایک کونے میں کھڑی تھی۔

تبھی پیر پٹختی وہاں سے جانے لگی تھی۔ جب وہ جارحانہ تیور لئے اس کی جانب بڑھا۔ بازوؤں سے پکڑ کر اسے جھٹکے سے دیوار سے پن کیا۔ لویزا کے منہ سے ہلکی سی چیخ برآمد ہوئی۔ میر ہادی نے بازو چھوڑ کر دیوار پر دائیں بائیں ہاتھ رکھے۔

آخر چاہتی کیا ہو تم؟ لال انگارا آنکھیں، سرسراتا لہجہ ، ایک مرتبہ تو لویزا کے بھی گلے میں گھٹلی سی ابھر کر معدوم ہوئی تھی۔

بتا چکی ہوں کیا چاہیے، مگر اپ پوچھ ہی رہے ہیں تو دوبارہ بتا دیتی ہوں طلاق چاہیئے مجھے،، وہ اس کے غصے سے خائف تو تھی مگر اثر لیے بغیر بولی۔

نہیں دوں گا، کیا کرو گی، آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولا گیا تھا۔

کورٹ جاؤں گی،، وہ بھی پھنکاری۔

اور تمھیں لگتا ہے میں تمھیں جانے دوں گا،،

کیا کریں گے آپ مجھے روکنے کے لئے،، میں نہیں ڈرتی آپ سے،،

ہمممم گڈ،، یو نو واٹ تمھاری اس بریوری سے ہی تو عشق ہے رانا میر ہادی کو ایلو جان ، مجھ سے ڈرتی تو آج اس مقام پر نا کھڑی ہوتیں، وہ پٹڑی سے اترا۔

آپ مجھے قید کریں گے تو یہ بھول ہے آپ کی،، وہ چلائی۔

آلریڈی کر چکا ہوں، قید،، اپنے دل میں، قسم خدا کی اب نکال پانا ممکن نہیں،، بھاری لہجہ تھا

غصہ جھاگ کی طرح بیٹھ چکا تھا وہ تو اس بات پر ہی خوش ہو رہا تھا کہ وہ اتنے دنوں بعد اس سے بات کر رہی ہے، لڑ رہی ہے، الجھ رہی ہے۔

آئی ہیٹ یو، زہر لگتے ہیں آپ مجھے،، وہ جھلائی۔

تو تم مجھے کونسا شہد لگتی ہو، ایلوویرا کی ایلوویرا ہی رہو گی ناں، لیکن یہ ایلو بڑی زور سے لگی ہے اس کمبخت دل کو، کہ دوبارہ اٹھ نہیں پایا رانا میر ہادی،، وہ بہکا سا بولا۔ جس سے وہ بری طرح جھٹپٹائی تھی۔

ہٹیں سامنے سے مجھے جانا ہے،،

نہیں ہوں گا، کیا کرو گی؟ وہ اطمینان سے بولا۔

میں منہ نوچ لوں گی آپ کا،، وہ غرائی۔

چوم لو،، ادھر بھی اثر زرا کم ہی ہوتا تھا کسی چیز کا۔

واٹ،، ہٹیں سامنے سے،، اب کی بار لویزا نے دیوار پر رکھے اس کے دائیں ہاتھ پر بری طرح اپنے ناخنوں سے سکریچ مارتے اپنا سارا غصہ نکالا تھا کہ ہاتھ بازو تک لال ٹماٹر ہو گیا اور خون کی ننھی منی بوندیں ابھر آئیں۔

مگر وہ ڈھیٹ بنا مسکراتا رہا۔

"You know it's an honor for me,,

کیونکہ ان نشانوں نے مجھے ان سکریچز کی یاد دلا دی جو تم میری شدتوں میرے پاگل پن سے گھبرا کر، میرے وجود پر دیا کرتی تھیں، یاد ہے ناں،،

لویزا کے کان کے انتہائی قریب بھاری بوجھل لہجے کی گھمبیر سرگوشی کچھ گردن اور کان پر پر حدت سی سانسوں کی تپش، لویزا کی سانس حلق میں ہی اٹک چکی تھی۔ کانوں تک وہ لال ٹماٹر ہوئی تھی۔ گہری سانسیں بھرتی اپنی حالت پر قابو پانے کی کوشش کرنے لگی۔ ۔جبکہ وہ قریب کھڑا اس کی غیر ہوتی حالت سے محظوظ ہو رہا تھا۔

اول درجے کے چیپ، گھٹیا اور بے شرم انسان ہیں آپ،، وہ دانت پیستی اس کے سینے پر ہاتھ رکھ کر اسے پرے دھکیلتی اپنے کمرے میں چلی آئی تھی۔

پیچھے وہ اب ساری بھڑاس نکال کر پرسکون سا بالوں میں ہاتھ پھیرتا صوفے پر گرتا چلا گیا۔

مگر کمرے میں آکر اپنی بے بسی پر دل کھول کر آنسو بہائے تھے کہ اسے برباد کرنے والے، اور اسے اس کے بابا سے دور کرنے والے سے تو کھل کر نفرت بھی نہیں کر پا رہی تھی۔

اپنا ہی دل بغاوت پر اتر رہا تھا۔ مگر اس نے اپنے دل کی ہر گز نہیں سننی تھی۔ بلکل بھی نہیں۔

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

ممتاز بیگم بیڈ پر بیٹھی لویزا کے واش روم سے باہر آنے کا انتظار کر رہیں تھیں۔

آج وہ چلہ نہائی تھی ۔ اور حویلی کی رسموں کے مطابق چلہ نہا کر باہر واش روم کے دروازے پر ہی اس کا منہ میٹھا کر کے پہلے گود میں ساتھ قسم کے میوے اور سات قسم کے پھل دیئے جانے تھے۔

جس کا مطلب تھا اس کی گود ہمیشہ بھری رہے پھر زارون کو اس کی گود میں دیا جانا تھا۔

حویلی سے بھی سب کافی دفع اس سے مل کر گئے تھے۔
اجالا اور عالی عمرے کے بعد وہاں سے ہی لندن اجالا کی پھپھو کے پاس چلے گئے تھے۔

اس دوران لویزا نے دوبارہ اس کے منہ لگنے کی غلطی سے بھی غلطی نہیں کی تھی۔
جہاں تک ممکن تھا اس سے گریزاں رہ کر اسے بے تحاشا تڑپایا ہی تھا۔ مگر دو چیزیں تھیں جو وہ چاہ کر بھی نہیں روک پائی تھی ایک ہادی کا لویزا کی کئیر کرنا دوسرا اسکا بے بی کے ساتھ بری طرح اٹیچ ہونا۔

لویزا ہاتھ لے کر باہر نکلی تو دروازے پر ہی ممتاز بیگم نے اس کا منہ میٹھا کروایا۔۔ پھر اس کی گود میں میوے اور پھل رکھے گئے۔ جو کہ اس نے پاس کھڑی فریدہ کو تھما دیے۔ پھر اس کی گود میں زارون کو دیا گیا۔

ممتاز بیگم نے اسے اپنے سینے سے لگایا اور مبارک باد دی۔

میر ہادی خاموش سا دیوار سے ٹیک لگائے یہ ساری کاروائی دیکھ رہا تھا۔ ممتاز بیگم صدقہ وخیرات دینے باہر لان میں نکلیں تو میر ہادی آہستگی سے چلتا اس کے قریب آیا۔

میری طرف سے بھی مبارک قبول کرو، ایلو جان،، وہ اسے گہری نگاہوں سے دیکھے گیا۔ جو مکمل سرخ لباس میں چاندی کی طرح دمک رہی تھی۔ زارون کو گود میں لیے بیڈ پر بیٹھ چکی تھی۔ دوپٹے سے جھانکتے گیلے بال کمر سے چپک رہے تھے۔

مبارک باد نہیں خلع چاہیے مجھے، وہ دے دیں مہربانی ہوگی،، لہجہ چھبتا ہوا سا تھا جو میر ہادی کی آنکھوں میں کرچیاں بکھیر گیا۔

وہ تو ملنے سے رہی،، وہ دانت پیس کر بولا۔

کیوں، کافی وقت گزر چکا ہے، اب تک تو آپ جیسے امیر زادے کا دل بھر جانا چاہیے تھا،، کہ اب تک،،،، لویزا اپنی جگہ سے دو فٹ اچھلی تھی کیونکہ وہ پیچھے ڈریسنگ کا شیشہ پرفیوم کی بوتل مار کر دھماکے کے ساتھ چکنا چور کر چکا تھا۔ افسوس تو اسی بات کا تھا کہ غصے سے پاگل ہو کر بھی وہ اسے کچھ نہیں کہہ پاتا تھا جو ہر مرتبہ اس کی روح تک

کو چھلنی کرتی اس کے تمام بخیے ادھیڑ دیتی تھی تبھی شدید طیش و اشتعال میں کمرے سے ہی نکل گیا۔ کچھ دیر بعد ہی اس کی گاڑی کی آواز سنائی دی۔

لویزا تلخی سے مسکرائی۔

اونہہہہ سچ ہمیشہ کڑوا ہوتا ہے،،

کئی دنوں سے جو سوچ رکھا تھا اس پر عمل کرنے کا وقت آن پہنچا تھا۔ اب تو موقع بھی تھا۔ وہ ممتاز بیگم کے منع کرنے کے باوجود چھوٹے سے بیگ میں اپنی اور بے بی کی ضرورت کی چیزیں رکھتی انھیں اللہ حافظ بول کر کیب کروا کر گھر سے نکل آئی تھی۔

اسے نہیں پتہ تھا اس کے اس عمل کا اتنا شدید رد عمل ہوگا۔

میر ہادی کو اطلاع مل چکی تھی۔ وہ فورا میر لاج آیا۔ لویزا کے اسے بتائے پوچھے بغیر اس اقدام نے میر ہادی کو غصے سے پاگل کر چھوڑا تھا۔ تبھی ایک حتمی فیصلہ کرتے ایک نتیجے پر پہنچتے وہ ممتاز بیگم کو لیے گھر سے نکلا تھا۔ اب یہ تو طے تھا کہ وہ اسے اتنی ڈھیل بلکل نہیں دینے والا تھا کہ وہ یوں منہ اٹھا کر کبھی بھی کہیں بھی چلی جاتی۔

تبھی افضل اور گارڈز کی فوج ساتھ لی تھی۔ تمام رستے اس کے جسم و جاں ایک ان دیکھی جلن میں سلگے جھلسے تھے۔

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

پون گھنٹے بعد وہ اپنی پھپھو ممتاز بیگم کے گھر کے باہر گاڑی سے اتری تھی۔ جلدی سے دستک دے کر اندر داخل ہو گئی۔ ممتاز بیگم جو دستک کی آواز سن کر دروازے تک ہی آ رہیں تھیں اسے دیکھ، اس کے ہاتھوں میں معصوم نومولود دیکھ حیران رہ گئیں تھیں۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے گلے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر روئیں تھیں۔ ممتاز بیگم نے فون کر کے ظفر کو اطلاع دی تو وہ بھی چلا آیا تھا۔ تمام کہانی سن کر ظفر بھی اسے تسلی دیتا رہا اب یہ تو طے تھا کہ جب وہ لوٹ ہی آئی تھی تو اسے اب ظفر کو ہونا ہوگا۔ یہ جاگتے دن میں جاگتی آنکھوں سے پھر سے سپنے بننے لگا تھا۔

ہچکیوں کے دوران خود پر بیتنے والی تمام داستان وہ ان کے گوش گزار کر چکی تھی۔ اور اپنے بابا کو یاد کر کے وہ بے تحاشا رو دی تھی۔

پھپھو،، میں اب اس وحشی درندے کے پاس واپس نہیں جاؤں گی،، جو میرے بابا کی موت کی وجہ بنا، جس کی وجہ سے بابا نے،، بابا نے خود کشی کی،، وہ پھوٹ پھوٹ کر ان کے سینے سے لگ کر روئی۔

ممتاز بیگم حیران ہوئی اور اسے سچائی بتانے کو منہ کھولا ہی تھا جب ظفر نے نفی میں سر ہلاتے انھیں ایسا کرنے سے منع کر دیا۔

ماں نے ایک پرشکوہ نگاہ بیٹے پر ڈالی مگر وہ بھی خود غرضی کا مظاہرہ کرتے نگاہیں چرا گیا۔ یعنی وہ جو اس بات کا چشم دید گواہ تھا اسے کبھی حقیقت نہیں بتانے والا تھا۔

ظفر نے لویزا کے کندھے پر اسے تسلی دینے کو اپنا دایاں ہاتھ رکھا تھا۔

For more books 0313-6137393

تبھی دھاڑ سے بیرونی دروازہ کھلا تھا اور رانا میر ہادی جنونی انداز میں طیش و اشتعال سے پاگل بنا اندر داخل ہوتا چلا گیا تھا۔ اس کے پیچھے گارڈز کی فوج اور افضل بھی اندر داخل ہوئے تھے۔

لویزا صدمے سے گنگ ڈری سہمی کھڑی تھی جب میر ہادی نے اس کی گود سے زارون کو لے افضل کو تھمایا۔

بے بی کو گاڑی میں امی سائیں کے حوالے کرو،، افضل بے بی کو لیے باہر جا چکا۔ وہ ہوش میں آئی اور افضل کی جانب لپکی۔

زارون،،، جب بیچ راستے میں میر ہادی نے اس کا بازو دبوچا تھا۔

مجھے اس آدمی کا دایاں ہاتھ چاہیے،،، میر ہادی دھاڑا۔

اندر آتے ہی اب گارڈز نے ظفر کو دھنکنا شروع کیا تھا۔ ممتاز بیگم چلانے لگیں تھیں۔

ظفر،، ہادی چھوڑیں اسے ،،لویزا مچلی اور ظفر کی جانب لپکی۔

وہ چیخ چلا رہی تھی۔

میر ہادی، چھوڑو مجھے،، اسے چھوڑو اسے،، دور ہٹو چھوڑ دو، جانے دو اسے،،

جب میر ہادی جھٹکے سے اس کا بازو جکڑے اسے اندر روم میں لے کر گیا تھا۔ لے جا کر اسے دیوار سے پن کیا۔

وہ اب بھی مسلسل ظفر کی چیخیں سن اور ممتاز بیگم کو بے ہوش ہوتے دیکھ چلا رہی تھی۔

اششششش،، میر ہادی نے لال انگارا آنکھیں لیے اس کے لبوں پر انگلی رکھی۔ وہ روئے گئی۔

جانتی ہو،، زندگی میں سب سے زیادہ میں نے کس سے نفرت کی ہے، باہر جو آدمی میرے ہاتھوں مرنے والا ہے اس سے،، اس وقت میرا غصہ سوا نیزے پر ہے ایلو جان، اگر نہیں چاہتی کے پہلے جو مجھ سے بائی مسٹیک ہوا تھا اب وہ میں جان بوجھ کر کروں اور ایک قاتل بنتے ہوئے کسی بے گناہ کے خون میں اپنے ہاتھ رنگ لوں تو میرا غصہ کم کرو،، اینڈ آئی سوئیر میں مزاق کے موڈ میں ہر گز نہیں ہوں۔

اس کی اس فرمائش پر لویزا نے پھٹی پھٹی بھیگی نگاہوں سے سامنے کھڑے اس سائیکو آدمی کو ملاحظہ کیا۔

گارڈز اسے مار مار کر ادھ مرا کر ہی چکے تھے۔

کم آن ایلو جان،، وہ مر رہا ہے،، میر ہادی کا سرسراتا لہجہ،،

Ohhh come on,,do it,, He will die,,

لویزا بے تحاشا روئی۔ مگر سامنے کھڑے اس بے مہر ستمگر کے بھنچے جبڑے اور تنی رگیں نارمل ہونے کا نام نہیں لے رہیں تھیں۔

ہر دفعہ وہ لویزا کو خود سے نفرت کرنے کی ایک نئی وجہ بڑی شان سے دیا کرتا تھا۔

ظفر کی چیخیں کم ہونے لگی تھیں یا واقعی وہ مرنے والا تھا۔

تبھی لویزا لرزتے کانپتے وجود کے ساتھ بے تحاشا روتے اس سنگدل کے سینے سے لگی تھی۔ اس نے بھی بے دھڑک اس کی کمر کے گرد بازو حمائل کیے تھے۔

سٹاپ،، وہ دھاڑا گارڈز وہاں سے نکلتے چلے گئے۔

لویزا نے اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھ جھٹکے سے اس سے دور جانا چاہا مگر وہ اس سے لپٹتا اس کی سانسیں اپنی دسترس میں لے چکا تھا۔ دونوں ہاتھ دیوار سے بری طرح پن کر دیئے۔

آج پھر اس کے لمس میں بھرپور شدت تھی کہ لویزا کو اپنی جان ہی نکلتی محسوس ہوئی۔ وہ شاید اتنے دنوں کے بعد خود کو سیراب کرتا اس کی سانسیں تک پینے کے در پہ تھا۔

تبھی لویزا بے تحاشا سہتے اس کی بانہوں میں جھول گئی تھی۔ وہ پیچھے ہٹا اور کمر میں ہاتھ ڈالتے اسے اپنے بازوؤں میں بھر لیا۔

باہر نکلا ایک حقارت آمیز نگاہ اس شخص پر ڈالی۔

باہر نکل کر اسے نرمی سے گاڑی میں بٹھایا۔

میر ہادی کیا کیا تم نے،، ممتاز بیگم لویزا کو بے ہوش دیکھ کر چلائیں،،

ڈرائیور حویلی چلو،، میر ہادی نے بول کر گاڑی کی سیٹ سے ٹیک لگائی، ہاتھ بڑھا کر اسے خود سے لگا کر سکون سے آنکھیں موند لیں۔

آج میں اس شخص کے زندان میں ہوں

جو میرے نام پر چڑیوں کو رہا کرتا تھا

لویزا کو ہوش آیا تو اس نے خود کو ایک حصار میں مقید پایا۔ کمر پر جانا پہچانا پرتپش سا لمس محسوس کر کے وہ فوراََ سیدھی ہوئی تھی۔ میر ہادی اس کے ہوش میں آنے پر چونکا اور لاتعلق سا ہو کر بازو پیچھے ہٹا لیا۔

امی ہم کہاں جا رہے ہیں،، خود کو گاڑی میں پا کر اور ساری صورتحال سمجھ کر اس کے اوسان خطا ہوئے تھے۔

جبکہ وہ موبائل میں یوں بزی ہو گیا جیسے کچھ دیکھ سن نہیں رہا تھا۔

امی بتائیں ہم کہاں جا رہے ہیں،، وہ گھبرائی۔

حویلی جا رہے ہیں بیٹا،، پرسکون ہو جاؤ،،

امی مجھے کہیں نہیں جانا،، وہ رو دی۔ مگر اس معاملے میں تو ممتاز بیگم بھی کچھ نہیں کر سکتی تھیں۔ سارے راستے گاڑی میں پھر اس کی دبی دبی سسکیاں گونجتی رہیں۔

زارون بھی گھبرا کر ماں کا ساتھ دینے لگا تھا۔ ممتاز بیگم نے اسے لویزا کی گود میں بھر دیا۔

گاڑی حویلی کے طویل ہو عریض ڈرائیو وے سے ہوتی اندر داخل ہوئی تو اتنی بڑی اور پرشکوہ عمارت دیکھ لویزا کی سانس اٹکی تھی۔ یعنی ایک اور بڑا سونے کا پنجرہ، گاڑی لان میں رکی تو لویزا جیسے اپنی جگہ پر جم سی گئی۔

امی سائیں آپ اندر جا کر استقبال کی تیاری کیجئے ہم آ رہے ہیں،، ہادی نے سنجیدگی سے کہا۔

ممتاز بیگم خاموشی سے اتر کر اندر چلیں گئیں۔ حویلی میں ایک غیر محسوس سی ہلچل مچ چکی تھی۔

میر ہادی گاڑی سے نیچے اترا۔ لیزا نیچے اترو،، سنجیدگی سے کہا گیا۔

نو،، نہیں آنا میں نے باہر، یہاں نہیں رہنا، ہر گز نہیں،، وہ نفی میں سر ہلاتی پیچھے کو سرکی۔

لیزا، کیوں چاہتی ہو میں ہر بار زبردستی کروں تمھارے ساتھ، میر ہادی جزبز سا ہوا۔ "اب اگر نہیں چاہتی میں وہی تماشا حویلی والوں کو دکھاؤں تو گاڑی سے خود ہی اتر آؤ، نہیں تو

میں سمجھوں گا تم پھر میری بانہوں میں آنے کو مچل رہی ہو،، میر ہادی کا لہجہ قابلِ دید تھا۔

لیزا نیچے اترو، حویلی والوں کے سامنے مجھے کوئی تماشہ نہیں چاہیے، مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا،، کم آؤٹ ناؤ،،

لویزا بری طرح اپنے لب کاٹتی گاڑی سے نیچے اتری تھی۔

سب گاڑی کے ارد گرد جمع ہونے لگے تھے۔ حالانکہ حویلی میں کام کرنے والیاں بھی، کافی رش لگ چکا تھا۔ سرخ لباس میں بلیک شال اوڑھے، پریوں جیسی خوبصورت سرخ و سفید سی معصوم مومی گڑیا چھوٹے سائیں کے پہلو میں اداس اداس سی مگر ہونق سی بنی کھڑی تھی۔ اور گود میں ننھا ساپنک کمبل میں لپٹا وجود اٹھا رکھا تھا۔

بختاور بھی اندر سے نکل کر باہر آئی تھی۔ مردان خانے میں موجود رانا میر ہاشم اور میر دراب بھی باہر چلے آئے تھے۔ انھیں اچانک ہی اطلاع ملی کے میر ہادی لویزا اور بے بی کے ساتھ حویلی ہی آ رہا ہے تو وہ باغ باغ ہو گئے تھے۔

اب خود چل کر ان کے استقبال کو وہاں پہنچے تھے۔

میر ہادی نے اس کے گرد بڑے حق سے بازو حمائل کیا، لویزا کنفیوز سی میر ہادی کے پہلو سے لگی ان سب کی سنگت میں آگے بڑھی۔

کام والیوں نے آگے بڑھ کر عقیدت سے لویزا کی چادر کا پلو ہی چومنا شروع کر دیا۔ تو لویزا بوکھلا ہی گئی۔

ارے یہ کیا کر رہیں ہیں آپ لوگ، اس کی ضرورت نہیں،، میں بھی آپ جیسی انسان ہی ہوں،، وہ ان کی جہالت اور خود کو اتنا حقیر اور کمتر سمجھنے پر کلس کر رہ گئی۔

میر ہادی اس کی جھنجھلاہٹ محسوس کر مبہم سا مسکرایا۔ وہ سمجھ سکتا تھا کہ یہ سب اس کے لئے نیا تھا جبکہ یہاں یہ عام سی بات اور روایت تھی۔

ارے بہو بیگم، کرنے دو بھئی ان کو اپنا شوق پورا، میر ہاشم نے اسے شاید باور کروایا تھا کہ اسے بھی حویلی کی روایات اور اقدار پر اسی طرح عمل کرنا ہے، جیسے کہ وہاں مقیم ہر فرد کرتا ہے۔

مگر میر ہادی ادے تھامے اندر لاؤنج میں چلا آیا تھا۔ وہ اماں سائیں سے ملی تھی۔ اور انھیں کے پاس بیٹھ گئی۔ سب نے باری باری زارون کو اٹھایا۔۔

مگر وہ روئے گیا۔

جاو بھئی بختاور بھو کو اس کے تیار کیے ہوئے کمرے میں لے جاؤ، تھک گئے ہوں گے دونوں ماں بیٹا آرام کریں گے،، اماں سائیں کے کہنے پر ان کی خلو خلاصی ہوئی۔

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

بختاور اسے جس کمرے میں چھوڑ کر گئی تھی وہ حویلی کے قدرے پچھلی طرف بنا پرسکون، بہت ہی بڑا، شاندار، اور دنیا کی ہر آسائش سے مزین تھا۔ کمرے میں ضرورت کی ہر چیز موجود تھی۔

وہ نہیں جانتی تھی یہ کمرہ اسپیشل حویلی کی اس بھو کے نصیب میں آتا تھا جو حویلی کو اس کا وارث دیتی تھی۔

بے بی روئے جا رہا تھا۔ وہ جہازی سائز بیڈ پر بیٹھی اور اسے فیڈ کروانے لگی تھی۔

جب میر ہادی ہلکے سے کنکھار کر روم میں داخل ہوا۔ لویزا نے جلدی سے خود پر شال گرائی۔

آہستگی سے آ کر وہ بیڈ کی دوسری جانب بیٹھا تھا۔

لویزا نے پہلو بدلا۔

ہائے یہ بیگانگی! اپنی نہیں مجھ کو خبر
ہائے یہ عالم، کہ تُو دِل سے جدُا ہوتا نہیں

کب تک ناراض رہنے کا پروگرام ہے ایلو جان،، سوال تھا کہ سوئی جو میر ہادی نے اس کی روح میں چبھوئی تھی۔
جو کچھ بھی ماضی میں ہو چکا ہے، کاش میں اسے بدل سکتا، مگر میرے بس میں نہیں، اس وقت حالات کچھ ایسے رہے اور تمھاری طبیعت کی وجہ سے میں تمھیں سچ نہیں بتا سکا،مگر،،

جھوٹ، سب کچھ جھوٹ، ہر بات جھوٹ، تب نہیں بتا سکے تھے تو اب ہر بات چھپانے میں کیا مجبوری مانع تھی آپ کی، بتانا پسند کریں گے،، کافی سرد لہجہ تھا۔ میر ہادی کے دل کو اس نے مٹھی میں جیسے کچلا تھا۔

یہ میرے عشق کی مجبوریاں معاذ اللہ
تمھارا راز تمھیں سے چھپاتا رہا تھا میں

زرا سا قریب ہو کر بھاری گھمبیر لہجے میں کی گئی سرگوشی نے لویزا سانس اس کے گلے میں اٹکائی تھی۔ ناچاہتے ہوئے بھی وہ اسے کرارا سا جواب دے کر اس کا منہ نہیں جھاڑ سکی۔ زبان تالو سے جو چپک چکی تھی۔ پاس بیٹھا ظالم، ستمگر بے مہر شخص اس کی روح تک میں بس چکا تھا۔اس کی زندگی میں آنے والا پہلا اور آخری شخص تھا آخر، تو محبت بھی کیوں نا الہام بن کر روح میں اترتی، کتنا مشکل ہوتا ہے ناں خود سے خودی کو نوچ کر پھینکنا اور دانستہ دور کرنا۔ اور یہی وہ کرنے کی کوشش کر رہی تھی مگر اس کی ہر کوشش کو وہ ناکام بنائے جا رہا تھا۔

مجھے آپ کے ساتھ نہیں رہنا رانا میر ہادی، آج نہیں، کل نہیں ، کبھی بھی نہیں، اپنے کلیجے پر پتھر رکھ کر اس نے رخ موڑ کر بولا تھا۔

میر ہادی کے جبڑے بھنچے، کیوں ہر دفعہ وہ نئے لفظوں کے تیروں سے اسے گھائل کرتی تھی۔

اور مجھے تمھارے پاس سانسوں جتنا قریب رہنا ہے، آج بھی، کل بھی، اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے،، جزبوں سے چور لہجہ تھا۔ لویزا بے بی کو بیڈ پر لٹا چکی تھی۔ تبھی میر ہادی نے اس کا بازو تھاما تھا۔ لویزا نے بازو چھڑانے کے لئے سخت مزاحمت کی جس کا شاید الٹا اثر ہی ہوا تھا۔ کہ وہ اسے مزید قریب کھینچ چکا تھا۔

مجھے نہیں پتہ ایلو جان،، کب تم رگوں میں خون کی جگہ محبت بن کر دوڑنے لگی، میر ہادی نے اپنی رگِ جاں میں بسایا ہے تمھیں، اب تم دور جانے کی بات کرتی ہو تو لگتا ہے رگوں سے جان نکالنے کی بات کرتی ہو،،

سلگتے لبوں نے کندھے کو چھوا تو لویزا کو لگا وہ اگلا سانس نہیں لے پائے گی۔۔ اس کی گرم سانسوں کی تپش نے لیزا کی گردن کو جلایا تھا جیسے۔

میر ہادی دور ہٹیں،، وہ غرائی۔ مگر وہ مزید اس کے قریب ہوا۔ اور کان کی لو کو لب سے کاٹا۔

سنو ایلو جان، میں نے اپنے کیے ہر عمل کا مداوا کرنے کی کوشش کی، تمھاری محبت نے بدل دیا رانا میر ہادی کو، اس کے گھمنڈ اور غرور کو چکنا چور کر دیا، مگر ایک تمھاری محبت اور تمھارا عشق ہی تھا، تمھارا وجود ، جس پر میں کسی بھی قسم کا کوئی کمپرومائز نہیں کر پایا، ہاں میں ایکسیپٹ کرتا ہوں کو تمھیں لے کر اور تمھاری محبت کو لے کر ہوں سیلفش، اسی لئے تمھیں خود سے دور کرنے کے تصور سے ہی جان نکلنے لگتی ہے میری، مرنے لگتا ہوں میں اور اب میں تمھارے پھر سے قریب آنا چاہتا ہوں، بہت قریب، اتنا قریب کہ تمھارے دامن سے ایسے لپٹ جاؤں کہ پھر سے خود کو تمھارے وجود میں گم کر دوں،،

جزبات سے بوجھل لہجے میں کہتے اس کے ہونٹوں نے کندھے سے گردن تک کا سفر کیا۔

اب برداشت کی حد ہوئی تھی، وہ دہری اذیت کا شکار تھی اور اس کی اس فرمائش پر لویزا کے تن بدن میں آگ بھی لگی تھی۔

تبھی ایک جھٹکے سے اس کی دسترس سے نکل کر بیڈ سے نیچے اتری تھی۔

چاہے محبت کا ہوتا یا نفرت کا، نہیں کر سکتی تھی وہ اس سے مقابلہ، جسے اتنے ماہ دل کی اونچی مسند پر محبت کا دیوتا بنا کر پوجتی رہی اسے یوں اب دھتکارنا ، اپنے ہاتھوں سے اپنے دل کا خون کرنا آسان کام تو نہیں تھا۔

وہ منہ پر ہاتھ رکھتی پھوٹ پھوٹ کر روتی واش روم میں بند ہوئی تھی۔

اور وہ جو ایک مرتبہ پھر محبت میں بری طرح دھتکار دیا گیا تھا بے بسی سے اپنے لب کچلتا دھواں دھواں چہرہ لیے وہاں سے کیا بلکہ حویلی سے نکلتا چلا گیا۔۔

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

ہاسپٹل کے روم میں ممتاز بیگم بیٹھی اس کے لئے سیب کاٹ رہی تھیں۔۔چوٹیں تو کافی سے زیادہ ہی لگی تھیں مگر صد شکر کہ کوئی گہری نہیں تھیں اسی لئے بچت ہو گئی اور اب وہ پٹیوں میں جکڑا اپنے مکمل ہوش و حواس تھا۔ ہاں مگر ٹانگ پہ لگنے والے زخم گہرا تھا تبھی سات سے آٹھ سٹیچز آئے تھے۔ تبھی اسے دو دن ہاسپٹل میں ہی رہنا پڑا۔ آج تیسرا دن تھا اور اسے ڈسچارج کیے جانا تھا۔۔

وہ اب کافی بہتر تھا مگر تین دن سے ہی ممتاز بیگم نے اس سے کلام کرنے کی کوشش نہیں کی تھی ۔ وہ انھیں بلانے کی کوشش کرتا رہا مگر وہ جیسے متوجہ ہی نہیں ہوتی تھیں۔ اتنا بے حس اور خود غرض بیٹا ان کا نہیں ہو سکتا تھا جو اپنی غرض کو پانے کی خاطر لویزا کی زندگی میں زہر گھول دے۔

یہ کسک دل میں لیے وہ کبھی بھی خوش نہیں رہ سکتی تھی کہ اس کے بابا کی موت کی وجہ اس کا شوہر بنا ۔ حالانکہ اس میں کوئی سچائی نہیں تھی۔

رات کا وقت تھا ممتاز بیگم فارمیسی تک گئیں تھیں۔ جب بھاری قدموں کی آواز پر ظفر کی آنکھ کھلی تو دیکھا وہ شاندار سا شخص اپنی سرخ آنکھوں سے نفرت سے اسے گھورتا کمرے میں داخل ہوا تھا۔ بڑی شان سے اس کے بیڈ کے قریب کرسی پر براجمان ہوا تھا۔

تم جانتے ہو ناں یہاں اس ہاسپٹل میں کیوں ہو،، میر ہادی کا سرسراتا لہجہ ظفر ڈھیٹوں کی طرح ہنس دیا۔

یہ عشق نہیں آسان بس،،،،

ظفر کے الفاظ میں منہ میں ہی رہ گئے تھے جب اس بھوکے شیر نے اٹھ کر اس کا گلا دبوچا۔

خبردار، ایک اور لفظ بھی اس منہ سے ادا ہوا، یا اس کا نام بھی آیا تمھاری زبان پر، میں سچ مچ اپنے ہاتھ،، تمھارے ڈھیٹ اور گندے خون سے رنگ لوں گا سمجھے،، میر ہادی دھاڑا تھا۔

"ارے یار چلاّ کیوں رہے ہو کان پھاڑو گے کیا؟ مریض بندہ ہوں، ہاسپٹل ہے، کچھ تو خیال کرو،، وہ پھر مسکرایا اور کھانستے ہوئے میر ہادی کا ہاتھ پیچھے ہٹایا۔۔

تم تو بہت سڑیل ہو یار، شاید موڈ خراب ہے، چلو تمھیں ایک گڈ نیوز سناؤں، تمھارا بھی موڈ اچھا ہو جائے گا، جانتے ہو ماموں نے خود کشی نہیں کی تھی،ان کی تو لویزا کے یونی جانے کے دو تین گھنٹے بعد ہی میجر ہارٹ اٹیک سے ڈیتھ ہو گئی تھی، یو نو واٹ میرے ہاتھوں میں ہی دم توڑا تھا انھوں نے ، وہ اطمینان سے تکیے پر نیم دراز اب پاس پڑی فروٹ باسکٹ میں سے ایپل اٹھا کر کھانے لگا تھا۔

جبکہ وہ سامنے پتھر بنا اسے بے یقینی سے شاکڈ اسٹیٹ میں دیکھے گیا۔

رائٹ، گڈ ہو گیا، اب میں اسے حقیقت بتاؤں گا اور وہ آسانی سے مجھے معاف کر پائے گی اور میری محبت ایکسیپٹ کرے گی،، میر ہادی نے سنجیدگی سے کہا۔

وہ تمھاری بات مانے گی، واقعی،؟ ظفر نے آئیبرو اچکا کہ تمسخرانہ انداز میں پوچھا۔ اور واقعی میر ہادی بول بھی نا سکا تھا۔ زبان جیسے تلو سے چپک گئی تھی۔

اور میں اسے یہ سچائی کبھی بھی نہیں بتاؤں گا کیونکہ جانتے ہو مرتے ہوئے ماموں نے مجھے کیا کہا تھا، جاننا چاہو گے،؟ ظفر کا اطمینان قابلِ دید تھا۔

میر ہادی نے اسے خونخوار نگاہوں سے گھورا۔

مجھے نہیں جاننا،، میر ہادی پھنکارا۔

نہیں تمھیں ضرور جاننا چاہیے، انھوننے مجھ سے کہا تھا کہ میں ان کی بیٹی کا ہمیشہ خیال رکھوں اور اس کی زندگی میں کوئی بھی کسی بھی قسم کا دکھ نا آنے دوں، اس کہ خوشیوں کو خیال رکھوں، تو سوچو وہ تمھارے ساتھ اب تو بلکل بھی خوش نہیں ہے، تم سے الگ ہونا چاہتی ہے تو آگے تم خود سمجھدار ہو،،

ظفر نے کہا تھا اور اب ہادی کی برداشت کی ہر حد پار ہو چکی تھی۔

تبھی اٹھ کر اس ڈھیٹ کے منہ پر دو مکے جڑے تھے کہ اس کا ہونٹ پھٹ کر خون بہنے لگا اور گال نیلی پڑ گئی۔ گریبان جھنجھوڑ کر اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

اندھے ہو تم مسٹر ظفر، جو اس کی آنکھوں میں بے انتہا محبت نہیں دیکھ سکے وہ بھی صرف میرے لیے، وہ کس قدر تکلیف میں ہے، دہری اذیت کا شکار ہے، اپنے بابا کی موت کی وجہ سمجھتی ہے مجھے، اسی لئے مجھے سہی طرح اپنا نہیں پا رہی، لیکن مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ میری محبت اس کی سانسوں میں بسی ہے، مجھ سے الگ ہوئی تو وہ تباہ وبرباد ہو جائے گی، مر جائے گی، اور ایسے تو رانا میر ہادی ہونے نہیں دے گا ناں، یہ بات اپنے گندے زہن میں بٹھا لو، کہ وہ میری تھی، میری ہے اور میری ہی رہے گی، جھوٹ کے نقاب میں چھپی یہ سچائی ایک نا ایک دن تو اس کے سامنے آ ہی جائے گی، تب وہ پر سکون ہو جائے گی، کیونکہ سچائی کتنی بھی چھپا لو ایک نا ایک دن تو سامنے آ کر ہی رہتی ہے، اور آخری بات خیانت کر رہے ہو اس سے سچائی چھپا کر،، پچھتاؤ گے،، میر ہادی پھنکارا تھا اور آخری بات بول کر مڑا تو سامنے ہی ممتاز بیگم کھڑی تھیں۔

تمھیں اپنے راستے سے ہٹانا میرے لئے چیونٹی کو۔ مسلنے کے برابر ہے، لیکن اگر کسی کا لحاظ ہے تو وہ صرف اور صرف اپنی بیوی کی پھپھو کو جنھیں وہ اپنی ماں جتنا پیار کرتی ہے، وہ بولتا ہوا ممتاز بیگم کے قریب گیا تھا۔

سمجھا لیجیئے گا اپنے بیٹے کو، اگر زندگی پیاری ہے تو میری بیوی سے بہت زیادہ دور رہے، نہیں تو اگلی مرتبہ میں خود کو بلکل نہیں روکوں گا، وہ لال بھبوکا چہرہ لیے بولتا لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہاں سے نکلتا چلا گیا۔

کیا نہیں تھا ان نگاہوں میں جنون، شدت، بے بسی، دیوانگی،

ممتاز بیگم کو جھر جھری آئی۔

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

تین دن سے وہ حویلی نہیں لوٹا تھا۔ لویزا اس کی جانب سے پرسکون ہی رہی مگر اندر سے بے حد بے چین تھی، وہ تو کوشش کرتی کہ زیادہ تر وقت اپنے کمرے میں ہی گزارے۔ اس عجیب حاکم و محکوم والے ماحول میں دم گھٹتا تھا اس کا۔
جبکہ حویلی والوں کو تو بس میر ہادی کا انتظار تھا۔ وہ کیا کرنے کا سچ رہے تھے ابھی لویزا اس سے انجان ہی تھی۔

آج تین دن کے بعد وہ حویلی لوٹا تھا۔ اسے دیکھ سب کھل گئے تھے۔ وہ اندر جانے کی بجائے رانا میر ہاشم اور رانا میر داراب کے کہنے پر مردان خانے سے ہی ان کے ساتھ ، ساتھ والے گاؤں میں پنچایت کے لئے گئے تھے۔

وہ بے بی کو سلا کر کاٹ میں لٹا کر واش روم گئی تھی۔ میر ہادی کی واپسی سے بلکل ہی بے خبر تھی ۔ باہر آئی تھی تو بیڈ پر چیزوں کا ڈھیر اور ایک بھاری کامدار، سرخ امتزاج اور ملٹی کلر جوڑا پھیلا دیکھ حیران ہوئی۔

ابھی وہ حیران کے ساتھ ساتھ پریشان بھی ہوتی کہ بختاور مزید مخملی باکس اٹھائے اور ایک اور لڑکی کے ساتھ اس کے روم میں داخل ہوئی تھی۔ ساتھ آئی لڑکی نے لویزا کو سلام کیا۔

یہ سب کیا ہے بخت آپی،، وہ حیران ہو کر پوچھنے لگی۔ ابھی کل ہی بختارو نے اسے کہا تھا کہ وہ اسے آپی بولا کرے۔

تیار ہونا ہے تمھیں،، تمھاری منہ دکھائی کی رسم کرنا تھی میر ہادی کی موجودگی میں، اس کے آنے تک رکے ہوئے تھے۔ بہت بڑا جشن ہوگا آج، سارے گاؤں والوں کو کھانا کھلایا جائے گا، گاؤں کی عورتوں کو ان کی نئی مالکن اور چھوٹے سائیں دکھائے جائیں گے،

بختارو کی سب ہی باتیں ناقابلِ فہم تھیں مگر لویزا کی تو سوئی ایک ہی بات پر اٹک گئی تھی جیسے،

وہ آ گئے واپس،، لویزا نے پہلو بدلہ،

ہاں ، میر ہادی ، لوٹ آیا ہے اور ابھی پنچایت کے لئے گیا ہے تم تیار ہو جاؤ،،

تنت تیار کیون ہونا، بخت آپی، میں ایسے ہی ٹھیک ہوں،، وہ گھبرا ہی گئی۔ جانتی جو تھی سادگی میں بھی ایک شخص کی بے اختیاریاں، پاگل پن اور شدتیں، کجا کہ وہ اتنے کیل کانٹوں سے لیس ہو جاتی۔

بختاور اس کی گھبراہٹ دیکھ مسکرائی۔

اماں سائیں کا حکم ہے، جاؤ لباس پہن کر آؤ، زارون کو میں سنبھال لوں گی، تیار بھی کر دوں گی جب اٹھے گا، جاؤ ابھی،

ناچار لویزا مریل سے قدموں سے لباس اٹھا کر واش روم گئی اور ڈریس پہن کر باہر آئی۔

سرخ رنگ کی کرتی، ملٹی کلر میں لہنگا اور بڑا سا ملٹی کلر دوپٹہ،

بختاور اور پارلر والی اسے بے اختیار دیکھے گئیں۔ اب تو حسن و معصومیت کو ممتا کے نور نے اور جلا بخش دی تھی وہ بری طرح کنفیوز ہوئی۔

♡♡♡♡♡♡♡♡♡

وہ سج سج چلتی ممتاز بیگم اور بخت کے ساتھ باہر آئی تھی-- ایک الگ اور انوکھا ہی روپ آیا تھا اسے۔ کامدار لہنگے میں ہلکے میک اپ مگر سونے و ہیرے کے جواہرات کے ساتھ وہ آسمان سے اتری کوئی اپسرا لگ رہی تھی۔

بڑے سے لاؤنج میں خواتین کے بیٹھنے کا انتظام کیا گیا تھا۔ جب وہ لاؤنج میں داخل ہوئی تو لاؤنج میں جو بھنبھناہٹ ہو رہی اچانک ہی سناٹا چھا گیا تھا۔ سب اس کی جانب متوجہ ہوئے تھے۔

اب گاؤں کی خواتین دبے دبے الفاظ میں اس کی تعریفوں میں رطب اللسان تھیں۔

بختاور نے شاہانہ طریقہ سے تیار ہوئے گول مٹول سے زاورن کو اس کی گود میں دیا تھا۔

اماں سائیں زاورن کی آئیبرو میں سرمے سے کالا ٹیکا لگانا ہر گز نہیں بھولیں تھیں۔

باہر حویلی کے طویل و عریض لان میں مردوں کا انتظام کیا گیا تھا۔ دیگیں کی دیگیں پک رہی تھیں۔ میوزک سسٹم پر ابرارالحق کے گانے لگائے گئے تھے۔ تیز میوزک کی آواز حویلی کے اندر تک آ رہی تھی۔

خواتین خاص کر بڑی بوڑھی عورتیں کافی دیر باری باری اس کے پاس آتی رہیں اور اسے اپنی حثییت کے مطابق مٹھائیاں اور نیگ دیتی رہیں۔۔

کافی چہل قدمی تھی۔ بچے بھی قریب آ آ کر اسے دیکھ رہے تھے۔ وہ مسکرا کر خوش اخلاقی سے سب سے تعریفیں اور نیگ وصول کرتی رہی۔

غیر معمولی سی ہلچل ہوئی تھی۔ جب رانا میر ہاشم ، میر دراب اور میر ہادی لاؤنج میں داخل ہوئے تھے۔

رانا میر ہادی کے قدم بے ساختہ ٹھٹھک کر اپنی جگہ پر رکے تھے۔ وہ مبہوت سا اسے دیکھے گیا اور یہ بات محفل میں بیٹھے ہر شخص کے محسوس کر کے لبوں پر معنی خیز مسکراہٹ سجی تھی۔

رانا میر ہاشم اور رانا میر دراب بھی اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر اسے نیگ دے کر مردان خانے چلے گئے۔

وہ جو پہلے ریلیکس سی بیٹھی تھی اب کانفیڈینس بری طرح بریک ہوا تھا۔ نگاہیں شرم و حیا کے بار سے جھک چکیں تھیں۔ پلکیں لرزنے لگیں۔۔ وہ بے شرموں کی طرح نگاہیں نہیں ہٹا رہا تھا لویزا نے دل میں دانت کچکچائے۔

بخت نے آج عرصے بعد اپنے دل میں درد اٹھتا محسوس کیا تھا۔ وہ جو دل میں اسے پانے کی ضد اور محض پسندیدگی تھی وہ تو اپنی موت آپ مر چکی تھی اب تو بس دامن میں میر ہادی کی آنکھوں میں کسی اور کے لئے ٹھاٹھیں مارتا محبت کا سمندر دیکھ خساروں اور پچھتاؤوں کے علاوہ کچھ بھی نہیں تھا۔

اس کے یہ تاثرات وہاں موجود گاؤں کی گھاگھ اور تجربہ کار خواتین اچھی طرح نوٹ کر چکیں تھیں۔

افضل آیا تھا اور میر ہادی کو ایمرجنسی مردان خانے میں بلا کر اپنے ساتھ لے جا چکا تھا۔

اماں سائیں اور ممتاز بیگم زارون کے صدقے واری جا رہی تھیں۔

تبھی لویزا کو اپنے قریب دبی دبی سرگوشیاں سی سنائی دیں۔

ارے دیکھو اس بخت بی بی کو کیسے چھوٹے سائیں کی خاندانی بیوی ہوتے ہوئے، سوتن کے آگے پیچھے بچھی جا رہیں ہیں، ہاں بھئی جو حویلی کا وارث پیدا کرے گی،

حکومت تو اسی کی ہوگی بھئی،،، اب تو بخت بی بی کو اپنی سوتن کی غلامی کرنی ہی پڑے گی، آخر کو وارث جو پیدا کیا ہے لویزا بی بی نے،،
اتنی خوبصورت ملی کہاں چھوٹے سائیں کو کہیں کسی بازار سے تو نہیں لائے اتنی حسین اور نازک کلی،
کم تو خیر بخت بی بی بھی نہیں تھیں، مگر حویلی کے مردوں کو جانتی نہیں تم، جی بہلانے کا سامان رکھ ہی لیتے ہیں،
مگر یہ تو بیوی نہیں چھوٹے سائیں کی،،
ہاں تو جب وارث پیدا کیا تو نکاح کر لیا ہوگا چھوٹے سائیں نے،،

الفاظ تھے کے آری کی انی،جملے تھے خنجر ، جو دل و روح کو چھلنی چھلنی کر چکے تھے۔
حویلی کی چھت لویزا کے سر پر گری تھی، دل کی دھڑکن اپنے کانوں میں سنائی دے رہی تھی لویزا کو، پورا جسم ہی پسینے سے بھیگ چکا تھا۔ چہرہ لٹھے کی طرح سفید پڑ چکا تھا۔

اتنے میں زارون بھی چیخ چلا کر رونے لگا تھا۔اماں سائیں کو یہ سوچ کر ہول اٹھنے لگے تھے کہ اسے کہیں نظر نا لگی گئی ہو۔ آخر انھوں نے ہی لویزا کی مشکل آسان کی۔

اے نسرین، بہو بیگم کو ان کے کمرے میں چھوڑ کر آؤ، آرام کریں گی، جاؤ بہو بیگم جا کے بچے کو دیکھو، بھوک لگی ہے اسے، اور اب اندر ہی آرام کرنا، ابھی کچھ دیر تک میر ہادی کو بھیجتی ہوں، پھر اکھٹے کھانا کھا لینا،،

اماں سائیں نے کہا تو وہ بمشکل اپنا مردہ وجود کو گھسیٹے اپنے روم کی جانب گئی تھی۔

کئی مرتبہ راستے میں لڑکھڑائی بھی۔

روتے ہوئے زارون کو اپنے سینے میں بھینچے رکھا۔۔

کمرے میں آ کر بیڈ پر بیٹھی۔

بیگم صاحبہ کسی چیز کی ضرورت تو نہیں،

نہیں، مگر تم یہ بتاؤ یہ بخت بی بی اور تمھارے چھوٹے سائیں کی شادی کب ہوئی تھی۔ لویزا نے کنفرم کرنا چاہا۔ اور دل سے دعا مانگی کہ جو اس نے سنا وہ محض غلط فہمی ہو۔ جھوٹ ہو، فریب ہو، محض لوگوں کی بکواس ہو۔

اپنی ہی محبت کے ہاتھوں یوں دھوکے پہ دھوکہ نا کھایا ہو اس نے،، نہیں تو خود پر سے ہی اعتبار اٹھ جائے۔ ایک آخری بھرم کہیں اسے بھی نا کھو دے۔

ان کی شادی تو چار سال پہلے ہوئی تھی بی بی جی اور اس دن بھی بہت بڑا جشن ہوا تھا حویلی میں بلکل ایسا ہی ،، نسرین نے اطمینان سے کہا۔

ٹھیک ہے جاؤ، مگر سنو ، میرے سر میں درد ہے ۔ میں سونے لگی ہوں، بھوک بھی نہیں کوئی مجھے اور بے بی کو ڈسٹرب نا کرے۔

جی بیگم صاحبہ، نسرین کہہ کر ڈور لاک کر کے جا چکی۔ لویزا نے فوراً فون اٹھایا اور ایک کیب کروائی تھی۔

سر کے بال مٹھیوں میں جکڑے اور پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔ اب تک وہ اس کے ساتھ جو جو کر چکا تھا وہ سب ایک طرف اور اس دھوکے کی تکلیف اور درد ایک طرف۔ سینے میں غم کا وہ طوفان اٹھا تھا کہ وہ سنبھل نہیں پا رہی تھی ٹوٹ رہی تھی۔بکھر رہی تھی۔

تبھی شاید کیب حویلی کی پچھلی جانب پہنچ چکی تھی۔ جس کی لوکیشن اسی نے سینڈ کی تھی۔ وہ چپکے سے روم سے نکلی تھی۔

پچھلے لان سے نکل کر حویلی کہ دہلیز پار کر گئی۔

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

محفل اپنے اختتامی مراحل میں تھی۔۔

وہ مردان خانے میں بیٹھے زمینوں سے متعلق کسی اہم مسئلے پر ڈسکس کر رہے تھے۔

خاص قسم کے مشروب کا دور چل رہا تھا۔ سب پی رہے تھے سوائے میر ہادی کے۔۔

تمام قریبی رشتے دار مدعو تھے۔ حتیٰ کے افراسیاب کی تمام فیملی کو مدعو کیا گیا تھا۔

فرحین نے اس سب کا بہت واویلا مچایا تھا مگر بختاور نے ہی انھیں خاموش کرا دیا تھا۔

زمرد وقفے وقفے سے دل میں جلن و حسد لیے میر ہادی کو خونخوار نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

وہ جو یہ سوچ کر بیٹھا تھا کہ سیاست میں تو میر ہادی کو دلچسپی ہی نہیں ہے تو اب اس کے جلسے وغیرہ اٹینڈ کرنے سے اسے رانا میر ہاشم کی سیٹ خود حاصل کرنے کہ خواب چکنا چور ہوتے دکھائی دے رہے تھے۔

وہ کسی بھی طرح اسے نیچا دکھانا چاہتا تھا۔ کافی دیر سے نوٹ کر رہا تھا کہ آج میر ہادی پی نہیں رہا ہے۔ تبھی اس نے سوفٹ ڈرنک میں دوسری ڈرنک مکس کی تھی اور وہ گلاس میر ہادی تک پہنچایا۔

جو کہ میر ہادی باتوں باتوں پی بھی گیا تھا۔

میر ہادی زمرد سے ہی باتوں میں مصروف تھا

جب تیزی سے افضل اندر آیا۔۔

میر ہادی سمجھ گیا کہ ضرور کوئی غیر معمولی بات ہے۔

افضل نے جھک کر میر ہادی کے کان میں کچھ کہا۔

اس کے تاثرات پل بھر میں بدلتے وہاں موجود ہر شخص نے نوٹ کیے تھے۔ وہ ایک جھٹکے سے اپنی جگہ سے اٹھا تھا۔

زرا سا جھک کر رانا میر ہاشم کے کان میں کہا تھا۔

بس بہت ہو چکا جشن، حویلی خالی کروائیں،،

وہ کہتا تیزی سے باہر نکلا تھا۔

رانا میر ہاشم کو اندازہ ہوچکا تھا کہ ضرور کوئی مسئلہ ہوا ہے تبھی محفل برخواست ہونے کا اعلان کر دیا تھا۔

وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا باہر لان میں نکلا رخ گاڑی کی جانب تھا۔ افضل اور گارڈز اس کے پیچھے لپکے۔

کب نکلی،؟ میر ہادی بمشکل ہی بول پایا۔

کچھ دیر پہلے،، افضل نے کہا۔

کیسے پتہ چلا،،؟

آدمیوں نے کیب حویلی کی جانب آتی دیکھی تھی مجھے بتایا تو اندر جا کر معلوم کیا تو جو خاص ان کی حفاظت کے لئے کام والی رکھی اس نے حویلی سے باہر جاتے دیکھا،، افضل نے تفصیل بتائی۔

اس نے روکا کیوں نہیں،، میر ہادی نے دانت پیسے۔

آپ نے حکم دیا تھا کہ خود کو ظاہر نا ہونے دے،،، افضل نے اسے اس کا ہی آرڈر یاد کروایا تو اس نے سر جھٹکا گاڑی میں بیٹھ کر ایک جھٹکے سے گاڑی باہر نکالی تھی۔

اب ایسا کیا ہوا ہوگا جو پھر اس نے یہ قدم اٹھایا، میر ہادی طیش و اشتعال میں پاگل ہوتا سٹیئرنگ پر مکا مار چکا تھا۔

مجھے لگتا ہے کہ انھیں بختاور بیگم کا ناپتہ چل گیا ہو،، افضل نے آہستگی سے کہا وہ بے تحاشا چونکا۔

کیسے اندازہ ہوا،، میر ہادی کی رگیں تن گئیں۔

عام سی بات ہے چھوٹے سائیں، آپ حویلی والوں اور حویلی کے نوکروں کو تو روک سکتے تھے مگر گاؤں والیوں کی زبانیں نہیں،، افضل نے کہا تو میر ہادی کا دل کیا پیچھے مڑے اور حویلی کو آگ ہی لگا دے جنھوں نے یہ منہ دکھائی کا شوشا چھوڑ کر ایک مرتبہ پھر اسے اس سے کتنے میلوں دور دھکیل دیا تھا۔

مجھے یہ منہ دکھائی کا بکھیڑا کروانا ہی نہیں چاہیے تھا، ششششٹ،،،،،،، میر ہادی جیسے کانٹوں پر گھسیٹ لیا گیا تھا۔

"پریشانی کی بات ہے ان کا یوں بغیر کسی سکیورٹی کا حویلی سے نکلنا، دشمن بھی تاک میں بیٹھا ہے الیکشن کی وجہ سے، کہ کب ہم لوگوں کو نقصان پہنچائیں،، ایک دو دھمکی بھی مل چکی ہے بڑے صاحب کو اب تک تو، اور زارون بابا بھی ان کے پاس

ہیں، خدا خیر کرے،، افضل کہتا چلا گیا اور میر ہادی کی جان لبوں پر آتی چلی گئی۔ ابھی وہ کچھ کہتا کہ فضا میں گولیوں کی تڑتڑاہٹ گونج اٹھی تھی۔ میر ہادی نے تیزی سے گاڑی بھگائی۔

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

لویزا زارون کو سینے میں بھینچے بیٹھی تھی۔ رات کا وقت تھا۔ اور آس پاس کے گھرے سناٹے، اندھیرے اور اکیلے پن سے اب وہ شدید خوفزدہ ہوئی تھی۔ جب فضا میں جیسے دھماکے سے ہوئے۔ اور گاڑی ہوا میں ہچکولے کھانے لگی،،

لویزا کی دلدوز چیخیں بھی گونج اٹھی تھیں۔

مگر رانا میر ہادی کی گاڑیوں نے اسے جلدی سے جا لیا تھا۔

جس کا ڈر تھا وہی ہوا۔ دشمن رات کے سناٹے میں حملہ آور ہوئے تھے۔ مگر میر ہادی اور اس کے گارڈز کی جوابی فائرنگ سے وہ لوگ فرار ہو گئے تھے۔

ایک بہت بڑا خطرہ سر پر سے ٹل چکا تھا۔

لویزا کے ڈرائیور کو بازو پر گولی لگی تھی۔ میر ہادی نے اپنی گاڑی سے نکل کر جھٹکے سے لویزا کی گاڑی کا دروازہ کھولا اور اس بازو سے دبوچ کر باہر نکالا۔۔

میر ہادی مجھے آپ کے ساتھ نہیں جانا ، چھوڑیں مجھے،، جائیے اپنی خاندانی بیوی کے پاس،، چھوڑیں مجھے،، وہ حلق کے بل چلائی۔ اور چلاتی ہی رہی مگر میر ہادی کچھ بھی سنے بغیر اسے اپنی گاڑی میں دھکیل چکا تھا۔

ابھی کچھ ہو جاتا تو، رانا لویزا میر ہادی، بتاؤ مجھے ابھی اگر تمھیں یا بے بی کو کچھ ہو جاتا تو پھر کیا ہوتا،، وہ دھاڑا۔

میں کچھ نہیں جانتی مجھے آپ جیسے چیٹر کی شکل بھی نہیں دیکھنی،، وہ بھی چلائی۔

رائٹ،، ابھی حویلی جا کر اسے تمھارے سامنے طلاق دوں گا،، اب خوش،، میر ہادی نے سکون سے کہا تو لویزا کا چہرہ صدمے سے پیلا پڑ گیا۔

کیوں اسے کیوں دیں گے طلاق، مجھے دیجیئے ناں،،وہ تو خاندانی بیوی ہے ناں،، تو رکھیئے اسے اپنے پاس،، میں ہی جی بہلانے کا سامان ہوں ،، تو مجھے دیجیئے طلاق،،، وہ بھپری شیرنی کی طرح بے تحاشا روتی غرائی۔

شٹ اپ لویزا، جسٹ شٹ اپ،، ضبط مت آزماؤ میرا،، بلکل خاموش،، وہ بھی گارڈز کے سامنے اس بکواس پر بھنایا۔

راستے بھر بول بول کر اس کا گلا بیٹھ چکا تھا۔ مگر وہ یوں بن گیا جیسے سن ہی نہیں رہا تھا۔

حویلی پہنچ کر میر ہادی اسے پچھلی جانب سے ہی بازو پکڑ کر اندر لایا تھا۔

حویلی میں یہ خبر بجلی بن کر گری تھی کہ لویزا بخت کے بارے میں جان کر زارون کو لے کر حویلی چھوڑ کر جا رہی ہے۔

سب اس وقت لاؤنج میں بے چین سے موجود تھے۔ تمام گاؤں والوں کو رخصت کر دیا گیا تھا۔ سب کے چہروں پر ہوائیاں اڑی ہوئیں تھیں۔

کیونکہ قاتلانہ حملہ کے بارے میں بھی خبر مل چکی تھی۔ اسی لئے سب پریشان سے تھے۔

کہ دھاڑ کی آواز سے میر ہادی پچھلی جانب کا دروازہ کھولتا اسے تقریباً گھسیٹتا اندر لا رہا تھا۔ زارون بھی رو رو کر بے حال ہو چکا تھا۔

آتے ساتھ ہی اس نے لویزا سے زارون کو لے کر پاس کھڑی بختاور کی گود میں دیا۔

میر ہادی چھوڑو مجھے،، وہ بے تحاشا روتی چلائی۔ اس کہ گرفت میں بری طرح مچل رہی تھی۔

جبکہ رانا میر ہاشم مسکراتے اپنی مونچھوں کو اس طرح تاؤ دے رہے تھے جیسے کہ پوتا جانے کتنا قابلِ فخر کام کر رہا ہو زور زبردستی کر کے۔

ممتاز بیگم بھی اسے دیکھ کر پریشان ہوئیں۔ میر ہادی چھوڑو بہو کو، پاگل ہو گئے ہو،، چھوڑو اسے،، ممتاز بیگم نے اسے جھڑکا۔ مگر یہاں اثر کسے تھا۔

امی سائیں، بیچ میں مت بولیں، آپ اور بخت زارون کو سنبھالیں، مجھے کچھ ضروری ڈسکس کرنا ہے اپنی بیوی سے،،

وہ کہتا اسے تقریباً گھسیٹتا اپنے روم میں لے چکا تھا۔

ممتاز بیگم نے افسوس سے سر ہلایا اور رانا میر دراب اور میر ہاشم کو دیکھا جو اپنے سپوت کو اس کے اس عمل پر روکنے کی بجائے خوش ہو رہے تھے اسکے ایسا کرنے سے۔

وہ زارون کو لے کر بخت کے روم میں چلیں گئیں، صد شکر کے رات کو وہ فیڈر بھی پی لیا کرتا تھا نہیں تو میر ہادی نے تو کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی ماں بیٹے کو تڑپانے کی۔

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

رانا میر ہادی نے ایک جھٹکے سے اسے اپنے بیڈ پر پھینکا تھا۔
لویزا اوندھے منہ بیڈ پر گری تھی اور اس گرنے میں اتنی شدت تھی کہ کانچ کی چوڑیاں ٹوٹ کر شیٹ پر جا بجا بکھر گئیں تھیں۔
رانا میر ہادی کے بستر پر اپنے بکھرے وجود کو اور ٹوٹی بکھری چوڑیوں کے ٹکڑوں کو دیکھ اسے شاید اپنی اوقات اچھی طرح معلوم ہو چکی تھی۔
مگر میر ہادی اسے خونخوار نگاہوں سے گھور رہا تھا جیسے کہنا چاہتا ہو،،

چھوڑ کے جانا ہے تو جا

پر مات ادھوری ثابت کر
مجھ سے جھگڑا کراور مجھکو
غیر ضروری ثابت کر______!!

بات بجا ہے کہ ہوتے ہیں
دو چار مسائل سب کے ہی
جانتا ہوں مجبوری کو لیکن
مجبوری ثابت کر_______!!

بحث نہیں بنتی دونوں کی
پھر بھی اے بہتان پرست
جتنی باتیں گھڑ رکھی ہیں
ایک تو پوری ثابت کر____!!

آ گئے ناں اپنی اوقات پر رانا میر ہادی، یا مجھے میری اوقات بتائی ہے آپ نے اپنے اس بستر پر پھینک کر،، وہ پھنکاری۔

ہاں،،، آگیا اپنی اوقت پر تم تو پہلے دن سے رانا میر ہادی کی ضد رہی ہو ایلو جان، بھول گئی کہ یاد کرواؤں،، وہ طیش کے عالم میں بیڈ کے قریب آیا تھا۔۔لویزا کی جان لبوں پر آئی۔

خبردار میر ہادی، میرے قریب آئے یا مجھے ہاتھ لگایا،، وہ چلائی اور بیڈ سے نیچے اتر کر پھر روم سے باہر جانا چاہا۔

اونہہہہ،، اور تمھیں ایسے کیوں لگتا ہے ایلو جان کہ اب میں تمھیں اپنی بہن بنا کر پاس رکھوں گا،، وہ دھاڑا تھا۔ اور اس کمر میں ہاتھ ڈال کر اسے دیوار سے لگایا تھا۔ لویزا کی پشت میر ہادی کے سینے سے ٹکرائی تھی۔

میر ہادی چھوڑ دیں مجھے،، وہ سسکی۔

کبھی نہیں،، مر کر بھی نہیں،، حتمی فیصلہ سنایا۔ گرم سانسوں کی تپش لویزا کو اپنی پچھلی گردن پر محسوس ہوئی۔ ابھی ابھی اس کے کھونے کے ڈر نے میر ہادی کے جسم

سے جیسے جان کھینچ لی تھی۔ تبھی شاید اسے چھونا چاہتا تھا محسوس کرنا چاہتا تھا کہ وہ سہی سلامت ہے اس کے قریب ہے۔

اتنا بڑا دھوکا، اتنا بڑا فریب، مجھے غاصب اور دوسروں کے حق پر ڈاکہ ڈالنے والی بنا دیا، میں کبھی معاف نہیں کروں گی آپ کو،، لویزا کی آہ زاری کمرے میں گونجی۔

اس سے پوچھ کر کیا تھا یہ نکاح، میر ہادی سکون سے بولا تو لویزا کا دل کیا اس کا منہ نوچ لے۔ تبھی وہ بری طرح جھٹپٹا رہی تھی۔

آج جو رانا میر ہادی کو پلائی گئی تھی وہ اور اس کی محبت سر چڑھ کر بول رہی تھی اس کے ۔ تبھی اس نے اپنے لبوں سے سرخ مخملی چولی کی ڈوری کھینچ دی تھی کے شولڈر سے وہ سرکتی چلی گئی۔ لویزا کی جان لبوں پر آئی اور پیچھے کھڑے اس شخص کے سلگتے لبوں کے لمس سے گھبرا کر کندھے پر ہاتھ رکھا۔ آنسو تواتر سے گال بگھو رہے تھے۔ وہ جھٹکے سے دیوار سے لگی اور اسے پیچھے دھکیلنے کی کوشش کی۔

جائیے اپنی خاندانی بیوی کے پاس میر ہادی ، مجھے میری اوقات معلوم ہو چکی ہے، لوگ بھی جی بہلانے کا سامان بول رہے ہیں مجھے، اور آپ یہ سب کر کہ یہ بات ثابت کر رہے ہیں ،، وہ بے تحاشا روتی چلائی۔

نہیں لیزا، میں یہ سب کر کہ یہ ثابت کر رہا ہوں کہ تمھاری کیا امپورٹنس ہے میری لائف میں، کہ میں اپنی سانسوں جتنا قریب چاہتا ہوں تمھیں، کسی دوسری کی جانب تو پلٹ کر دیکھوں بھی نہیں اب،،،

آپ کو ہوش بھی ہے آپ کیا کر رہے ہیں میر ہادی، اپنی ہی محبت کو پامال کر رہیں،، دور ہٹیں مجھ سے،، نیم جان سی وہ چلائی۔

نہیں، تم صرف رانا میر ہادی کی ہو ایلو جان ، حق ہے میرا تم پر، اور بس وہی حق وصول کر رہا ہوں میں، کمر کے گرد بازو حمائل کر کے خود میں بھینچتے میر ہادی نے جا بجا اس کی گردن پر اپنی محبت کے پھول بکھیرے۔ لہجہ اور آنکھیں مکمل بے خود اور مدہوش سے تھے۔

اب لویزا نے بری طرح مزاحمت کرتے اس کے کندھوں پر ناخنوں سے کھروچتے اسے دور ہٹانے کی کوشش کی۔۔ رو رو کر ہچکی بندھ چکی تھی لویزا کی ۔مگر اس بے مہر پر زرا اثر نہیں ہو رہا تھا جو مکمل مدہوش اس کے وجود پر اپنی شدتیں بکھیر رہا تھا۔

رانا میر ہادی نے اسے بانھوں میں اٹھایا۔ اس کی لاکھ مزاحمت کے باوجود وہ نرمی سے اسے بیڈ پر لٹا کر اس پر حاوی ہوتا کمفرٹر اوڑھ چکا تھا۔

لویزا بے جان سی نیم جان سی تھی اور اب کوئی مزاحمت نہیں کر رہی تھی۔

پوری رات کمرے میں لویزا کی سسکیاں اور آہیں گونجتی رہیں تھیں۔

رانا میر ہادی نہیں جانتا تھا کہ اس طرح بہک کر اور جزبات کے طوفان میں بہہ کر آج اس نے جو کیا تھا۔ اگلے کئی سال اسے اس رات کا حرجانہ ادا کرتے بے خوابی کی نذر کرنے تھے ہر رات تڑپنا تھا۔ اس کے بغیر اکیلے جدائی کی سولی پر لٹک کر گزارنے تھے۔

بہت ہی زیادہ تکلیف سہنی تھی۔

صبح جب میر ہادی کی آنکھ کھلی تھی تو کئی لمحے تو خالی الزہنی کا شکار ہو گیا۔ مگر پھر جب حواس بحال ہوئے تو پتا چلا کہ وہ رات کیا کیا کر چکا ہے کیونکہ اپنے پہلو سے اب بھی درد ناک ہچکیوں اور سسکیوں کی آوازیں سنائیں دیں تو نیند بھک سے اڑی تھی۔

لیزا،، آواز شرمندگی کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوب کر ابھری۔ ہاتھ بڑھا کر اس کا بازو تھامنا چاہا۔ جو اس نے بری طرح جھٹک دیا اور اپنا بکھرا وجود سمیٹ کر اٹھ کر واش روم میں بند ہو گئی۔

لویزا شاور کے نیچے کھڑے ہو کر پھوٹ پھوٹ کر روئی تھی۔ کیا یہ محبت تھی جس نے اس کے جسم و جاں اور روح تک کو روند ڈالا تھا۔ اتنی بے حس اور خود غرض محبت، کہ اس شخص کو اس پر زرا سا بھی رحم نا آیا۔ اس کی حالت پر رحم نا آیا۔ اپنے نومولود بیٹے کا زرا بھی خیال نا آیا۔

اگر محبت ایسی، بے حس، خود غرض، ظالم اور سفاک ہوتی ہے تو اسے نہیں چاہیے تھی۔ بلکل بھی نہیں۔ میر ہادی کو اس کا وارث مل گیا تھا، خاندانی بیوی پاس تھی

جس کی گود میں رات وہ اپنا بیٹا بھی تھما چکا تھا۔ اور اسے جس مقصد کے لئے وہ اپنے پاس رکھنا چاہتا تھا۔ رات وہ اچھی طرح اسے اپنے ہر عمل سے سمجھا چکا تھا۔
تو نہیں چاہیے تھی اسے ایسی زندگی جس میں روز روز اس کی روح کو روندا جائے گا۔ اس زندگی سے بہتر تھا وہ اپنے بابا کے پاس ہی چلی جاتی۔
لویزا آگے بڑھی تھی۔ اور واش روم کا کیبن کھول کر اس میں سے بلیڈ نکالی ۔ ایک جھٹکے سے اپنی کلائی کاٹی تھی اس نے۔

بالوں میں ہاتھ پھیرتا وہ اٹھ کر بیٹھا۔ ایک اور وجہ دے دی اس کو خود سے نئے سرے سے نفرت کرنے کے لئے۔
اس میں ایسا کچھ غلط بھی نہیں تھا وہ میری ہے، صرف اور صرف میری، دماغ اس قبیح اور رزیل حرکت کی تاویلیں پیش کر رہا تھا وضاحتیں دے رہا تھا۔ مگر دل کہہ رہا تھا محبت کو پامال کیا ہے، ڈوب مرو،، اور اب سزا بھگتنے کو تیار رہو۔
تقریباً آدھا گھنٹا ہو چکا تھا اسے واش روم میں بند ہوئے۔

کچھ انہونی کا سوچ کر رانا میر ہادی کا دل ڈوب کر ابھرا تھا۔ ایک ہی چھلانگ میں بیڈ سے اترا اور واش روم تک پہنچا تھا۔

لیزا،، آواز دی۔ مگر اندر سے صرف شاور چلنے کی آواز آ رہی تھی۔

اس نے آوازیں دینے میں ٹائم ویسٹ نہیں کیا تھا۔ دو تین زور دار کندھے کی ضربوں سے ڈور کا لاک ٹوٹتا چلا گیا۔

میر ہادی اندر داخل ہوا تو دل اچھل کر حلق میں آیا تھا۔ سامنے ہی وہ فرش پر زمین بوس تھی۔ اور فرش پر خون کا دریا سا بہہ رہا تھا۔

♥♥♥♥♥♥♥♥

وہ بے چینی سے کوریڈور کے چکر لگا رہا تھا۔ ڈاکٹرز سہی طرح سے کچھ بتا بھی نہیں رہے تھے۔

اس وقت میر ہادی کی روح فنا ہوئی تھی جب لویزا کو خون میں لت پت واش روم کے فرش پر پڑے دیکھا تھا۔ اس وقت سہی معنوں میں میر ہادی کو اپنی جان نکلتی محسوس ہوئی تھی۔

تب وہ اسے اٹھائے ہاسپٹل بھاگا تھا۔

مگر اسے اس حال میں پہنچانے والا بھی تو وہی تھا۔ اس کی روح تک کو چھلنی کرنے والا بھی تو وہی تھا۔

پھر جب ڈاکٹر نے اسے باہر آ کر یہ بولا تھا۔

کہ شی از آ ریپ وکٹم،، پولیس کیس ہے، پولیس کو انفارم کریں،،

کیا بکواس کر رہیں ڈاکٹر،، رانا میر ہادی ہوں میں اور وہ میری وائف ہے، میرے بچے کی ماں، سیو ہر رائٹ ناؤ،، وہ شیر کی طرح دھاڑا تھا۔

مگر دل بیٹھتا چلا گیا۔ یا ڈوب مرنے کا مقام تھا کہ اس کا محافظ ہی اس کا ہرجائی اور اس کا لٹیرا بن چکا تھا۔

کل ہی اجالا اور عالی پاکستان پہنچے تھے۔ اور لویزا کو سرپرائز دینے کے چکر میں خود ہی سرپرائزڈ ہو گئے۔ وہ دونوں حویلی آنا چاہتے تھے۔ مگر جب میر ہادی کا اس اطلاع کے لئے فون آیا تو عالی اجالا کو لئے بغیر اس گھر چھوڑ کر خود اس کے پاس چلا آیا تھا۔

اور اب وہ اسے بے چینی سے کوریڈور میں ٹہلتا سنجیدگی سے دیکھ رہا تھا۔ میر ہادی اس وقت سے زیادہ تڑپ رہا تھا جب سے ڈاکٹر نے بتایا تھا کہ آپ کی مسز، کی باڈی جیسے خود ہی سروائیو نہیں کرنا چاہتی، جیسے وہ خود ہی زندہ رہنا نہیں چاہتیں،،

اس سب کا زمہ دار وہ خود تھا۔ اس کی خود غرضی، خود پرستی لے ڈوبی تھی اسے۔ اتنا ہی دھچکا کافی تھا اپنی کی گئی ہر غلطی کا احساس ہونے کا۔ وہ بول رہی تھی وہ دور جانا چاہتی ہے۔ کیاپتہ وہ اسے تھوڑی سی سپیس دیتا تو وہ کچھ سوچ پاتی۔۔ میر ہادی نے تو خود کو اس پر مسلط ہی کیے رکھا۔ اس کا سانس لینا مشکل کر دیا۔ پے در پے ملنے والی تکلیفوں اور دھچکوں نے شیرنی جیسی لڑکی کو توڑ کر رکھ دیا اس کی روح تک کو زخموں سے چور کر دیا اسے اتنا ٹارچر کیا کہ وہ یہ قدم اٹھانے پر مجبور ہو گئی۔

اس پر اتنی زندگی تنگ کر دی کی وہ جینا ہی نہیں چاہتی۔

کیسے ہوگا ازالہ اس سب کا۔

ہاں،

ایک نتیجہ پر پہنچ کر رانا میر ہادی نے ازالہ کا ایک حل نکالتے ہوئے خود کے لئے ایک سزا ضرور تجویز کی تھی۔

کیونکہ وہ جو اس کی سانسوں میں بسی تھی۔ اس کی زندگی، اس کی محبت اس کا پہلا اور آخری عشق، اب اسے تکلیف دی تھی تو خود بھی تو سزا بگھتنی تھی ناں۔

چار پانچ گھنٹوں کی کڑی آزمائش کے بعد ڈاکٹر نے آ کر زندگی کی نوید سنائی تھی اسے۔

ڈونٹ وری، مسٹر ہادی، شی از آؤٹ آف ڈینجر ناؤ،، بہت جلد ہوش میں بھی آ جائیں گی،، بول کر ڈاکٹر پھر آئی سی یو میں چلی گئیں تھیں۔

رانا میر ہادی تیزی سے عالی کی طرف آیا۔

سنو عالی، میں جا رہا ہوں،

عالی نے سر اٹھا کر اسے دیکھا جیسے اس کی زہنی توازن پر شک ہوا ہو۔

کدھر؟ عالی نے پھر بھی پوچھا۔

امریکہ جا رہا ہوں،، سنو عالی غور سے سنو، یہ سزا میں نے خود ، خود کے لئے تجویز کی ہے، غور سے دیکھو مجھے، محبت کو رسوا کیا ہے میں نے،، تو ایسے کیسے ہو سکتا ہے کہ محبت اپنا خراج نا مانگے مجھ سے،، یہاں رہا تو اس سے کبھی بھی دور نہیں رہ پاؤں گا، اور روز اسے ایسے ہی کوئی نا کوئی تکلیف دیتا رہوں گا، تو بہتر یہی ہے کہ میں اس سے دور چلا جاؤں،،

میر ہادی پاگل ہو گیا، عالی جھنجھلایا۔

نہیں اپنی ہی لو سٹوری کا ولن ہوں،، وہ تلخی سے زخمی سا مسکرایا۔ کبھی کوئی محبت کرنے والا ریپیسٹ کہلایا ہے،، مجھے دیکھو، یہ بدنصیبی میرے حصے میں آئی ہے، تو خود کو سزا دینا تو بنتا ہے ناں عالی، رات اس بے اختیاری اور اس بھکنے کے لئے شاید ہی میں کبھی اپنے آپ کو معاف کر پاؤں، مگر بخدا ہوش میں نہیں تھا میں یار، میں جانتا ہوں مجھے پلائی گئی تھی اور یہ بھی جانتا ہوں کہ یہ کام زمرد نے کیا تھا، خیر اس کا حساب کتاب تو میں بعد میں کروں گا، مگر ابھی مجھے صرف اور صرف لیزا کی فکر ہے، ایک بیوی ، ایک عورت کو، کیا چاہیے ہوتا ہے اپنے شوہر سے، بس عزت، اور وہی میں

اسے نہیں دے سکا یار میں اس کا گناہ گار ہوں،، مجرم ہوں میں اس کا،، اس سے نگاہیں نہیں ملا پاؤں گا عالی،،

وہ کہتا تیز قدم اٹھاتا ہاسپٹل سے باہر نکلتا چلا گیا۔ عالی اس کے پیچھے لپکا۔
میر ہادی حویلی والوں کو کیا کہو گے،، عالی ہانپتا ہوا اس کے پیچھے جیسے بھاگ رہا تھا۔
وہ میرا سر درد ہے عالی، اسے کوئی کچھ نہیں کہے گا تم بس اسے باحفاظت حویلی پہنچا دینا،، مہر ہادی کے لہجہ بھیگا ہوا تھا۔ مگر خود پر کڑے ضبط کے پہرے بٹھائے رکھے۔
یہ کیا پاگل پن ہے رانا میر ہادی،، بے بی کو اپنے ڈیڈ کی بھی ضرورت ہے،، تم اسے ایسے چھوڑ کر کیسے جا سکتے ہو،،
یہ بھی میری سزا کا حصہ ہے عالی، کہ میں نے اسے اس کے بابا سے دور کیا تو سزا کے طور پر میری اولاد کو اپنے بابا سے دور ہونا پڑے گا،، اور نہیں کرو عالی، مت روکو مجھے، اب میں نہیں رکوں گا،، وہ گاڑی تک آیا تھا۔ عالی اس کے پیچھے آیا۔ گاڑی کا ڈور کھول کر وہ ٹھٹھک کر رکا تھا جیسے کچھ یاد آیا۔

سنو عالی اسے بول دینا، رانا میر ہادی نے خود کو سزا ضرور دی ہے مگر اس کا یہ مطلب ہر گز نہیں کہ وہ مجھ سے یا مجھ سے بندھے اس رشتے سے کبھی آزاد ہو پائے گی، نا میں اتنا اچھا ہوں کہ اسے کہیں جانے دوں گا، میرا بن کر میرے نام سے، میری جگہ حویلی میں رہنا ہے اسے، اسے کہنا حویلی سے باہر قدم نکالنے کی جرات بھی نا کرے،، وہیں شوٹ کر دوں گا اسے بھی اور خود کو بھی،، زارون کا بھی نہیں سوچوں گا، بول دینا عالی اسے، وہ رانا میر ہادی کی رہے گی ہمیشہ، مرتے دم تک مجھ سے میری محبت سے نا دامن بچا سکتی ہے نا مجھ سے چھٹکارا پا سکتی ہے، میں دور رہ کر بھی اس کی سانسوں جتنا قریب رہوں گا اس سے، سمجھا دینا اچھی طرح اس سے، وہ ہر وقت ہر پل رانا میر ہادی کی نگاہوں کے حصار میں رہے گی، اور سنو ایک آخری بات اسے کہنا اب میر ہادی تب ہی لوٹ کر آئے گا جب وہ خود اپنے منہ سے مجھے واپس لوٹ آنے کے لئے بولے گی،،

یہ بول کر رانا میر ہادی نے جھٹکے سے گاڑی میں بیٹھ کر گاڑی سٹارٹ کی تھی۔ فضا میں دھول اڑاتی گاڑی بہت جلد عالی کی نگاہوں سے اوجھل ہو گئی۔

عالی نے سخت ٹینشن سے اپنا ماتھا مسلا۔

کیا بنے گا ان کا،، وہ بری طرح جھنجھلایا۔

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

ظفر اپنے کمرے میں لیٹا چھت کو گھور رہا تھا۔
ابھی رات ہی فجر کے وقت اقبال صاحب اس کے خواب میں آئے تھے۔ اور اس سے سخت ناراض نظر آئے تھے اسے۔ وہ کافی دیر انھیں آوازیں دیتا رہا ماموں جان، ماموں جان پکارتا رہا کافی دیر ان کے پیچھے چلتا رہا مگر وہ رکے نا اس سے بات کی۔ ان کی آنکھیں بھی نم تھیں۔
کسی کو کیا معلوم کہ ان کی بیٹی کتنی تکلیف میں تھی تو وہ کیسے خوش رہ سکتے تھے۔
ایک لفظ جو ان کے منہ سے ادا ہوا تھا وہ لویزا تھا۔
ظفر ان کی ناراضگی کا سوچ خواب میں با آواز بلند رو دیا تھا۔
اور جب آنکھ کھلی تھی تو وہ سچ مچ رو رہا تھا اور اب صبح سے ضمیر بار بار اسے لعن طعن کر رہا تھا۔ جس کا بوجھ اس کے ناتواں کندھے اٹھا نہیں پا رہے تھے۔ اب اسے اچھی

طرح جیسے یہ باور ہو چکا تھا کہ وہ شخص بلکل ٹھیک کہہ رہا تھا لویزا کی خوشی صرف اور صرف وہی شخص ہے۔

کچھ چار پانچ دن گزر چکے تھے۔ ممتاز بیگم نے اس سے کلام نہیں کیا تھا۔ اس نے بتھیری کوشش کی تھی کہ وہ اس سے بات کریں

اور سب سے زیادہ تکلیف تو اس بات کی تھی کہ نا انھوںنے خود فون کر کے لویزا کو سچائی بتائی تھی اور نا ظفر سے بات کر رہیں تھیں۔۔

طبیعت بوجھل سی تھی تو وہ دوکان پر بھی نہیں تھا۔

تبھی ممتاز بیگم دوپہر کے کھانے کی ٹرے لیے اندر داخل ہوئیں تھیں۔ خاموشی سے کھانا ٹیبل پر رکھا اور واپس مڑنے لگیں تھیں۔

بہت خوب،، دونوں بہن بھائی اپنی ہٹ کے پکے ہیں ناں، نا خواب میں انھوں نے بات کی اور نا آپ کریں، اب آپ تو بات کر نہیں رہیں، تو میں خالہ کوثر کی پاس خود ہی اپنا رشتہ لے کر چلا جاتا ہوں، اور نوین کو سادگی سے نکاح کر کے گھر لے آتا ہوں،،

وہ جو دو دن سے کھانا نہیں کھا رہا تھا جلدی سے ٹرے اپنے سامنے کھسکا کر رغبت سے کھانا کھاتا انھیں اپنی پلیننگ یوں بتا رہا تھا جیسے پتا نہیں کب سے سر پر سہرا باندھنے کو تیار تھا۔

وہ جو حیرت سے اس کی گوہر افشانیاں سن رہی تھیں سر خوشی سے اس کی جانب مڑیں۔

مگر بولیں پھر بھی نہیں۔

اب کر بھی دیں معاف،، بتا دوں گا لویزا کو ساری حقیقت، اب خوش، اب بات کریں مجھ سے،، وہ جھنجھلایا۔

میں آج ہی کوثر سے بات کرنے جا رہی ہوں،، ممتاز بیگم نے کنفرم کرنا چاہا۔

اب لکھ کر دوں آپ کو، کہ جب چاہے جائیں، وہ آئبرو اچکا کر بولا۔

وہ مصنوعی غصے سے انھیں گھرکتی مسکراہٹ چھپانے کے لئے باہر نکلتی چلیں گئیں۔

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

دل امید توڑا ہے کسی نے
سہارا دے کے چھوڑا ہے کسی نے

آج اسے حویلی واپس لوٹے دوسرا دن تھا۔ لویزا کو حادثے کے اگلے دن ہی ڈسچارج دے دیا گیا تھا۔ اور عالی اور اجالا اسے لئے حویلی واپس لوٹے تھے۔

حیرت انگیز طور پر حویلی میں اسے کسی نے نا کچھ پوچھا نا کچھ کہا۔

ہاں البتہ اس کے آگے پیچھے اس کی تیمارداری کرتے ضرور گھوم رہے تھے ۔ پہلے سے بھی بڑھ کر اس کا خیال رکھا جا رہا تھا۔ حتیٰ کہ بخت بھی اس کا بہت خیال رکھ رہی تھی۔ ۔ زارون مکمل اس کی دسترس میں تھا۔ وہ جب سے آئی تھی ایک پل کے لئے بھی خود سے اسے الگ نہیں کیا تھا۔

وہ شخص نظر نہیں آیا تھا سو سکون ہی رہا۔

قفس کی تیلیاں رنگین کیوں ہے
یہاں پہ سر کو پھوڑا ہے کسی نے

اب بھی وہ چت لیٹی خالی الزہنی کی حالت میں چھت کو گھور رہی تھی۔ جب دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔

بھابھی،، عالی کی آواز پر وہ اٹھ کر بیٹھی اور چادر اچھے سے اوڑھی۔

آ جائیں عالی بھائی،، اس نے آہستگی سے کہا تو عالی اندر چلا آیا۔

کیسی ہیں آپ؟ اس نے اندر آتے پوچھا اور سامنے پڑے صوفے پر بیٹھ گیا۔

زندہ ہوں،،کوشش تو کی تھی کہ،، وہ پس مردگی سے بولی اور بات دانستہ ادھوری چھوڑ دی۔

بھابھی وہ میر ہادی،،

مجھے ان کے متعلق کوئی بات نہیں کرنی عالی بھائی،، اس نے نفرت سے رخ دوسری جانب موڑا۔۔

وہ تو اب کوئی کرے گا بھی نہیں، بھابھی وہ ملک چھوڑ کر جا چکا ہے،، عالی نے لویزا کے سر پر بم پھوڑا۔ اس نے بے یقینی سے عالی کی جانب دیکھا۔

خوب،، بہت خوب تو گویا مجرم سزا سنے بغیر عدالت میں پیش ہوئے بغیر، اس کا سامنا کیے بغیر سب کچھ چھوڑ چھاڑ راہ فرار اختیار کر چکا تھا۔

وہ جو جو بول کر گیا تھا عالی اسے لفظ با لفظ بتاتا چلا گیا۔

وہ بے یقینی سے سب سنتی رہی۔

♥♥♥♥♥♥♥♥♥

ہاسپٹل سے نکل کر وہ میر لاج آیا تھا۔ جہاں کے درو دیوار اور کونے کونے میں اس کی یادیں بکھری پڑیں تھیں۔

میر ہادی کے لئے بہت مشکل فیصلہ، بہت ہی مشکل وقت تھا یہ۔

سب سے پہلے حویلی فون کیا تھا۔ اور رانا میر ہاشم ،میر دراب، اماں سائیں اور ممتاز بیگم سے بات کی تھی۔ انھیں اچھی طرح سمجھایا تھا کہ انھیں کیا کرنا ہے۔ خود کے جانے کی وجہ بتانی ضروری نہیں سمجھی۔

اور حویلی والوں کو بھی معلوم تھا کہ وہ اپنی ہٹ کا کتنا پکا ہے۔ اگر یہ فیصلہ لیا تھا تو وہ اپنے فیصلے سے ایک انچ بھی ہلنے والا نہیں تھا۔ اپنا ضروری سامان سمیٹا۔

فلائٹ اگلے دن کی تھی۔ اپنے سینے پر صبر کا پہاڑ رکھ چکا تھا۔

اگلے دن ائیر پورٹ کے لئے نکلا تو قدموں کو ان دیکھی ننھی ننھی کلکاریوں اور دبی دبی سسکیوں نے روکنا چاہا مگر دل میں خدا سے مخاطب ہوا۔

میرے خدا مجھے طارق کا حوصلہ دے دے

ضرورت آن پڑی،،،،،،،،،،،،،،،،،،،کشتیاں جلانے کی

ائیر پورٹ پہنچا تو سامنے حسبِ توقع افضل کھڑا، تھا۔

چھوٹے سائیں مت جائیں، زارون بابا کیسے رہیں گے اپنے بابا کے بغیر،،

افضل نے کہا تو وہ جو اس کی ساری رات سموکنگ کرنے اور جاگنے سے آنکھیں لال انگارا ہو چکیں تھیں مزید جلنے لگیں تو اس نے آنکھوں کے اوپر سن گلاسز لگا لیں۔

ہمیشہ کی طرح چاکلیٹ براؤن تھری پیس میں، وہ اونچا لمبا سر و قد، بے تحاشا ہینڈسم اور ڈیشنگ مگر سوگوار سا وہاں موجود تمام لوگوں کا مرکز نگاہ بن رہا تھا۔

فلائٹ کی اناؤنسمنٹ ہوئی تو افضل کی جانب مڑا۔ زارون کا خیال رکھنا افضل اور اس کی ماں کا بھی، یونہی سمجھنا کہ تم ان دونوں کا نہیں میرا خیال رکھ رہے ہو،،

وہ کہتا لگیج گھسیٹتا اندر جا چکا تھا۔

پھرتے ہیں کب سے در بدر

اب اِس نگر اب اُس نگر

اک دوسرے کے ہمسفر

میں اور میری آوارگی

ہم بھی کبھی آباد تھے ،،،ایسے کہاں برباد تھے،،

بے فکر تھے آزاد تھے،،، مسرور تھے دلشاد تھے،،

کوئی چال ایسی چل گیا
ہم بجھ گئے دل جل گیا
نکلے جلا کے اپنا گھر
میں اور میری آوارگی

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

لویزا فریش ہو کر ٹاول سے بال رگڑتی واش روم سے باہر نکلی تھی۔ زارون بلکل تیار تھا۔
فون رنگ ہوا۔ نمبر دیکھ کر اس نے یس کر کے کان کو لگایا۔
نکلیں نہیں اب تک،؟ اجالا نے چھوٹتے ہی پوچھا۔
ہاں نکلنے لگی ہوں،، لویزا نے فون کان اور کندھے سے لگا کر جلدی جلدی بال ڈرائیر کیے۔
میں تو کب کا ویٹ کر رہی ہوں، اور زارون سے ملنے کو بے چین ہوں یار،،
اب صبر کرو بس کچھ دیر، اور یہ اتنی جلدی کس بات کی ہے، لویزا جھلائی۔

کچھ زارون کرولنگ کرتا اس کے پاؤں میں جھول رہا تھا۔

یار زارون کا ویٹ کر رہی ہوں، تمھیں کون پوچھ رہا ہے بس جلدی پہنچو،، اس نے بول کر کھٹاک سے فون بند کر دیا۔

لویزا نے بال باندھ کر جلدی سے شال اوڑھی اور زارون کو لے کر باہر نکلی۔

زارون کی سالگرہ کے لئے اجالا نے شاپنگ کے لئے بلایا تھا۔ وہ جلدی سے باہر نکلی۔

لاؤنج میں ممتاز بیگم بیٹھی تھیں۔

امی میں جا رہی ہوں، لویزا نے کہا تو متوجہ ہوئیں۔

جاؤ بیٹا، اپنا اور چھوٹے سائیں کا خیال رکھنا، ممتاز بیگم نے زارون کو چومنا چاہا مگر وہ گندے گندے سے منہ بناتا لویزا کی شال میں چھپ گیا۔ ممتاز بیگم کھلکھلا کر ہنس پڑیں۔

جاؤ جی جاؤ، نہیں روکتا تمھیں کوئی، ممتاز بیگم نے کہا تو وہ اسے لئے باہر نکلی۔

افضل جیسے تیار ہی کھڑا تھا جو تقریبا سال ہونے والا تھا اس کا اور زارون کا سایہ بن چکا تھا۔

وہ گاڑی کے قریب آئی افضل نے بھاگ کر دروازہ کھولا۔ وہ گاڑی میں بیٹھ گئی تھی۔ اور حسبِ معمول گاڑی میں زارون نے ہلچل سی مچا دی تھی۔ بے حد شرارتی، بہت ہی زیادہ نٹ کھٹ سا زارون اب سال کا ہونے والا تھا۔

گھنٹے دنوں میں بدلے، اور دن مہینوں میں، اور اب سال ہونے کو تھا۔ لویزا کو کئی دنوں بلکہ مہینوں تک یوں لگا کہ وہ گیا ہے تو خود ہی لوٹ آئے گا۔ ہر آہٹ پر چونکتی، ہر ہلکی سی بیل پر بھاگ کر فون اٹھاتی۔۔ مگر اس نے لویزا کے بلائے بغیر نہیں لوٹنا تھا نا لوٹا۔

خود کو خود ساختہ سزا کے عذاب میں ایسا جھونکا کہ اپنے بچے کا پہلی مرتبہ بیٹھنا، پہلی بار سکرول کرنا، پہلی مرتبہ مما بابا بولنا تک مس کر دیا۔

کافی تھکان بھرے سفر کے بعد وہ لاہور اجالا کے گھر پہنچی۔

اجالا نے اس کا پرتپاک استقبال کیا۔ اتنے مہینوں کے بعد وہ آج حویلی سے لاہور اس کے پاس آئی تھی۔

انھوںنے اکھٹے مگر کافی لیٹ لنچ کیا۔

زارون جلد ہی اجالا سے فرینک ہو گیا۔ کچھ دیر آرام کے بعد ان کا شاپنگ پر جانے کا پروگرام تھا۔

آخر رات کے تقریبا نو بجے وہ شاپنگ کے لئے نکلیں۔لویزا نے افضل کاکا کو بہت منع کیا کہ یہ گارڈز، کے چونچلے رہنے دیں۔ مگر ہمیشہ کی طرح ہی انھوننے اس کی ایک نا سنی اور بقلم خود بمعہ گارڈز سمیت ان کے ساتھ آئے ۔

مال پہنچ کر وہ مختلف چیزیں دیکھنے لگیں۔

سنو لویزا میں زارون کو اپنی طرف سے اپنی پسند کے ڈریسز لے کر دوں گی۔ اسے لے جا رہی ہوں۔ تم اپنا دیکھ لو ٹائم ویسٹ نہیں ہوگا،، اجالا نے کہا تو لویزا نے اثبات میں سر ہلایا۔

سنو لویزا کافی مہینے ہو گئے جب سے تم حویلی گئیں مجھے ظفر بھائی کی کال آتی ہے کہ وہ تم سے ملنا چاہتے ہیں، شاید میر ہادی بھائی نے عالی کو بھی منع کر رکھا ہے اسی لئے ظفر بھائی کے تم تک پہنچنے کا ہر دروازہ بند کر رکھا ہے ان لوگوں نے،، مگر وہ تم سے

ایک بہت ضروری بات کرنا چاہتے ہیں، تو آج میں نے انھیں ادھر ہی بلا لیا، گھر پر تو عالی ہوں گے ناں،، اجالا بول کر اطمینان سے خاموش ہو گئی۔

یہ سن کر لویزا کا رنگ اڑا۔

افففف،، اجالا یہ کیا کہا تم نے، وہ پاگل شخص کبھی بھی الاؤ نہیں کرے گا، تم،، تم کم از کم مجھ سے پوچھ تو لیتی،، لویزا نے دانت پیسے۔ اسے اچھی طرح یاد تھا۔ عالی نے جو میر ہادی کی جانب سے اسے ہدایات سنائیں تھیں ان میں سرِ فہرست یہ بھی تھا کہ وہ ظفر سے نہیں ملے گی بلکل بھی۔

اجالا زارون کو لیے کندھے اچکاتی ایک بے بی گارمنٹس شاپ پر چلی گئی۔۔

لویزا کے دل کہ دھڑکن گھبراہٹ کے مارے مزید تیز ہوئی جب بیرونی طرف سے اپنی جانب اتنے مہینوں بعد ظفر کو مہربان سی مسکراہٹ کے ساتھ فیروزی ٹی شرٹ اور بلیک ٹراؤزر پہنے آتے دیکھا۔ مگر کہیں نا کہیں اس بات کا بھی اطمینان تھا کہ وہ کون سا یہاں ہے یا اسے دیکھ رہا ہے۔

مگر ہائے رے قسمت، ایلو جان کی سادگی۔

اسلام و علیکم لویزا کیسی ہو،،؟

وعلیکم السلام، ظفر بھائی آپ کیسے ہیں،، وہ بمشکل مسکرائی۔

میں بلکل ٹھیک، تم تو بھول ہی گئیں ہمیں، امی بہت یاد کرتی ہیں تمھیں، میری شادی میں بھی نہیں آئیں، اور اب تو امی کی بھتیجی، یعنی تم بھی پھپھو بننے والی ہو بھئی،، ظفر نے مسکرا کر اپنا کارنامہ بتایا تو لیزا کو خوشگوار حیرت ہوتی چلی گئی۔ مگر یہ خوشگوار حیرت، شدید صدمے میں بدلی تھی ۔آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ جب ظفر کی فیروزی شرٹ پر عین دل کے مقام پر ریڈ لیزر لائٹ دکھائی دی۔ اور تبھی فون چنگھاڑ اٹھا۔

لویزا مجھے تم سے ضروری بات کہنی ہے، کہیں بیٹھ کر بات کریں، ظفر نے سنجیدگی سے کہا مگر لویزا کے پیروں تلے سے زمین کھسک چکی تھی فون پر بیرون ملک کا نمبر دیکھ کر۔

ظفر بھی اس کی اڑی اڑی رنگت دیکھ کر حیران ہوا تھا۔

دوسری بیل پر کانپتے ہاتھوں سے فون یس کر کے کان کو لگایا۔

ہ،،، ہیلو،،؟ بمشکل ہی بول پائی۔

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

وہ بلیک تھری پیس پہنے شاندار سی بلیک کار سے نیچے اترا تھا۔ تیزی سے سو منزلہ عمارت کے اندر داخل ہوا۔ ہر جگہ اس کے گارڈز اس کے ساتھ موجود تھے۔ اور اس کے کہیں داخل ہونے سے پہلے ہی سامنے والا دروازہ کھول دیا جاتا۔

بڑے سے شیشے کے دروزے کو دھکیل کر وہ کانفرنس روم میں داخل ہوا جہاں آج، بیرون ممالک گاڑیوں کی کئی کمپنیز کی بہت خاص میٹنگ تھیں۔

میر ہادی بے دلی سے بیٹھا کمپنیز کے سی ای اوز کی اپنی کمپنیز کی تعریفوں میں زمین آسمان کے قلابے ملاتے سن رہا تھا۔ تمام تر توجہ مگر اپنے فون میں آنے والے میسجز اور ویڈیوز پر تھی۔ اس وقت امریکہ میں صبح کے ساڑھے نو بجے تھے۔

دفعتاً میر ہادی کے ماتھے پر ڈھیر سارے بل نمودار ہوئے تھے۔ میٹنگ گئی بھاڑ میں وہ ایک جھٹکے سے اپنی سیٹ سے اٹھ کر میٹنگ کینسل کرنے کا اشارہ کرتا اندر اپنے آفس کے پرائیویٹ کیبن میں داخل ہوتا دھاڑ کی آواز سے گلاس ڈور بند کیا تھا۔ اور اتنے مہینوں بعد وہ نمبر ڈائل کیا۔ جو کہ دوسرہ بیل پر رسیو کر لیا گیا۔

ہیلو،، کمزور سی آواز سنائی دی۔

رانا لویزا میر ہادی، اگر انھیں پیروں چل کر گاڑی میں نا بیٹھیں تو میرا شارپ شوٹر جو تمھارے ظفر بھائی کو اپنے نشانے پر رکھے ہوئے ہے بغیر سوچے سمجھے گولی چلا دے گا، وہ لیزر لائٹ تو نظر آ ہی گئی ہوگی ناں، تم کیوں چاہتی ہو میں لازمی ہی اپنے ہاتھ ایک خون میں رنگ لوں،،

مخصوص غراہٹ سی تھی جو اتنے مہینوں بعد سنائی دی تھی۔

لویزا کیا ہوا،،؟ میں نے کہا میں نے تم سے بہت ضروری بات کرنی ہے، تمھارا دھیان کدھر ہے آخر؟ کس کا فون ہے؟ ظفر بولے جا رہا تھا۔ جب کے وہ گھرے گھرے سانس لیتی انھیں قدموں سے پیچھے بھاگ چکی تھی۔

ظفر اپنی جگہ حیرت زدہ سا رہ گیا۔

گاڑی تک پہنچ کر اس نے اپنا ماتھا مسلا تھا۔ افضل کاکا نے نگاہیں چرائیں۔ جھٹکے سے گاڑی میں بیٹھی تھی۔ بھاگ کر آنے کی وجہ سے سانس پھول چکا تھا۔ اتنے دنوں بعد

اس بے مہر ستمگر کی آواز سنائی دی بھی تو پھر سے وہی ضد، ہٹ دھرمی بے اعتباری اور اپنی مںمانی کرتی سارے زخم ہرے کر گئی تھی۔

ادھر وہ سیٹ پر بیٹھ کر اب سکون سے آنکھیں موندے ان سانسوں کی آواز اب یوں سن رہا تھا جیسے ان کی نرماہٹ اور گرماہٹ اپنی روح میں اترتی محسوس کر رہا ہو۔

آئی ہیٹ یو، میر ہادی،، ایک سسکی سی سنائی دی۔

بولتی رہو، اچھا لگ رہا ہے، یہی سہی،، وہ سکون سے بولا۔

اعتبار نہیں مجھ پر یا بدکردار سمجھتے ہیں،، وہ پھنکاری۔

شٹ اپ ایلو جان،، بس ایک یہ آدمی جانے کیوں مجھے زہر لگتا ہے، جب تمھاری طرف دیکھتا ہوں دل کرتا ہے اسکی آنکھیں نکال کر چیل کووں کو کھلا دوں،، وہ پھر اطمینان سے بولا تو لویزا کو آگ لگی۔

کیوں، دنیا کو اپنے پیروں تلے روندنے کا ٹھیکا صرف آپ نے اٹھا رکھا ہے،، وہ جل کر کہتی گہرا طنز کر گئی ، سوئی سی تھی جو میر ہادی کی روح میں پھر چبھی۔

لویزا،، بے چین سا ہو کر میر ہادی نے اس ظالم لڑکی کو پکارا۔

مر گئی لویزا، میر ہادی مار کر گئے تھے آپ رانا لویزا میر ہادی کو، اپنے ہی ہاتھوں سے،، بھول گئے،، مر گئی میں آپ کے لئے ،،

بول کر فون بند کیا تھا اور پھوٹ پھوٹ کر روئی تھی۔

یہ شخص نا اسے چین سے جینے دیتا تھا نا مرنے۔

اور وہ جو لویزا کی آخری بات سن کر اپنا سانس بھی روک چکا تھا جیسے۔

اتنے دن مہینوں سے ایک ایک پل تڑپا تھا۔ بہت تکلیف میں دن گزارے تھے۔ اپنی زندگی سے دور اپنے بچے کے بغیر، ہر روز ممتاز بیگم کے روم میں وہ گھنٹوں زارون سے اور تمام گھر والوں سے ویڈیو چیٹ کرتا۔ زارون اب پہچاننے لگا تھا سب کو، اس دن رانا میر ہادی ویڈیو بند ہونے کے بعد کافی دیر تک رویا تھا جب زارون نے موبائل کو چومتے ہوئے پہلی مرتبہ اسے بابا کہا۔

یہ تو ایلو جان کی غلط فہمی ہی تھی کہ وہ اس سے بے خبر تھا۔ اس کے پل پل کا حساب رکھا ہوا تھا رانا میر ہادی نے۔اتنے عرصے میں حویلی میں لگے مختلف کیمروں کے زریعے وہ اسے دیکھ سکون حاصل کرتا رہا۔۔

اور اب تو زاروں سال کا ہونے والا تھا۔ وہ پھر بھی اس سے دور تھا۔ اور اب بے چینی حد سے سوا تھی۔

اور آج یہ سب ہو گیا اور اس کے صبر کا باندھ ٹوٹ گیا۔ اپنا سارا غم وغصہ نکال کر اب پھر دل بوجھل ہو چکا تھا اس کی آخری بات پر۔

یہ دل ہی تھا جو سہہ گیا، وہ بات ایسی کہہ گیا
کہنے کو بھی کیا رہ گیا، اشکوں کا دریا بہہ گیا

جب کہہ کہ وہ دلبر گیا،
تیرے لئے میں مر گیا
روتے ہیں اس کو رات بھر
میں اور میری آوارگی،،،،،،

♥♥♥♥♥♥♥♥♥♥♥♥♥♥

حویلی میں آج پھر خوشیوں کی بارات اتری تھی۔

زارون پورے ایک سال کا ہو چکا تھا۔ فنکشن تو بس گھر گھر میں ہی تھا۔ مگر پورے گاؤں میں نذر و نیاز اور کھانا وغیر ضرور تقسیم کیا گیا تھا۔

بظاہر سب بے حد خوش تھے ہاں مگر یہ الگ بات تھی کہ یہ خوشیاں ادھوری تھیں۔ نامکمل تھیں۔

شام سات بجے کا وقت تھا۔ سب تیار تھے۔

آج موسم بھی زرا خراب سا ہی تھا۔

لویزا اپنے ڈریسنگ کے سامنے کھڑی اپنی تیاری کو آخری ٹچ دے رہی تھی۔ پیروں تک ییلو کلر میکسی جس پر ریڈ ایمبرائڈری کا کام تھا۔ ریڈ سکارف اور اب وہ شیشے کے سامنے کھڑی نرم لبوں پر ریڈ لپ اسٹک لگا رہی تھی۔ کھڑکیوں سے ٹھنڈی یخ بستہ ہوائیں کھلی کھڑکیوں سے چھن کر کے اندر آتی جسم و جاں میں سنسنی سی پیدا کر رہے تھی اور کسی کی یاد دلاتی دل میں ہوک سی اٹھ رہی تھی۔۔ وہ کافی دیر سے غائب دماغی کے عالم میں آئینے

کے سامنے کھڑی اپنا سجا سنورا روپ دیکھ رہی تھی۔ جو کہ بلکل اسے فضول اور بیکار سا لگ رہا تھا جسے سراہنے والا کوئی نہیں تھا۔ خراج بخشنے والا سمندروں پار بیٹھا تھا۔

وہ یونہی کھوئی کھوئی سی کھڑکی تک آئی۔ کچھ الفاظ کچھ جملے دماغ میں گڈمڈ سے ہوئے اور دل نے پسلیوں سے سر پٹخ پٹخ کر اسے نیم جان سا کر دیا تب ضبط ٹوٹا اور آنکھوں سے آنسو نکل کر بے مول ہوئے۔

ایسی ہی بارش تھی وہ جس میں اس کا ساتھ تھا اس کی پاگل قربت میں وہ خود کو دنیا کی خوش قسمت ترین انسان سمجھتی تھی۔ کتنا خوبصورت وقت تھا۔ آج دل کے دریچوں میں اس کی یادیں رقص کرتی پھر رہی تھیں۔ دبی دبی سی سرگوشیاں تھیں جو اس کے چاروں جانب گونج رہی تھیں۔

یو نو واٹ،، ایلو جان، ایک طوفان تو اپنے وجود پر جھیل چکی ہو مگر اب سامنے کھڑے اس طوفان کو جھیلنا ہے تمھیں،،

نو،،

یس،،

اس طوفان کو کس نے دعوت دی کے باہر آئیں،،

تم خود الجھی ہو،، اب جھیلنا تو پڑے گا میری جان،،اس عشق نے جو میرے سینے میں آگ بھڑکائی ہوئی ہے وہ میں آج تمھارے وجود میں منتقل کر دوں گا،،

جسم و جاں اس کی یاد میں سلگ اٹھے تھے۔ اور یہی جلن آنکھوں کے رستے گرم آنسو بن کر گالوں پر بہہ رہی تھی جیسے۔ دفعتاً ایک تیز بوچھاڑ نے اس کا چہرے پر نرم سا بوسا لیا تھا۔ وہ روح تک تڑپی۔

لویزا،، پیچھے سے بخت کی آواز سنائی دی تو وہ چونکی۔

اونھہ،،، وہ یک دم ہی بخت کی جانب نہیں پلٹ پائی تھی۔

سب آ چکے ہیں،، حویلی سے امی لوگ بھی، موسم بھی بہت خراب ہو رہا ہے، زارون بھی تیار ہے، سب نے واپس بھی جانا ہے،، نیچے امی سائیں بلا رہی ہیں تمھیں،، بخت نے شرمندہ سا ہو کر اسے اپنی آنے کی وجہ بتائی۔

بخت آپی،آپ تو مجھے بددعائیں دیتی ہوں گی ناں، کتنی سیلفش اور غاصب ہوں نا میں،، آپ کو بھی آپ کے شوہر سے دور کر دیا ہے میں نے،، وہ پھر بے آواز آنسو بہا رہی تھی۔

غلط ہو تم لویزا، انسان اس چیز کے دور جانے پر افسوس کرتا ہے، جو پہلے اس کے پاس ہو، وہ تو کبھی میرا تھا ہی نہیں لویزا، اسی لئے مجھے بلکل افسوس نہیں ہوتا، ہاں تم اپنی تڑپ، تکلیف اور یادوں کا بِل میرے سر پر مت پھاڑو ناں، تمھاری تو روح تک میں بسا تھا ناں وہ اتنے قریب آیا تھا ،، اسی لئے اگر اس کی دوری جینے نہیں دے رہی تو پکار لو اسے لویزا، مجھے یقین ہے وہ تمھاری آدھی پکار پر ہی سر کے بل چلا آئے گا،،

بخت نے اطمینان سے کہا۔

چلیں آپی باہر چلتے ہیں،، وہ آنکھوں کے بھیگے کونے صاف کرتی اس کی باتیں نظر انداز کرتی تیزی سے باہر نکل گئی۔

لاونج دلہن کی طرح گلابوں اور آرٹیفیشل آرائش اور بلونز سے سجایا گیا تھا۔ جنھیں دیکھ زارون بہت خوش ہو رہا تھا۔ وہ مسلسل کلیپنگ کرتے اپنی خوشی کا اظہار کر رہا تھا۔

(یہ تمام مناظر کوئی میر لاج میں بیٹھا بوجھل دل کے ساتھ دیکھ رہا تھا۔ جب بلکل بھی رہا نہیں گیا تو وہ چلا آیا تھا واپس میر لاج، کسی کو معلوم نہیں تھا سوائے افضل اور عالی کے۔ ہاں مگر اپنے وعدے کی پاسداری لازم تھی جو وہ حویلی نہیں جا پایا تھا)

لویزا اور بخت باہر آئے تو محفل میں سناٹا سا چھا گیا۔ زمرد نے سر تا پا بڑے غور سے اس پری پیکر کے وجود کو غلیظ سی نگاہوں سے گھورا۔

جب میر ہادی کی غیر موجودگی میں اس کی ہر چیز پر بظاہر اس کا تسلط تھا تو اس پری پر کیوں نہیں۔۔ زمرد اپنی غلیظ اور شیطانی سوچ پر مسکرایا تھا۔ آجکل کسی لڑکی کو خاص کر جس کا شوہر بھی اس کے پاس نا ہو ہراساں کرنا اور اپنے بس میں کرنا کونسا مشکل کام تھا۔۔

(کوئی اس کی گندی نگاہیں خونخوار نگاہوں سے جانچ رہا تھااور اچھی طرح نوٹ بھی کر چکا تھا۔ ہاں مگر دل کو یہ تسلی ضرور تھی کہ وہ اپنی حفاظت کرنا جانتی ہے رانا میر ہادی کے لئے اس کو اس کی مرضی کے بغیر مخالف سمت کی ہوا بھی نا چھو پائے تو زمرد کس کھیت کی مولی تھی)

لویزا نے زارون کو گود میں لے کر کیک کاٹا۔ سب نے کلیپنگ کی، لویزا نے سب کو کیک کا پیس کھلایا۔ تبھی زمرد اپنے موبائل میں بظاہر زارون کی پکس لینے والا تھا۔ مگر اس کی سوچ اس وقت کتنی گندی تھی یہ کوئی بھی نہیں جان سکتا تھا۔

ایک منٹ زمرد بھائی،، آئم سوری، مگر میں کسی کو بھی اپنی پکس نہیں لینے دیتی،، لویزا نے بلند اور رعب دار آواز میں کہا تھا۔ زمرد کو تو سانپ ہی سونگھ گیا۔ لویزا نے زارون کو بخت کی گود میں تھمایا۔

اب آپ لے لیں جتنی بھی پکس لینی ہے،، وہ اطمینان سے کہتی اپنے روم کی جانب گئی۔ مگر روم میں جانے کی بجائے پچھلے لان کی جانب چلی آئی۔ دم سا گھٹتا محسوس ہوا تھا۔ کون لڑکی نہیں پہچانتی ہوگی اپنے اوپر اٹھنے والی نگاہ کو کہ وہ مخلص ہے یا گندی۔ وہ کب سے نوٹ کر رہی تھی۔ اس کی غلیظ نگاہیں خود پر، ابھی اگر وہ ہوتا تو اس بندے کی آنکھیں ہی نکال لیتا۔ لوٹ پھیر کر تان پھر آ کر اسی شخص پر ٹوٹی۔۔ ہلکی ہلکی پھوار اب بھی برس رہی تھی۔۔

ساون کی بھیگی راتوں میں
جب پھول کھلے برساتوں میں
جب چھیڑیں سکھیاں باتوں میں
مینوں یاداں تیریاں آندیاں نے

دل کو پکڑ کے رہ جاتی
پوچھنا کیسے شرماتی ہوں
ساری باتیں سن لیتی ہوں
آدھی باتیں کہہ جاتی ہوں
خوشبو نہیں ملتی کلیوں میں
کوئی رنگ نہیں رنگ ریلیوں میں
گاؤں کی سونی گلیوں میں
مینو یاداں تیریاں آندیاں نے

کب تک تم پردیس رہو گے
آؤ گے نا خط لکھو گے
میں گھٹ گھٹ کر جان دے دو گی
پھر تم کس کو جان کہو گے
تم کھو گئے جنگل بیلے میں
ہر بستی میں ہر میلے میں
گاؤ گے یہی اکیلے میں
مینوں یاداں تیریاں آندیاں نے

باہر والی بارش تھم چکی تھی مگر لویزا نے جن آنسوؤں کو آنکھوں کے زریعے بہنے کی اجازت نا دی تھی اب وہ اس کے اندر دل پر گر رہے تھے۔
تبھی اپنے پیچھے آہٹ سی سنائی دی۔ وہ یک دم پیچھے مڑی تو آنکھیں چندھیا سی گیئں۔
زمرد سیکنڈ میں اس کی پک لے چکا تھا اور خباثت سے کھڑا مسکرا رہا تھا۔
یہ کیا زلیل حرکت ہے؟ لویزا نے اسے گھورا۔

کچھ نہیں خوبصورتی کو کیمرے کی آنکھ میں محفوظ کر رہا ہوں،، اس نے ایک آنکھ ونک کی۔

اس بیغیرتی کا مطلب،، لویزا غرائی۔

زیادہ کچھ نہیں، بس دوستی کرنا چاہتا ہوں، وہ کہتے ہیں ناں کہ دشمن کا دشمن دوست ہوتا ہے تو میں میر ہادی کا بڑے والا دشمن ہوں تو تم مجھے دوست بنا سکتی ہو، بلکہ اس سے کچھ زیادہ،، یقین کرو تمھاری بے وفائی سے وہ اٹھ نہیں پائے گا، مل کر اسے برباد کرتے ہیں، کیا کہتی ہو،،

زمرد نے بڑی نچلی سطح پر گرتے اپنے گھٹیا ترین ارادے بتائے۔ اور اسے ہراساں کرنے قدم قدم چلتا اس کے قریب تر آیا۔

جن پیروں سے چل کر یہاں آئے ہو اپنی منحوس شکل لے کر انھیں قدموں سے واپس چلے جاؤ نہیں تو بہت پچھتاؤ گے،، لویزا نے ہاتھ باندھ کر اطمینان سے کہا۔

اووووو میں تو ڈر گیا، کیا کرو گی، گارڈز کو بلاؤ گی، یا چلا کر گھر والوں کو، میں جن کے سامنے یہ بولوں گا کہ تم نے خود اشارہ کر کے مجھے یہاں بلایا ہے،،

تم جیسے زلیل، گھٹیا، بزدل اور مردود لوگوں کے لئے مجھ جیسی کو نا گارڈز کی ضرورت پڑتی ہے ناں کسی گھر والے کی، تمھارے لئے تو رانا لویزا میر ہادی اکیلی کافی ہے،،

لویزا کا سرسراتا لہجہ زمرد چونکا۔

کیا مطلب ؟ اس نے آئیبرو اچکایا۔

لویزا نے سب سے پہلے سیکنڈوں میں اس کے ہاتھ سے اس کا موبائل چھین کر زمین پر پٹخ کر چکنا چور کیا تھا۔

یو،، پاگل لڑکی،، زمرد لویزا کی جانب لپکا شاید اسے بے عزت کرنا چاہتا تھا۔ مگر وہ سیکنڈوں میں جھک کر اس کے پہلو سے نکلی۔ برآمدے میں پڑا چھوتا سا گملا ہی اس کے ہاتھ لگا تھا جسے وہ پل بھر میں ساتھ کر زمرد کی پشت سے اس کے سر پر پھوڑ چکی تھی۔ وہ لہو لہان سر پر ہاتھ رکھے ہکا بکا رہ گیا تھا۔ پھر تکیف کے مارے لویزا کے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھتا چلا گیا۔

بخت آپی، بخت آپی،، لویزا چلائی تو زمرد گھبرایا مگر اتنے میں سب گھر والے وہاں پہنچ چکے تھے۔

ارے کیا ہوا یہ زمرد کو کیا ہوا،، فرحین اپنے بیٹے کی طرف لپکیں۔

کچھ نہیں آنٹی، سنبھل کر نہیں چل رہے تھے اور منہ کے بل گر پڑے، اور گملا سر پر لگ گیا، ایک ماں کی نصیحت بچے پر زیادہ اثر کرتی ہے انھیں سمجھائیے گا کہ سنبھل کر چلا کریں،،

وہ مبہم الفاظ میں اسے تنبیہہ کرتی اپنے کمرے میں چلی گئی ۔ زمرد کا دل کیا ڈوب مرے۔

تمام مہمان رخصت ہو گئے۔ عالی اور اجالا کو لویزا نے رات رکنے کا بولا تھا۔

لویزا اپنے کمرے میں تھی۔ رات کے دس بج چکے تھے۔۔زارون سو چکا تھا جب عالی ہلکی دستک دے کر روم میں داخل ہوا۔

بھابھی،، عالی نے پکارا

جی،، وہ ہمہ تن گوش ہوئی۔

زارون کو میر لاج لے کر جانا ہے، عالی نے کہا تو بے تحاشا چونکی۔

کیوں،، کس لئے اور رات کے اس وقت،

زارون کو اس کے بابا سے ملانے لے کر جانا ہے، کیونکہ وہ صبح کی فلائیٹ سے دوبارہ واپس چلا جائے گا، میں اور اجالا ہوں گے اور ساتھ بخت بھابھی ہوں گی، ہم اپنے گھر چلے جائے گا اور صبح بخت بھابھی زارون کو لے کر واپس چلے جائیں گے،،

عالی نے سنجیدگی سے بتایا جبکہ وہ سامنے کھڑی بظاہر پتھر بنی اس لڑکی کا لمحہ بالمحہ تاریک پڑتا چہرہ بغور دیکھ رہا تھا جو اب دھواں دھواں ہو چکا تھا۔

لے جائیں، میرے بچے کا خیال رکھیئے گا، لویزا نے اپنا رخ عالی کی جانب سے موڑ لیا۔ کہ کہیں آنکھیں کسی کے سامنے ہی نا لہو چھلکاتے رونے لگ جائیں۔

بخت اور اجالا کی کمرے کے قریب آتی آوازیں سن اس نے جان بوجھ کر خود کو واش روم میں بند کیا تھا۔

زارون کی چیزوں کا چھوٹا سا بیگ بخت کے ہاتھ میں تھا۔

چلیں بخت بھابھی اٹھائیے زارون کو ہمیں جلدی نکلنا ہے، کافی وقت ہو گیا ہے ہادی بھی ویٹ کر رہا ہوگا،، عالی نے عجلت بھرے انداز میں کہا تو اجالا کو حیرت ہوئی۔

عالی مگر لویزا،،، اجالا نے کہنا چاہا مگر عالی نے ہاتھ کے اشارے سے اسے روک دیا۔

اجالا سمجھ گئی تبھی وہ تینوں زارون کو لئے روم سے نکلتے چلے گئے۔

ان کے جانے کے بعد لویزا نے کمرے کی ہر چیز تہس نہس کی تھی۔

کاش وہ سامنے ہوتا تو اپنے ناخنوں سے اس کا منہ نوچ ڈالتی۔

انا کی جنگ تھی۔ اس کی دی گئی خود کو سزا آج لویزا کو اپنی ناقدری لگ رہی تھی۔

خوب بہت خوب، اتنی اکڑ ہے کہ اپنی غلطیوں پر پچھتانے اور مجھ سے معافی مانگنے کی بجائے مجھے ہی جھکانا چاہتے ہیں،، میں ہی واپس بلاؤں تو یہ کبھی نہیں ہوگا رانا میر ہادی،، لویزا نے سکارف اور جیولری خود سے نوچ کر پھینکی اور اپنے بال مٹھی میں جکڑے۔

میرے بجائے بخت آپی کو بلایا، جان بوجھ کر جلانا چاہتے ہیں مجھے، یا تڑپانا،، مگر مجھے بلکل پرواہ نہیں آپ کی سنا آپ نے،، وہ انا کی جنگ میں انا کی ماری لڑکی ہر بات کا الٹا مطلب نکالتی رہی اور خود ہی سلگتی تڑپتی رہی۔

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

رانا میر ہادی اپنے لیپ ٹاپ کے سامنے بیٹھا حویلی کا ایک ایک منظر اپنے دل میں اتارتا رہا۔ ییلو فراک میں اس کی سانسوں میں بسی وہ اس کا ضبط آزماتی رہی۔

آج سب سے زیادہ ایک باپ تڑپا تھا۔ وہ اپنی یہ تڑپ نا لفظوں میں بیان کر سکتا تھا نا عمل سے اس کا اظہار کر سکتا تھا۔ ایک بچے کے لئے ماں کی ممتا کا اگر کوئی نعم البدل نہیں تھا تو دنیا میں پدرانہ شفقت کا بھی کوئی نعم البدل نہیں تھا۔ تبھی اس نے حویلی فون کر کے عالی کو زارون کو ملنے کے بلایا تھا۔

پھر زمرد سے ہوئی اپنی شیرنی کی مد بھیڑ بھی وہ مسکراتے ہوئے دیکھتا رہا۔ بڑی غلطی کی تھی زمرد نے جو رانا لویزا میر ہادی سے الجھ بیٹھا تھا۔

زمرد کا حشر وہ حسبِ معمول بڑی آسانی سے بگاڑ چکی تھی۔

اس کے بعد عالی کا اسے زارون کو لے جانے کے لئے بولنا۔ جواب میں اس کے تاثرات اور بعد کا ری ایکشن ۔ وہ سب دیکھا تھا اس نے۔ اور اس کی گوہر افشانیاں سن

دل و جان میں پھر ایک درد کی لہر سی اُٹھتی محسوس ہوئی۔ وہ اس سے اس قدر بدگمان تھی۔ اس نے سوچا نا تھا۔

مگر مصیبت تو یہ تھی کہ وہ اپنے کیے گئے وعدہ کا پابند ہوتے ہوئے اس کے پاس جا کر اس کی یہ بدگمانیاں بھی دور نہیں کر سکتا تھا۔

اسے یو سلگتے تڑپتے اور بکھرتے بھی نہیں دیکھ سکتا تھا تبھی ایک جھٹکے سے لیپ ٹاپ کو آف کر دیا۔

یہ تہمت فقط سگریٹ پہ ہی کیوں...

کمبخت عشق بھی تو مضرِ صحت ہے...!

پھر کافی دیر وہ اپنی جان سگریٹ میں جھونکتا رہا۔ باہر وقفے وقفے سے برستی بارش تھی اور اندر وہ مسلسل سلگ رہا تھا۔ میر لاج میں سبھی درو دیوار پر اس کی تصاویر اس ظالم بے حس لڑکی کی یاد اس بارش نے اس کے تمام زخم ادھیڑ دیے تھے۔

وہ اتنا تڑپ رہا تھا کہ یوں محسوس ہوا خود پر سے اختیار کھو بیٹھے گا۔ ضبط کی طنابیں توڑتا اس کے پاس چلا جائے گا۔ مگر قسم جو کھائی تھی اب نا اس سے کوئی تکلیف پہنچائے گا نا خود کو اس پر مسلط کرے گا نا اس سے زور زبردستی کرے گا۔ وہ یونہی کھڑکی تک آیا۔ ٹھنڈی یخ بستہ ہواؤں نے اس کا پر سوز سا استقبال کیا۔

آج خوب بارش برسی،

مگر افسوس،

یہ بارش اس پہلی بارش کی طرح نا تھی،

جس میں، میں نے،

اپنے محبوب کو،

من چاہی دعاؤں کی طرح پایا تھا،

یہ تو بہت اداس ہے،

میرے دل کی،

اس کی بوندیں ایسے برس رہی ہیں،

For more books 0313-6137393

جیسے آسمان پر بیٹھا کوئی،

اپنی بے بسی پر، اور بے تحاشا اداسی پر،

آنسو بہا رہا ہو،

اور یہ آنسو، بارش کی بوندوں کی صورت،

زمین پر برس رہیں ہوں،

یہ اس بارش کا قصور نہیں ہے،

شاید جو آسماں پر بیٹھا رو رہا ہے،

وہ میری طرح اداس ہوگا،،

(بقلم واحبہ فاطمہ)

رات کافی لیٹ وہ میر لاج پہنچے تھے۔ زارون تب تک نیند پوری ہونے کے بعد جاگ چکا تھا۔ اور آج تک جو چہرہ موبائل میں دیکھتا آیا تھا اسے اپنے سامنے دیکھ حیران پریشان ہوا تھا۔ جبکہ میر ہادی اسے کافی دیر سینے سے لگا کر رویا تھا۔ میر لاج میں دوبارہ کیک کاٹا تھا ان لوگوں نے۔

رات کافی بیت چکی تھی۔ اجالا اور عالی واپس جا چکے تھے۔

بخت اپنے الگ روم میں جا چکی تھی۔

میر ہادی اور زارون کافی دیر تک کھیلتے رہے تھے۔زارون بار بار پوچھ رہا تھا۔

بابا، مما ای،،،؟

مطلب مما جی کدھر ہے۔ میر ہادی کے دل میں ایک ہوک سی اٹھتی۔

آخر کافی دیر زارون کھیل کھیل کر تھک کر ہادی کے پاس ہی سو گیا۔ میر ہادی ن بھی اسے باہوں میں بھر کر آج کافی عرصے کے بعد سکون سے سویا تھا۔ کہ بیٹے میں سے اسے اس کی خوشبو ضرور محسوس ہوئی تھی۔

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

بے پرواہ تم بھول گئے

ہمیں تنہا سا چھوڑ گئے

ان بارشوں میں کوئی نہیں ہے

ہم ہیں اور بس تنہائی ہے
سونی ہیں راہیں تنہا ہیں ہم
نیند سے پہلے آ جانا
شاماں پیاں تیرے بنا تو گھر آ ڈھولنا
رو رو کہ میں دیواں صدا تو گھر آ ڈھولنا

یاد کرو گے راتوں میں تم
ہر وہ پل جب ساتھ میں تھے ہم
تم کو جب کوئی اور ملا تھا
یہ دل تب ہی ٹوٹ گیا تھا
جانو گے جب دل ٹوٹے گا کیا ہوتا ہے تڑپانا،
شاماں پیاں تیرے بنا تو گھر آ ڈھولنا،

بخت کھڑکی کے پاس کھڑی بے آواز آنسو بہا رہی تھی۔ پہلے اپنی ضد اور ہٹ دھرمی میں اپنی زندگی برباد کر لی۔ مگر اب اس میں اتنی ہمت ہر گز نہیں تھی کہ وہ اپنے لیے کوئی فیصلہ لے سکے۔ میر ہادی نے تو سال پہلے جانے سے پہلے اسے فون کیا تھا اور یہ بولا تھا کہ جب بھی اس بے نام رشتے سے آزاد ہونے کا دل کرے ہلکا سا وہ اسے بس ہلکا سا اشارہ دے دے۔ وہ ادھر ہی اس رشتے کو ختم کر دے گا ۔ کل اختیار بختاور کو دیا تھا۔

مگر اب اس میں اتنا حوصلہ کہاں بچا تھا کہ اس رشتے سے آزاد ہو کر اپنے ہی منہ سے کسی اور سے رشتے کے جوڑنے کا تقاضا کرتی۔ وہ تو رسموں رواجوں اور سماج کی ان دیکھی زنجیروں میں بری طرح جکڑی گئی تھی۔

اس کی ضد نے اسے بے حد کمزور بنا دیا تھا۔

پچھلی بارش یاد آئی۔ جب اس کے سینے سے لگی اپنی بے قدری پر بے تحاشا آنسو بہائے تھے۔

اور اب پھر بالکونی میں ہلکی بارش میں بیٹھ کر منہ میں دوپٹہ ٹھونس کر اتنا روئی کے دوپٹے کا سہارا نا ہوتا تو اس کی دلدوز چیخیں پورے میر لاج کو ہلا کر رکھ دیتیں ۔

اور آج وہ اپنی بے بسی پر رو رہی تھی کہ میر ہادی کے نکاح میں ہونے کے باوجود وہ اس دیوانے کے بارے میں سوچ رہی تھی جو اس کی وجہ سے اپنی زندگی اپنے ہاتھوں سے رائیگاں کر رہا تھا۔

اندر سے فون رنگ ہونے کی آواز سنی تو بمشکل اپنی آہوں سسکیوں پر قابو پاتی اٹھی اور اندر جا کر فون چیک کیا۔ مگر فون پر بلنک کرتا نمبر دیکھ کر دل مزید ڈوب کر ابھرا تھا۔

کانپتے ہاتھوں سے فون یس کر کے کان کو لگایا۔ مگر کچھ بول نا پائی۔

مت روؤ بخت، یہ تمھارے آنسو ابھی بے مول ہیں، جب میں مر جاؤں تو میری لاش پر جی بھر کر ماتم کرنا، لتب شاید تمھارے یہ آنسو رائگاں نا جائیں،،

سامنے والے نے بہت بری طرح اس کا ہر زخم ادھیڑا تھا یا وہ مرحم رکھنے کی کوشش کر رہا تھا مگر مرحم نے نمک کا کام کر دیا تھا جس وہ پہلو بدل کر رہ گئی تھی۔

سیاب،،ایسے مت کہو، میں گھٹ گھٹ کر مر جاؤں گی،، وہ پھر رو دی۔بے اختیاری میں بول تو بیٹھی تھی مگر فوراََ فون بند کر کے آف کر دیا۔

اسے اس کے سامنے تو ہر گز کمزور نہیں ہونا تھا۔

رات بہت بوجھل اور بھیگی بھیگی سی تھی۔ان میں سے شاید کوئی بھی ڈھنگ سے نا سو پایا تھا۔

صبح میر ہادی کے جگانے پر ہی اس کی آنکھ کھلی تھی۔ برائے نام ہی ناشتہ کر پائے تھے وہ۔
پہلے میر ہادی نے بخت اور زارون کو افضل کے ساتھ حویلی روانہ کیا تھا۔ پھر خود بوجھل دل کے ساتھ اپنی فلائیٹ کے لئے نکلا۔

♥♥♥♥♥♥♥♥♥

دو سال بعد-----

زارون لیٹ ہو رہے ہو اب میں تھپڑ لگا دوں گی تمھیں،، لویزا جھنجھلائی۔ وہ پینٹ پہن کر اب لویزا کی دوڑیں لگوا رہا تھا مگر کسی صورت ہاتھ نہیں آ رہا تھا۔

"میں دادا جان تے نمرے میں بھاد جاؤں دا،، زارون نے توتلی زبان میں اطمینان سے کہا۔

ہاں دادا جان اور بڑے دادا جان نے ہی تو سر پر چڑھا رکھا ہے تمھیں، نہیں تو ایک سیکنڈ میں مزاج درست کر دوں،، وہ دانت پیس کر جل کر بولی۔

مگر وہ شرارتی سیکنڈوں میں دادی کے کمرے میں بھاگ چکا تھا۔

لویزا کا دل کیا ماتھا پیٹ لے۔

زارون تین سال اور دو ماہ کا ہو چکا تھا ابھی کچھ دن ہی ہوئے تھے اسے مونٹیسوری بھیجا جانے لگا تھا۔ زارون بے حد زہین بچہ تھا۔ شاید زہانت میں بلکل اپنے پاپا پر گیا تھا۔

لویزا بڑی شان سے بلکل نڈر ہو کر حویلی میں رہی تھی اور اب تک حویلی کی کئ فرسودہ روایات کو مکمل ختم کر چکی تھی۔ بلکہ پرائیویٹ طور پر ہی سہی اپنا گریجویشن بھی مکمل کیا تھا۔

زارون بہت شرارتی ہو گیا تھا۔ اب جب سے مونٹیسوری جانے لگا تھا اکثر سر درد کی شکایت کرتا تھا۔ لویزا کو لگتا کہ وہ نا جانے کے بہانے بنا رہا ہے۔ مگر دو راتوں کو وہ ساری ساری رات روتا رہا تھا۔ پھر جب روتے ہوئے یہ کہا کہ مما میرے سر میں درد ہے سویا نہیں جا رہا تو لویزا کا دل بیٹھ گیا۔ فورا اٹھ کر اسے میڈیسن دی۔

جاتی سردیوں کے بعد موسم کافی مرطوب ہو چکا تھا۔ لویزا ممتاز بیگم کے کمرے میں آئی تو وہ ممتاز بیگم کی گود میں لوٹ رہا تھا۔

دیکھیں نا امی یہ بہت تنگ کرنے لگ گیا ہے، لویزا اسے زبردستی شرٹ پہناتی روہانسی ہوئی۔

اپنے بابا پر گیا ہے وہ بھی شرٹ پہنتے ہوئے یونہی تنگ کرتا تھا،، ممتاز بیگم کے لہجے میں ممتا کی مٹھاس سی تھی اور ترسی آنکھوں میں دنیا جہان کا درد سمٹ آیا کہ لویزا کو اپنی نگاہیں چرانی پڑیں۔

چلو زارون افضل کاکا ہارن پر ہارن دے رہے ہیں، ہری اپ،، لویزا نے جلدی سے اسے شرٹ پہنائی۔

لیزا جانے دو اسے خود ہی چلا جائے گا میرا بچہ تو شیر ہے، ہے ناں، ممتاز بیگم زاروں کے صدقے واری گیئں۔

کدھر امی جان،، باہر جا کر میکس سے کھیلنے لگے گا مجھے پتا ہے، وہ کہتے ہیں ناں اپنے برتن کا پتہ ہوتا ہے تو،، لویزا نے کہا تو زاروں دانت نکالنے لگ پڑا جیسے اس کی تعریف کی گئی ہو۔

لویزا اسے لئے باہر آئی اور افضل کاکا کے ساتھ روانہ کر دیا۔

رانا میر ہاشم اور میر دراب نے تو کافی احتجاج کیا تھا کہ اسے ابھی سے اتنے چھوٹے بچے کو سکول بھیجنے کی کیا تک ہے مگر لویزا نے ہی انھیں یہ بول کر ایگری کر لیا کہ یہ سکول سسٹم نہیں ہوتا۔ جہاں بچوں کو بھارک برکم سلیبس پڑھنا اور لکھنا پڑتا ہے۔ مونٹیسوری سسٹم میں بس بچے کو مختلف ایکٹیوٹیز سکھائی جاتی ہیں اور مینرز، اور ایٹیکیٹس سکھائے جاتے ہیں۔

وہ ضروری کام نمٹا کر اپنے کمرے میں چلی آئی۔ اجالا کی تین ماہ کی گڑیا کی طبیعت خراب تھی۔ فون کر کے اس کی خیریت دریافت کرنی تھی۔ اس نے فون ملایا اور اجالا سے بات کرتی رہی۔

ابھی زارون کو گئے ابھی دو گھنٹے گزرے تھے جب بخت بے تحاشا گبھرائی سی اس کے کمرے میں داخل ہوئی۔

کیا ہوا بخت آپی،،

لویزا، وہ زارون سکول میں بےہوش ہو گیا ہے، پرنسپل نے فون کیا ہے،، بخت کے الفاظ تھے کہ بم جو لویزا کے سر پر پھوٹے تھے۔

فون وہیں پھینک کر وہ باہر کی جانب بھاگی تھی ۔ اتنا بھی ہوش نہیں رہا کہ سر پر شال اوڑھنی ہے یا پاؤں میں جوتا پہننا ہے،، یہ بھی ممتاز بیگم نے بھاگتے دوڑتے اسے پہنائے۔

لویزا ، ممتاز بیگم بختاور مونٹیسوری پہنچے تو زارون پرنسپل کے آفس میں ہی تھا۔ اور اب نڈھال سا ہوش میں تھا۔ پرنسپل نے ڈاکٹر کو جلد ہی بلا لیا تھا۔

کیا ہوا ڈاکٹر میرے بچے کو،، لویزا نے زارون کو گود میں بھرا۔

بچہ کمزور ہے، اس کی صحت کا خیال رکھیں، گھبرانے کی کوئی بات نہیں،،
ڈاکٹر نے کہا تو ان کی جان میں جان آئی۔ اور وہ زاروں کو لیے حویلی واپس آ گئے۔
اس کے بعد سے سب زاروں کا بے تحاشا خیال رکھنے لگے تھے۔۔

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

ضدی ہوں مگر جو تم پکارو تو..
جان حاضِر انا بُھول جاؤں غرور وار دوں

وہ بالکونی میں کھڑا گرم کافی کی تلخیاں اپنے اندر انڈیلتا زاروں کے بارے میں سوچ رہا تھا۔
تین سال ہو چکے تھے اسے یہ بن واس کاٹتے۔ مگر اس ظالم لڑکی کو اس پر ترس نا آیا تھا۔

امریکہ میں مسلم کمیونٹی میں رہتے آس پاس کے سبھی لوگوں سے اچھی خاصی جان پہچان ہو گئی تھی۔

یہاں بیٹھ کر وہ وہاں کے تمام حالات سے باخبر تھا۔ یہ بھی جانتا تھا کہ زمرد اس کا سب کچھ ہتھیانے کے چکروں میں سیاست میں اس کے باپ دادا کی ساکھ بری طرح خراب کر رہا تھا۔

ان دو سالوں میں بھی وہ دو بار زارون کی برتھ ڈے پر اس سے ملنے گیا تھا۔ اب تو وہ بھی اپنے بابا کے پاس آنے کا تقاضا کرنے لگا تھا۔ اور اب تو بہت ہی زیادہ ضد بھی کرنے لگا تھا۔ مگر میر ہادی بڑی خوبصورتی سے اسے اور اب تک ان سب کو ٹالتا آیا تھا۔ مگر ممتاز بیگم سب کچھ جانتی تھیں کہ وہ کیوں ان سب سے دور اپنی اولاد سے دور سمندروں پار بیٹھا ہے۔

ابھی فی الحال اسے جس چیز نے پریشان کر رکھا تھا وہ زارون کی مسلسل بگڑتی طبیعت ہی تھی۔ بس نہیں چلتا تھا اڑ کر اپنے بیٹے کے پاس پہنچ جائے مگر، جانے کیوں دل بے چین سا تھا ان دنوں ۔ بے تحاشا بے چین اور بے سکون۔

ایک دھڑکہ سا لگا ہوا تھا

ایک خدشہ

جیسے کوئی بچھڑنے والا ہے جیسے کوئی بہت اپنا تکلیف میں ہو۔

پھر یوں ہوا کہ اس کے تمام دھڑکے تمام خدشے سچ ثابت ہو گئے۔

ایک ایسی خبر سننے کو ملی تھی کہ کلیجہ منہ کو آگیا تھا۔

وفا کی لاج میں اس کو منا لیتے تو اچھا تھا

انا کی جنگ میں اکثر جدائی جیت جاتی ہے---

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

لویزا کچن میں زارون کے لئے اس کی فرمائش پر ڈونٹس بنا رہی تھی۔ ممتاز بیگم اور اماں سائیں لاؤنج میں بیٹھیں تھیں۔ بخت امں سائیں کے سر میں سرسوں کے تیل کی مالش کر رہی تھی۔

میر ہاشم اور میر دراب اپنی پارٹی کے سلسلے میں لاہور گئے ہوئے تھے۔

زارون پچھلے لان میں افضل اور میکس کے ساتھ کھیل رہا تھا۔
جب کھیلتے کھیلتے ایک دلدوز سی چیخ کے ساتھ وہ بے ہوش ہو کر نیچے گر گیا۔ افضل بری طرح گھبرایا۔
اور جا کر اندر اطلاع دی۔ ممتاز بیگم، اماں سائیں اور بخت بھی گھبرا گئیں تھیں۔ لویزا سب کچھ چھوڑ چھاڑ باہر کی جانب بھاگی۔ اور زارون کے قریب بیٹھ کر اس گود میں اٹھایا۔
زارون،،، زارون،، پلیز ٹاک ٹو می، زارون،، گاڑی نکالیئے افضل کاکا، زارون کو ہاسپٹل لے کر جانا ہے،،
زارون جب ہوش میں نہیں آیا تو لویزا نے چلا کر افضل کو کہا۔ افضل سر ہلاتا بیرونی جانب گیا۔ لویزا نے زارون کو گود میں اٹھایا۔ بخت نے میر دارب لوگوں کو اطلاع دی۔
ممتاز بیگم، بخت اور لویزا اسے لئے ہاسپٹل آئیں تھیں۔

لویزا نے رو رو کر اپنا برا حال کر لیا تھا۔ کافی دیر سے زارون ایمرجنسی روم میں تھا اور اس کے کافی سارے ٹیسٹ کیے جا رہے تھے۔ اس کی پچھلے دنوں کی سچویشن کے مطابق اس کا سٹی سکین بھی کیا گیا تھا۔

وہ تینوں زیر لب دعائیں مانگ رہیں تھیں۔

کافی گھنٹے بیت چکے تھے۔

میر ہادی مسلسل ممتاز بیگم سے ٹچ میں تھا۔ اور ادھر ہی ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہا تھا۔

ڈاکٹرز بھی تو کچھ بھی ڈھنگ سے نہیں بتا رہے تھے۔ ہاں مگر ان کے چہروں پر ہوائیاں ضرور اڑیں تھیں۔

رات تک رانا میر ہاشم اور رانا میر دراب بھی ہاسپٹل پہنچ چکے تھے۔ اور ان کے آنے سے ہاسپٹل میں غیر معمولی سی افراتفری پھیل چکی تھی۔

ڈاکٹر ایمرجنسی روم سے باہر نکلے تھے۔

اور ان کے قریب آئے۔

ڈاکٹر اب آپ لوگ کچھ بتائیں گے بھی کہ نہیں کہ میرے پوتے کو آخر ہوا کیا ہے،،
میرا دراب نے رعب دار آواز میں جھنجھلا کر پوچھا۔
رانا صاحب،، بچے کی باقی رپورٹس تو بلکل نارمل ہیں اور وہ میڈیسنز کے زیر اثر پرسکون نیند سو رہا ہے مگر،، ڈاکٹر فاروق جھجھکے۔
مگر،؟ مگر کیا ڈاکٹر صاحب بتائیے مجھے،،؟ لویزا بے چین سی ہو کر سامنے آئی۔
ڈاکٹر فاروق جھجھکتے ہوئے کئی لمحے تو بول بھی نہیں پایا تھا۔
وہ رانا صاحب، بچے کو برین ٹیومر ہے،، جو کہ ہے تو ابتدائی اسٹیج پر مگر،،
خبر تھی یا پگھلا ہوا سیسہ جو کہ لویزا کے کانوں میں انڈیلا گیا تھا اس سے پہلے ڈاکٹر اپنی بات پوری کر پاتا لویزا ہوش وخرد سے بیگانہ ہو کر فرش پر جھٹکے سے گری تھی۔
ارے بہو،، ممتاز بیگم لویزا کی جانب لپکی۔ ڈاکٹر بھی گھبرا گیا۔ ممتاز بیگم اور بخت بلند آواز میں رونے لگیں تھیں۔
اتنی اچانک یہ سب کیا ہو گیا تھا۔ لویزا کو جنرل روم میں لے جا کر ٹریٹمنٹ دی گئی تھی۔ بی پی بری طرح لو ہوا تھا اس کا۔ شاید مزید صدمے برداشت کرنے کی سکت نہیں تھی اس کی چھوٹی سی جان میں تبھی غم سے یوں نڈھال ہوئی تھی۔

ڈاکٹرز نے اسے بھی سکون آور انجیکشن دے دیا تھا۔

رانا میر ہادی پر یہ خبر بجلی بن کر گری تھی۔ تبھی یوں تڑپ تڑپ کر رویا تھا۔
مگر بدقسمتی سے اب بھی
اب بھی اپنے وعدے، اپنی قسم کا پابند تھا۔ اور اس انتظار میں ہی تھا کہ شاید اس
بے رحم، ظالم لڑکی کو ایک شوہر پر نا سہی ایک باپ پر ہی ترس آ جائے۔

تمھیں نہیں ہے میری شدتوں کا اندازہ
کسی بھی سمت سے مجھ کو زرا پکار کے دیکھ

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

رات گہری ہو چکی تھی۔ آج رات کو زاورن کو انڈر آبزرویشن ہی رکھا جانے والا تھا۔

بخت ، رانا میر ہاشم بمشکل ہی گھر واپس گئے تھے۔ جبکہ رانا میر دراب ، ممتاز بیگم اور افضل ہاسپٹل ہی رکے ہوئے تھے۔

ممتاز بیگم لویزا کے سرہانے بیٹھیں تھیں جب ان کا فون رنگ ہوا۔ نمبر دیکھا تو میر ہادی کا تھا بوجھل دل سے فون یس کر کے کان کو لگایا۔

میر ہادی خدا کے لئے لوٹ آؤ واپس، تمھارے بچے کو تمھاری بیوی کو تمھاری ضرورت ہے،

ممتاز بیگم نے چھوٹتے ہی اس کے زخم ہرے کیے۔

امی سائیں، اپنی بہو کو کہیں بس ایک مرتبہ، ایک مرتبہ مجھے اس وعدہ اس قسم سے ازنِ رہائی دے دے، خدا کے لئے اب تو مجھے ترس کھا لے،

میر ہادی آنسو پیتا بوجھل لہجے میں بولا تو ممتاز بیگم پھوٹ پھوٹ کر رو دیں۔

وہ خود کہاں ہوش میں ہے میر ہادی، بچے کی تکلیف کے صدمے نے ایک ماں کو بھی توڑ دیا ہے،، ممتاز بیگم نے کہا تو میر ہادی کے رہے سہے حوصلے بھی جواب دینے لگے تبھی بے طرح بے چین ہو کر فون جان بوجھ کر بند کیا تھا۔

ممتاز بیگم بے آواز آنسو بہانے لگیں۔

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

لویزا حویلی کے کچن میں زارون کے لئے دودھ بنا رہی تھی جب کشادہ کھڑکی میں سے دودھ بناتے اس نے باہر حویلی کے لان میں دیکھا۔ بہت ہی خوبصورت ہرا بھرا منظر تھا۔ مگر لان کے بیچوں بیچ ایک چارپائی رکھی تھی اور اس پر ایک نومولود بچہ سفید بچھائی میں لپٹا رو رہا تھا۔ اس کے رونے کی آواز نے لویزا کو بے چین کیا۔

وہ باہر آ کر اس بچے کو اٹھانا ہی چاہتی تھی کہ تبھی ایک چیل آئی اور بچے کو اٹھا کر دور آسمانوں میں اڑ گئی۔

نہیں،،، واپس لاؤ اسے،، میر ہادی کوئی ہے، بچے کو واپس لاؤ، وہ لے گئے بچے کو،، لویزا کی دلدوز چیخوں سے پوری حویلی گونج اٹھی تھی۔ وہ دیوانوں کی طرح حویلی میں بھاگ رہے تھی، چیخ چیخ کر رو رو کر گلا بھی بیٹھ چکا تھا۔

ممتاز بیگم بے تحاشا چونکیں تھیں۔ تہجد کا وقت تھا رات کے تین بجے تھے۔ اور لویزا کی دبی دبی چیخیں اور بڑبڑاہٹ ہاسپٹل کے کمرے میں گونج رہی تھی۔

واپس لاؤ اسے،، میر ہادی، میرا بچہ واپس لاؤ،،،،

وہ شاید کسی بہت ہی بھیانک اور ڈراؤنے خواب کے زیر اثر تھی تبھی پسینے میں سر تا پا نہائی پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔

لویزا،، لیزا،، ممتاز بیگم نے اسے کندھوں سے تھام کر جھنجھوڑا تو وہ نیند سے بیدار ہوئی۔

کافی دیر بعد کچھ سوچنے سمجھنے کے قابل ہوئی تو ممتاز بیگم کے سینے سے لگ کر پھر بری طرح رو دی تھی۔

امی میرا بچہ، مجھ سے دور تو نہیں جائے گا ناں،، امی میرا زارون،، وہ رو ئے گئی۔

اس ماں سے کیا پوچھتی ہو بیٹی جس کا بچہ خود اس سے دور ہو،، ممتاز بیگم نے اس پر نا طنز کیا تھا نا کوئی طعنہ دیا تھا اپنی تکلیف ضرور بیان کی تھی۔

لویزا کو اتنا اشارہ ہی کافی تھا۔ ممتاز بیگم اس سے الگ ہو کر اپنے آنسو چھپاتی باہر گئیں تھیں۔

لویزا نے کانپتے ہاتھوں سے تین سال بعد اس کا نمبر ملایا تھا۔ جو کہ آدھی بیل پر ہی رسیو کر لیا گیا۔ مگر سامنے شکوہ بھری خاموشی تھی۔

مم،، میر ہادی،، واپس آ جائیں،، لویزا نے کہا اور پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ ادھر وہ جو سالوں سے ہی اپنا بیگ پیک کیے بیٹھا تھا اس تین سیکنڈ کی فون کال کے انتظار میں جھٹکے سے اپنی جگہ سے اٹھا تھا۔

وہ شاید ہچکیوں پر قابو نا پا سکی تھی تبھی فون کٹ چکا تھا۔

مگر میر ہادی کو اب جلد از جلد پاکستان پہنچنا تھا۔

بہت زیادہ جلد،

♡♡♡♡♡♡♡♡

ہیے میرا بے بی،،، کیسا ہے،، لویزا نے زارون کا ماتھا چوم کر بیڈ پر بیٹھ کر اس کے ننھے گداز ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھامے۔

آج اسے ایڈمٹ ہوئے تیسرا دن تھا۔ وہ کافی کمزور بھی تھا تبھی اس کی ٹریٹمنٹ جاری تھی۔

ائم فائن مما،، وائی آر یو ترائنگ ،،؟ زاورن کو لویزا کے مسلسل آنسو بہانے سے حیرت ہوئی۔

نو،، آئم ناٹ کرائنگ مائی بے بی،، میں نہیں رو رہی،، لویزا نے جلدی سے اپنے آنسو صاف کیے۔

مما مجھے کا ہوا ہے،، ہم گھر کوں نہیں جارہے،، زاورن نے معصومیت سے پوچھا۔

میرے بریو بے بی کو ہلکا سا ٹمپریچر ہوا ہے، بس جب ٹھیک ہو جائے گا تو ہم گھر چلے جائیں گے اینڈ یو نو واٹ زاورن بے بی کے لئے مما کے پاس ایک بگ سرپرائز ہے،، لویزا مسکرائی تو زاورن کی آنکھیں چمک اٹھیں۔

واٹ مما،،،

نو بتا دیا تو سرپرائز کیسا،، لویزا نے زاورن کی چھوٹی سی ناک دبائی تو اس نے برا سا کیوٹ سا منہ بنایا۔

پھر لویزا نے زارون کو گود میں بھرا اور سٹوری سناتی رہی وہ جلد ہی پھر سے گہری نیند سو گیا۔

لویزا اپنی آنکھیں صاف کرتی روم سے باہر آئی تھی۔ ممتاز بیگم کی بھی صدمے سے طبیعت خراب ہو گئی تھی تبھی میر داراب انھیں گھر لے جا چکے تھے۔ اب لویزا عالی، اجالا، میر داراب اور بخت تھے ہاسپٹل میں۔

وہ باہر آئی تو ایک خوشگوار حیرت ہوئی تھی۔ کافی سالوں بعد ظفر اور ممتاز بیگم (لویزا کی پھپھو) اس کے سامنے کھڑی تھیں۔ ایک اور لڑکی بھی ساتھ تھی ۔ جس کی گود میں تقریبا ڈیڑھ سال کا بچہ تھا جو یقینا نوین ظفر کی بیوی تھی۔

وہ کافی دیر پھپھو کے گلے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر روتی اپنا غم غلط کرتی رہی۔ پھر نوین اور اس چھوٹے سے کیوٹو سے بھی ملی جو اپنی گول گول آنکھوں سے لویزا کو حیرت سے دیکھ رہا تھا۔ نوین بھی اسے دیکھ مسکرائی۔

ویسے تو ہمیں تمھیں ملنے سے بہت سختی سے منع کیا گیا تھا اسی لئے اتنے سال تم سے رابطہ کرنے کی کوشش نہیں کی کہ ہم غریب اتنے بڑے لوگوں سے الجھنے کے قابل نہیں تھے مگر ایک ضعوری بات تھی جو میں اور ظفر تمھیں بتانا چاہتے تھے جس سن کر

شاید تمھاری زندگی کے اتنے قیمتی سال اتنی اذیت میں نا گزرتے،، ممتاز بیگم نے کہا تو لویزا نے اذیت سے اپنے لب کاٹے جبکہ عالی نے بری طرح نگاہیں چرائیں۔

مگر اب تمھارے بچے کی طبیعت کا سنا تو خود کو روک نہیں پائے، کیسی طبیعت ہے اب ہمارے بچے کی، ممتاز بیگم نے نم آنکھوں سے اس سے پوچھا۔

وہ ٹھیک نہیں ہے پھپھو،، میں کیا کروں کے وہ بلکل ٹھیک ہو جائے،، لویزا نے اپنی کنپٹیاں سہلاتے رندھی آواز میں کہا۔

زارون کے بابا کہاں ہیں لویزا وہ دکھائی نہیں دے رہا،، ممتاز بیگم نے پوچھا تو لویزا نے نگاہیں چرائیں۔

وہ امریکہ میں ہیں پھپھو، ہمارے ساتھ نہیں رہتے،، لویزا بمشکل ہی بول پائی۔ اس کے مبہم الفاظ کچھ ڈھکی کچھ چھپی بات ممتاز بیگم کو بہت کچھ باور کروا گئی تھی۔

لویزا، افسوس کے ساتھ تمھیں بتاتی چلوں کہ تم نے اتنے سال اپنے شوہر کو اس گناہ کی سزا دی جو اس نے کیا ہی نہیں، لویزا تمھارے بابا نے خود کشی نہیں کی تھی بلکہ ان کی تو میجر ہارٹ اٹیک سے موت ہوئی تھی،،

لویزا پھٹی پھٹی نگاہوں سے ممتاز بیگم کو دیکھتی رہیں اور وہ ان سب کو اس تلخ حقیقت سے آگاہ کرتیں رہیں جس نے ان کی زندگی بکھیر کر رکھ دی تھی۔

مجھے افسوس تو اس بات کا ہے لویزا کہ کیا تم اپنے بابا کو جانتی نہیں تھی؟ کیا وہ اتنے کمزور تھے، کہ خود کشی جیسا قبیح عمل کر گزرتے یا تمھیں ایسا لگا کہ انھیں تم پر بھروسہ نہیں تھا، کیا سوچ کر تم اتنے سال اس غلط فہمی میں جیتی رہیں کہ تمھارے بابا نے خود کشی ہے،، ممتاز بیگم کے لہجے میں افسوس بھی تھا اور دکھ بھی۔

اور لویزا تو سر جھکائے خالی الزہنی کے ساتھ یوں اپنی ہتھیلیوں کو گھور رہی تھی جیسے پاگل ہو جائے گی۔ لویزا کو تو اس وقت دل سورج کی طرح سینے میں ڈوبتا محسوس ہو رہا تھا۔

اس کا دل کیا دیواروں سے سر پھوڑے اور مر ہی جائے ۔ وہ خود کو سنبھال نہیں پا رہی تھی۔

تبھی بے تحاشا سہتے ہوش و خرد سے بیگانہ ہو کر ممتاز بیگم کی گود میں ہی گر گئی تھی۔ شدید قسم کا نروس بریک ڈاؤن ہوا تھا۔

لویزا ،، لیزا،، اجالا، ممتاز بیگم اور بخت اس کے اوپر جھکی ہوئی تھیں۔ نوین اس کے ہاتھ سہلا رہی تھی۔

تبھی کوریڈور سے آتی بھاری بوٹوں کی دھمک سے سب آنے والے کی جانب متوجہ ہوئے تھے۔

ہمیشہ کی طرح بلیک پینٹ کورٹ میں بکھرے سے بالوں اور ہلکی بئیرڈ کے ساتھ بے حد خوبرو اور ہینڈسم رانا میر ہادی تیزی سے اندر داخل ہو کر سب کے دل دھڑکا گیا تھا۔ آتے ساتھ ہی جو سب سے پہلا منظر نگاہوں نے دیکھا تھا اس سے دل کو بری طرح دھچکا سا لگا تھا۔ فوراً آگے بڑھ کر اسے بڑے حق سے اپنے بازوؤں میں اٹھایا۔

جلدی سے اسے ایمرجنسی لے کر جایا گیا تھا۔

بیڈ پر لٹاتے میر ہادی نے وہ صبیح چہرہ بغور دیکھا جو اب گلاب کی طرح مرجھایا اور پژمردہ سا لگ رہا تھا۔

نمٹ لوں گا ایلو جان تم سے،، زرا سا جھک کر اس کے کان میں بولا اور روم سے باہر نکل گیا۔

ڈاکٹرز نے ٹریٹمنٹ جاری کی گئی تھی۔

ڈاکٹرز نے جب بتایا کہ اس کا نروس بریک ڈاؤن ہوا ہے تو رانا میر ہادی کے دل نے پسلیوں سے سر پٹخا تھا۔ وہ پھر زارون کے عوام میں گیا جہاں وہ میٹھی نیند سو رہا تھا۔ جھک کر ماتھے پر نرمی سے بوسہ دیا۔ اور ابھی وہ ڈسٹرب نا ہو تبھی باہر چلا آیا۔

وہ باہر ان سب سے سلام دعا کر کہ ادھر ہی بینچ پر بیٹھ گیا تھا۔

کیسے ہو بیٹا،، ممتاز بیگم نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

ٹھیک،، آپ سنائیں آنٹی، ایک تیکھی نظر پاس کھڑے شخص پر ڈالی مگر اس کے پیروں میں کھڑے بچے نے اسے مخاطب کیا۔

پاپا،،

حیدر، کیا بات ہے بیٹا،نوین دیکھو اسے شاید بھوک لگی ہے،، ظفر اپنے بیٹے کو گود میں اٹھا کر رانا میر ہادی کے قریب ہی بینچ پر بیٹھ گیا اور نوین کے ہاتھ سے فیڈر تھام کر جو کہ اس نے اپنے بیگ میں سے نکال کر اسے تھمایا تھا حیدر کے منہ میں ڈال دیا۔

یہ میرا بیٹا ہے،،

میر ہادی جو کہ حیرت سے ظفر کو دیکھ رہا تھا ظفر نے سادگی سے ہادی کو بتایا۔

میں اپنے سابقہ رویے کی معافی مانگنا چاہتا تھا آپ سے، میں نے بہت کوشش کی کہ لویزا میر ہادی کو سچائی بتا کر اپنے ضمیر کا بوجھ ہلکا کر لوں، اس دن شاپنگ مال میں، میں اسے یہی سچائی بتانے والا تھا مگر،،

وہ میر ہادی کا شرمندہ سا چہرہ دیکھ بات ادھوری چھوڑ گیا۔

ائم سوری،، میر ہادی نے کہنا چاہا۔

نہیں،، بلکہ ائم سوری، کہ ایک شوہر اور بیوی میں جدائی ڈالنے کا کام شیطان کا ہوتا ہے اور میں نے وہی کیا، شروع دن سے اگر اسے سچائی بتا دیتا تو شاید نوبت یہاں تک نا پہنچتی،،

وہ دونوں آج دل کھول کر بولے گئے۔ جبکہ باقی سب حیرت سے ان کی باتیں سنتے رہے۔

رانا میر ہادی جو ڈائریکٹ ہاسپٹل چلا آیا تھا۔ اب تمام حویلی والے اس کے آنے کا سن کر ہاسپٹل چلے آئے تھے۔ ممتاز بیگم اور اماں سائیں کافی دیر اس کے سینے سے لگے آنسو بہاتے رہے۔

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

زارون نیند سے جاگا تھا اور اپنے سامنے میر ہادی کو مسکراتے بیٹھے دیکھ وہ اچھل کر اپنی جگہ سے اٹھا تھا۔

بابا،،، زارون سر خوشی میں میر ہادی سے لپٹا تھا۔ میر ہادی کی آنکھیں نم ہو گئیں تھیں۔

ہیے چیمپ،،، کیسے ہو یار،، میر ہادی نے بھی اسے سینے میں بھینچا۔

ییییےےےے،،،، تبھی مما بول رہی تھیں زارون میر ہادی کے لئے شلپلائز ہے،،،
زارون نے میر ہادی کا منہ چوما ۔ وہ گہرا مسکرایا۔
رائٹ، تو کیسا لگا، رانا زارون میر ہادی کو مما کا یہ سرپرائز،، میر ہادی نے اس کے گھنے سیاہ بال بگاڑتے پوچھا۔
بہتتتتتتتتتتتت اچھا،،،،زارون اس کی گردن میں جھول گیا۔
بٹ بابا، یو نو واٹ، مما مجھے گھر واپش نہیں لے جا رہیں، یہاں بہت ڈرٹی ہے، مجھے گھر جانا ہے،، زارون نے برا سا منہ بنایا۔
ڈن،، بابا آج ہی زارون کو گھر واپس لے جائیں گے،

شیچی ،، زارون نے زور زور سے کلیپنگ کرنی شروع کر دی۔ میر ہادی نے ہنس پڑا۔۔ اور اسے گود میں اٹھا کر باہر لایا۔

یہ لو چیمپ دادا جان کے ساتھ گھر چلو میں مما کو لے کر آتا ہوں،، میر ہادی نے زاورن کو میر ہاشم کی گود میں تھمایا۔ آج اتنے دنوں کے بعد سب کے چہرے خوشی سے کھلے ہوئے تھے۔۔

ممتاز بیگم، ظفر اور نوین سب سے مل کر جا چکے تھے۔

جب ہادی نے زاورن اورلویزا کے ڈسچارج کی خبر سنائی تھی سب کے چہرے خوشی سے کھل اٹھے تھے۔

اجالا کی گڑیا نور رونے لگی تو وہ اور عالی بھی دوبارہ حویلی آنے کا بول کر گھر لوٹ گئے۔

وہ سب زاورن کو لے کر حویلی کے لئے نکلے۔

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

میر ہادی ڈاکٹر سے بات کرتا روم میں داخل ہوا جہاں لویزا دواؤں کے زیر اثر گہری نیند میں تھی۔

کافی ویک ہیں آپ کی مسز اور لگتا ہے کچھ دن سے ڈائیٹ کا بھی سہی طرح سے خیال نہیں رکھ رہیں تھیں، شدید ڈیپریشن اور سٹریس لیا ہے انھوں نے بے بی کا، آپ ان کا خیال رکھیے گا، اگر لے کر جانا چاہتے ہیں تو لے جائیے، مگر کل بھی ایک ڈرپ لگوا لیجئے گا، ابھی ہم کینولہ لگا رہنے دیجئے، کل اتار دیں گے،،

ڈاکٹر ڈیٹلز بتا کر باہر جا چکا تھا۔

وہ آہستگی سے چلتا اس دشمنِ جاں کے قریب آیا۔

وہ اچھی طرح جانتا تھا اسے کس چیز کا ڈپریشن ہوا تھا۔ اسی لئے تو سچائی سے بے خبر رکھا تھا اسے، چاہتا تو بہت پہلے اسے کسی بھی زریعے سے بتا کر حقیقت سے روشناس کروا سکتا تھا۔ مگر ایسا نہیں کیا جانتا جو تھا کہ اس کی چھوٹی سی جان یہ سچائی برداشت نہیں کر پائے گی۔ خود دن رات پل پل تکلیف جھیلی، محبت کے حصے میں آیا ہر غم بڑی شان سے برداشت کیا تھا تاکہ اسے کوئی احساس ندامت نا ہو۔ مگر اب تو اسے سچائی معلوم ہو چکی تھی۔ کچھ زارون کی وجہ سے وہ بری طرح ٹوٹ کر بکھری تھی۔

میر ہادی نے قریب آ کر اسے بانہوں میں بھرا۔ اتنے عرصے بعد وہ دل آویز، دلفریب مہکتا پر لطف لمس روح تک میں اتارنے کو ملا تھا۔ میر ہادی کی رگ و پہ میں ایک سکون و سرور سا دوڑ چلا تھا۔ لا کر گاڑی میں نرمی سے لٹایا۔
کود ڈرائیونگ کر کے حویلی تک لایا۔

حویلی کے پچھلے لان میں گاڑی لا کر کھڑی کی۔ اور پھر اسے بازوؤں میں بھر کر اندر کی جانب بڑھا۔ ابھی جب اس کے قریب تھا۔ اسے اپنے سامنے اپنے قریب محسوس کرنا چاہتا تھا تو کسی کی مداخلت ہر گز نہیں برداشت کر سکتا تھا۔ تبھی پچھلی جانب سے اسے روم میں لا کر نرمی سے بیڈ پر لٹایا تھا۔ اور خود اس کے دائیں بائیں ہاتھ رکھ اسے بغور دیکھا۔
بس اب رانا میر ہادی تھا اور اس دیوانے کی ایلوویرا جان،،
بہت ہی کڑوی ہو یار، تمھارے عشق کی اس کڑواہٹ نے میری رگ رگ میں زہر بھر کر مجھے کسی قابل نہیں چھوڑا ہے،، دیکھو کیسا تڑپتا پھر رہا ہے یہ دیوانہ،
میر ہادی نے بکھرے سے بال چہرے سے ہٹائے۔

وہ کافی دیر اپنی دید کی پیاس بجھاتا رہا تھا۔

جب بے حد برداشت کرتے ہمیشہ کی طرح اپنی محبت اپنی دیوانگی کو اپنے سامنے پا کر خود پر سے ضبط کھوتا بہت بے اختیار ہو کر اس کے ملیح چہرے پر جھکا تھا۔

ماتھے پر محبت کی مہر ثبت کی ۔ پھر ھداز گالوں پر تشنہ لب رکھے۔

حلق میں انگارے اور کانٹے سے اگ آئے تھے۔ تبھی اس کی گردن میں ہاتھ ڈال کر نرمی سے جھک کر اس کے نوم لبوں کو اپنی پاگل گرفت میں لیا تھا۔

اتنے عرصے بعد اس قرب نے اس کی آنکھیں نم کر دی تھیں جب خود کو سیراب کرتے دو آنسو ٹوٹ کر لویزا کے چہرے پر گرے تھے۔

اتنی گہری نیند میں بھی اس نے یہ لمس اپنی روح میں اترتا محسوس کیا تھا شاید یا شاید ان آنسوؤں نے اسے بے چین کیا تھا تبھی وہ ہلکا سا کسمسائی تھی۔

میر ہادی اپنے جزباتوں کے طوفان پر بند باندھتا نرمی مگر تیزی سے پیچھے ہٹا تھا۔ اس پر کمفرٹر درست کیا۔ اپنے بیگ میں سے (جو کہ افضل نے اس کے روم میں پہنچا دیا تھا) اپنا آرام دہ سوٹ نکال کر فریش ہونے یا خود کو ریلیکس کرنے واشروم گیا تھا۔

لویزا کسمسا کر اٹھی تھی۔ بے اختیار ہی سیدھے ہاتھ کے انگوٹھے سے اپنے لب سہلائے۔ زرا ہوش ٹھکانے آئے تو خود کو اپنے ہی روم میں پا کر اور سب سے بڑھ کر اپنے لبوں پر اس پاگل لمس اس دیوانگی سے بھرپور چھووّن کو پا کر وہ بے یقین سی تھی۔آنکھیں حیرت سے پھیل چکیں تھیں۔

نہیں میرا وہم ہوگا، ای،،، ایسے کیسے ہو سکتا ہے،، دماغ نے دہائی دی۔

اچھا اور جو سانسوں سے اس کی سانسوں کی خوشبو آرہی ہے اور اس لمس کہ حدت جو ابھی تک ان لبوں پر موجود ہے وہ کیا ہے،،؟ دل نے پوچھا۔ وہ جھنجھلا کر تکیے پر نیم دراز ہوئی۔ کہ تبھی واش روم کا دروازہ کھول کر وہ ٹاول سے بال رگڑتا باہر نکلا تھا۔

لویزا بے یقینی سے اسے دیکھے گئی جیسے یہ اس کا تصور اور خیال ہو۔ وہ ڈریسنگ کے سامنے کھڑا اس کی یہ بے یقینی والی کیفیت اچھی طرح سمجھ چکا تھا۔ مگر اپنے کام میں مصروف رہا۔ تبھی حویلی کی اندرونی جانب والا ڈور کھول کر زارون اندر داخل ہوا تھا۔

بابا جانی،، وہ بھاگ کر آکر میر ہادی سے لپٹا تھا۔میر ہادی نے برش رکھ کر اسے گود میں بھر کر خود میں بھینچا۔

لویزا کو حیرت کا ایک اور جھٹکا لگا۔ اور اب جب میر ہادی نے مسلسل اسے خود کو تکتے پا کر اس کی آنکھوں میں جھانکا تھا تو لویزا نے گڑبڑا کر نگاہ پھیری تھی۔

لویزا یونہی بے جان سی بیڈ پر نیم دراز تھی۔ ہلنے کی کوشش بھی نہیں کی تھی۔
وہ نہیں جانتی تھی کہ رانا میر ہادی ان لوگوں کو ہاسپٹل سے کیوں واپس لایا۔ ڈاکٹرز نے زارون کے متعلق کیا کہا۔ اس کا آگے علاج کیسے ہوگا۔
ہاں مگر اس کے آنے سے یوں ہوا تھا جیسے سب کچھ ٹھیک ہو گیا ہے۔ ہر چیز اپنی جگہ پر واپس آ گئی تھی۔۔
ہر غم، فکر مصیبت پریشانی دور ہو گئی تھی۔

لویزا نے نروٹھے پن سے بیٹے کو گھوری سے نوازا جو اپنے بابا کی موجودگی میں اسے زرا کم ہی لفٹ کروا رہا تھا۔ وہ میر ہادی سے باتوں میں اس قدر مگن تھا کہ ایک مرتبہ بھی جیسے اپنی ماں کا خیال نہیں آیا تھا حالانکہ اس کے ہاتھ پہ کینولہ بھی لگا ہوا تھا۔

عام ، پہلے جیسے دن ہوتے تو زاروں اس کا دماغ کھا جاتا یہ پوچھ پوچھ کر کے اسے کیا ہوا ہے وہ لیٹی کیوں ہے، ہاتھ پر کیا لگا ہے؟

مگر وہ اس کی جانب متوجہ ہوتا تب ناں۔

اور یہ بات لویزا کو ہضم نہیں ہو رہی تھی۔

بابا آپ مجھے اور مما کو گھمانے لے جائیں گے ناں،، زاروں کا فرمائشی پروگرام جاری ہوا۔

میر ہادی نے اسے گود میں اٹھایا ہوا تھا کن اکھیوں سے اس دشمنِ جاں کو دیکھا۔ جو بیٹھی بری طرح اپنے لب کاٹ رہی تھی۔

چلو چیمپ، آپ دادو کے پاس جاؤ، میں آتا ہوں،، ویسے بھی مما کی طبیعت ٹھیک نہیں تو وہ ریسٹ کریں گی،، میر ہادی نے کہا تو زاروں چونکا۔

مما آپ کو کیا ہوا ہے،؟ فائنلی اسے خیال آ ہی گیا۔

شکر ہے میرے بیٹے کو مما کا خیال آگیا،، لویزا نے جھنجھلا کر کہا ۔ زاروں تو ہونق سا بنا کھڑا رہا جبکہ میر ہادی نے چہرہ جھکا کر اپنی مسکراہٹ لبوں تلے دبائی تھی۔

مما واقعی آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں یو نیڈ ریشٹ،، زارون کہتا اس کے گال تھپتھپا کر اس کی بات سنے بغیر ہی باہر بھاگ گیا۔ وہ جھلائی۔

کیسی ہو،،؟ میر ہادی نے ہی بات کا آغاز کیا تین سالوں نے جیسے اجنبیت کی دیوار سی کھڑی کر تھی ان دونوں کے بیچ۔

ٹھیک ہوں،، مختصر سا جواب دیا۔ لویزا سمجھ نہیں پا رہی تھی کیسے ری ایکٹ کرے۔

ایک تو اسے اس بات کی سزا تھی جو گناہ اس نے کیا ہی نہیں تھا مگر پھر بھی مجرم تو وہ تھا

اس کا آخری دنوں کا رویہ وہ اب تک ہر گز بھول نہیں پائی تھی اور نا ہی بھولنے کے موڈ میں تھی--

جبکہ وہ سامنے کھڑا حسب عادت اپنی پشت پہ اپنے ہاتھ باندھے، بغور اس کے چہرے کے ایک ایک اتار چڑھاؤ کا جائزہ لے رہا تھا۔

آپ نے مجھے،،، لویزا کی کہتے کہتے زبان لڑکھڑائی۔ میر ہادی نے بمشکل اپنی مسکراہٹ روک رکھی تھی۔

کیا میں نے تمھیں،،، میر ہادی کا لہجہ معنی خیز تھا، اچھی طرح سمجھ چکا تھا کہ وہ کیا پوچھنا چاہتی ہے ابھی ابھی جو کچھ دیر پہلے اس نے کارگزاری کی تھی اس کے بارے میں پوچھنا چاہتی ہے مگر میر ہادی بلکل انجان بن گیا۔

کچھ نہیں،، وہ جھلائی اور کمفرٹر میں منہ دے لیا۔

میر ہادی کھل کر مسکرایا۔ ایک گہری نگاہ اس پر ڈالی اور باہر نکل آیا۔

اب کی بار تہیہ کر کے لوٹا تھا کہ خود کو اس پر مسلط نہیں کرے گا، کوئی زور زبردستی نہیں کوئی کھینچا تانی نہیں ۔ اسے مکمل اس کی رضا سے حاصل کر گا۔ہر وہ کام کرے گا جس میں اس کی خوشی ہوگی۔ سکون ہوگا آسودگی ہوگی۔

جب وہ خود اپنے آپ کو اپنی مکمل رضا مندی سے اس کے سپرد کرے گی تب ہی اس کے قریب جائے گا ۔ نہیں تو نہیں ۔

بلکل بھی نہیں۔

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

وہ اپنی ہی سوچوں میں ڈوبا اپنے دوسرے روم میں آیا تو وہاں بخت کو دیکھ کر حیران پریشان ہو رہ گیا۔

تم یہاں کیا کر رہی ہو بختاور،، میر ہادی نے سنجیدگی سے پوچھا۔ سامنے وہ گنگ سی کھڑی کافی دیر کچھ بول ہی نا پائی تھی۔

او پلیز،،،، اب یہ مت کہنا کہ میرے ڈائیورس دینے کے باوجود تم اتنی ہمت نہیں کر پائی کہ سب کو یہ بتا دو کہ میں تمھیں ایک سال پہلے ہی ڈائیورس دے چکا ہوں اور ابھی تک تم جیسی بزدل اور کم ہمت نے اس بیچارے کو انتظار کی سولی پر لٹکایا ہوا ہے،، میر ہادی نے جھنجھلا کر کہا۔

بختاور نے بے بسی سے اپنے لب کاٹے۔

آپ نے سچ کہا، میں رانا لویزا میر ہادی جتنی بہادر نہیں ہوں، جو اپنی نسوانیت کی حفاظت کی خاطر زمرد جیسے بدتمیز بندے سے بھی بھڑ گئی تھی، میں بختاور ہوں، کم ہمت اور بزدل، اور ویسے بھی مجھے زمرد کے ہاتھوں غیرت کے نام پر قتل نہیں ہونا تھا، بلکہ

خود جان دے بھی دیتی مگر ان کو میری خود غرضی کی وجہ سے زرا سی بھی آنچ آتی تو میں اپنے آپ کو کبھی معاف نا کر پاتی ،، بختاور نے بے بسی سے کہا۔

بڑا خیال ہے اس کا،، میر ہادی نے اسے دوستوں کی طرح چھیڑا بھی اور افسوس سے سر بھی ہلایا۔

"چادر لے کر باہر آؤ فٹا فٹ، میں گاڑی میں تمھارا ویٹ کر رہا ہوں،، میر ہادی نے سنجیدگی سے کہا۔

ہم کدھر جا رہے ہیں میر ہادی،، آپ مجھے اس حویلی سے نکال رہیں ہیں،، میں اپنی حویلی ہر گز نہیں جاؤں گی،، بخت نے بے یقینی سے کہتے اپنی ہی ہانکے گئ اور ٹپ ٹپ آنسو بہانے لگی۔

او کم آن بخت،، یہ میلو ڈرامہ بند کرو اور تیار ہو کر باہر آؤ،، میر ہادی کہتا وہاں سے نکلا۔

باہر گاڑی تک آ کر اس نے فون نکال کر ایک نمبر ملایا تھا۔

ابھی نہیں تو کبھی نہیں،،

وہ جو ہر معاملہ سیدھے کر دینے کے پختہ ارادے لیے واپس لوٹا تھا اب ان کاموں میں ایک پل کی بھی تاخیر نہیں کرنا چاہتا تھا۔
آج سے تقریباً سال پہلے وہ شخص اس کے پاس امریکہ ہی چلا آیا تھا اور اس کے الفاظ نے کئی راتوں تک میر ہادی کو سونے نہیں دیا تھا۔

بہت خوب رانا میر ہادی، کئی جانوں کو انتظار کی سولی پر لٹکا کر یہاں کم ہمتوں کی طرح منہ چھپائے بیٹھے ہو، تمھاری محبت، تمھارا عشق، تمھاری ناراضگیاں، تمھارا روٹھنا منانا،، ہر چیز، تمھاری اور تمھاری محبت رانا لویزا میر ہادی کی،،، تو زرا مجھے یہ بتانا پسند کرو گے کہ اس سب میں بختاور کہاں ہے، تمھاری کہانی میں بختاور کا کیا کردار ہے یا تمھاری زندگی میں بختاور ایک ایسی ناکارہ اور فالتو چیز ہے جو بس ایک کونے سے لگی پڑی رہے گی، میں پوچھتا ہوں آخر اس کا قصور کیا ہے، یا تو اسے سہی طرح اپناؤ یا سہی طرح چھوڑ کر اس کی جان بخش دو، آزاد کر دو اسے رانا میر ہادی،،
اور مجھے یہ سب کہنے والے آپ کون ہوتے ہیں زرا مجھے بھی تو پتہ چلے،، رانا میر ہادی نے آئیبرو اچکا کر اس سے پوچھا تھا۔

کیوں، غیرت جاگ گئی رانا میر ہادی کی، افراسیاب نے اطمینان سے بے خوف ہو کر پوچھا تھا۔

نہیں، شاید انسانیت جاگ جائے،، میری ہادی نے بھی دوبدو جواب دیا تھا۔

تو پھر کسی غیر کے نام سے اپنی نام نہاد بیوی کا نام سن کر مرچی لگی ہے تو سن لو، وہ غیر نہیں ہے میرے لیے، میری رگوں میں خون بن کر بسی ہے، عشق ہے میرا، پانا چاہتا ہوں اسے، اس بے نام کے کھوکھلے رشتے سے آزاد کر دو اسے رانا میر ہادی، تاکہ میں اسے وہ خوشیاں دے سکوں جن کی وہ حقدار ہے،،

افراسیاب نے اب بھی بے خوف ہو کر اطمینان سے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اظہارِ محبت کیا تھا۔

اور وہ کیا چاہتی ہے یہ مجھے کیسے پتا چلے گا،، میر ہادی نے بھی سکون سے پوچھا تھا۔

وہ مجھے ہی چاہتی ہے مگر زبان سے کبھی نہیں کہے گی، تم میری آنکھوں میں اس کی سچائی اور مرضی ڈھونڈ سکتے ہو،،

تبھی رانا میر ہادی نے بڑے اطمینان سے ڈائیورس پیپر بنوا کر ان پر سائین کر کے افراسیاب کے ہاتھ ہی بختاور کو اس کی آزادی کا پروانہ لکھ بھیجا تھا۔

مگر اس بزدل لڑکی نے ایک سال مزید ضائع کر دیا تھا۔

وہ اپنی ہی سوچ میں غلطاں تھا جب بخت کی آواز نے اسے اپنی جانب متوجہ کیا۔

میر ہادی ہم کدھر جا رہے ہیں،، بخت نے بے چین سا ہو کر انگلیاں چٹخائیں۔

شٹ اپ بخت گاڑی میں بیٹھو،، رانا میر ہادی نے جھنجھلا کر کہا تبھی وہاں زارون چلا آیا تھا اور آ کر میر ہادی کی ٹانگوں سے لپٹ گیا۔

بابا جانی میں بھی شات جاؤں گا،،، زارون نے کہا تو وہ مسکرایا۔

ڈن،، چلو،، میر ہادی نے اس گود میں اٹھایا اور گاڑی کا دروازہ کھول کر اسے بخت کی گود میں تھمایا۔

(دور کوئی کھڑکی سے یہ منظر بڑے دکھی دل سے دیکھ رہا تھا۔ رانا لویزا میر ہادی کی نیند سکون چین برباد کرنے والا لوٹ آیا تھا تو یہاں نیند کس کم بخت کو آنی تھی تبھی وہ لاؤنج تک آئی تھی مگر کھڑکی سے یہ مناظر دیکھ جی جان سے جل کر راکھ کا ڈھیر ہوئی تھی۔ تبھی بے آواز آنسو بہاتی پھر اپنے کمرے میں بھاگ گئی تھی)

رانا میر ہادی گاڑی لے کر نکلا تھا۔

بابا جانی ہم کدھر جا رہے ہیں،، زارون نے کہا۔

یہ سیکرٹ ہے، میرا، زارون بے بی کا اور چھوٹی مما کا،، پرامس کرو کسی سے شئیر نہیں کرو گے،،

اوکے،، پرامش،، زارون نے بڑوں کی طرح سمجھداری سے اثبات میں سر ہلایا۔

بخت کا کلیجہ اس وقت منہ کو آیا جب آدھے گھنٹے کی مسافت کے بعد گاڑی کورٹ کے باہر کھڑی تھی۔۔ اس نے زارون کو دیکھا جو ہینڈز فری لگائے موبائل میں کارٹون دیکھنے میں مگن تھا۔

ی،،،ککک کیا میر ہادی،، ہم،، یہاں، کک،، کیوں ائے ہیں،، بختاور گھگھیا ہی گئی۔

گول گپے کھانے،، بندہ کورٹ کیوں آتا ہے، میرج کرنے، میر ہادی نے اطمینان سے کہا بخت کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

کک،،، کس کی میرج،، بخت کا ہاضمہ خراب ہونے لگا تھا۔

تمھاری،، میر ہادی کے اطمینان میں رتی برابر بھی فرق نہیں پڑ رہا تھا۔

کک،،، کس سے،،

اب ڈائیورس دے کر دوبارہ تو تم سے میرج کرنے سے رہا، اسی سے کروا رہا ہوں جو تم سے میرج کرنے کے لئے اتنا اوتاؤلا تھا کہ میرے پیچھے تمھاری ڈائیورس لینے کے لئے امریکہ تک جا پہنچا،،، میر ہادی نے بخت کے سر پر بم پھوڑا۔

بخت کو تو جیسے سانپ سونگھ گیا۔

میر ہادی ماسک پہن کر گاڑی سے باہر نکلا اور ادھر ادھر دیکھا۔ تبھی افراسیاب کی گاڑی ان کی گاڑی کے پاس آ کر رکی تھی اور وہ خوبرو شخص ہونٹوں پر دلفریب مسکان سجائے گاڑی سے باہر نکلا تھا۔

بخت کا تو کاٹو تو بدن میں لہو نہیں والا حساب تھا۔

یہ تم پر کیوں سکتا طاری ہو گیا ہے اسے دیکھ کر یا خوشی میں،، میر ہادی نے صاف اسے چھیڑا تو وہ بخت کا سل کیا زمین پھٹے اور وہ شرم کے مارء اس میں سما جائے۔ میر ہادی کے پرزور اسرار اور دھمکی پر اسے گاڑی سے باہر آنا پڑا ۔

افضل بھی حیران سا گارڈز کے ساتھ ایک جانب ہو کر کھڑا تھا۔

تبھی افراسیاب مسکراتا ان کے قریب آیا اور پر ہادی کے سامنے ہی اسے بے شرموں کی طرح سر تا پا گہری نگاہوں سے دیکھا۔

کیسی ہو،،

یہ سب کیا ہے سیاب،، بخت نے دانت کچکچائے۔ جیسے دانتوں کے نیچے سیاب کی گردن ہو۔

بتایا تو ہے کئی مرتبہ بخت عشق ہے،، اس نے ڈھیٹوں کی طرح مسکراتے دل پھینک انداز میں کہا تو میر ہادی قہقہہ لگا کر ہنس پڑا جب کے بخت نے ہاتھ میں پکڑا ہینڈ بیگ ہی سیاب کے سر پہ بجا کر اسے ہوش دلانے کی کوشش کی تھی۔۔

اب چلو اندر، کہ ادھر ہی سارا حساب کتاب بےباک کرنا ہے،، میر ہادی نے پھر تیلی دکھائی۔ سیاب کو تو کوئی فرق نا پڑا جبکہ بخت پر پھر گھڑوں پانی گرا تھا۔

جلدی سے قدم اندر بڑھائے۔

یہ آپ کی مسز ٹو بی کو کچھ زیادہ ہی جلدی نہیں افراسیاب،، میر ہادی کی زبان میں پھر کھجلی ہوئی۔

بخت کو اب صاف پتا چل چکا تھا کہ وہ دونوں جان بوجھ کر اس کی جان ہلکان کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ آخر وہ تنگ آ کر رو ہی پڑی۔

وہ دونوں ہی بوکھلا گئے۔

"بخت دماغ خراب ہے جج صاحب کیا سوچیں گے کہ ہم تمھارے ساتھ شاید زبردستی کر رہے ہیں خاموش ہو جاؤ،، کافی چپ کرانے کے بعد بھی جب اس نے اپنا راگ بند نا کیا تو سیاب جھنجھلا کر بولا۔

اللہ اللہ کر کے کافی کھیل تماشوں کے بعد یہ نیک کام سرانجام پا ہی گیا۔ اور بخت محترمہ اتنے کٹھن انتظار، اتنی طویل فرقتوں، درد کٹھنائیوں کے بعد افراسیاب کا بخت ٹھہری۔

مسکراہٹ افراسیاب کے لبوں سے جدا نہیں ہو پا رہی تھی۔

بخت بھی شرمائی لجائی سی تھی۔ تبھی جلدی سے آ کر گاڑی میں زاروں کے پاس، آ کر بیٹھ گئی۔

کہاں محترمہ جاؤ اپنے شوہر کے ساتھ اب تو ہماری جان چھوڑ دو،، میر ہادی نے مصنوعی اکتاہٹ سے کہا۔ سیاب نے دوسری جانب رخ پھیر کر مسکراہٹ دبائی۔ جس سے صاف ظاہر تھا وہ پھر اسے ہراساں کر کے حظ اٹھا رہے ہیں۔

مم،، مگر،، مم،،،،،میر ہادی،،، وہ حسب معمول پھر خوف کے مارے مرنے والی ہو گئی تو وہ دونوں قہقہہ لگا کر ہنس پڑے۔

بخت کو دل کیا ان دونوں کے ہی سر پھوڑ دے اس وقت کو کوسا جب وہ ان دو فرعونوں کے ہتھے چڑھ گئی تھی۔

پھر انھوںنے نے لاکھ جتن کیے، مگر وہ جو روٹھ کر خاموش ہوئی بول کر نا دی۔ زارون کے بہانے آئسکریم بھی کھائی اور کافی گھومے پھرے بھی ۔

مگر افراسیاب بخت کے منہ پر نو لفٹ کا بورڈ دیکھ کر دل مسوس کر رہ گیا۔

اینڈ پر میر ہادی جب انھیں لیے حویلی کے لئے آنے لگا تو افراسیاب نے منہ پر ہاتھ پھیر کر اس سے ایک ایک بدلہ لینے کی دھمکی کا اشارہ بھی کیا۔

مگر وہ صاف اسے منہ چڑھا کر کالر جھاڑ کر شان سے گاڑی میں سوار ہو گئی جیسے کہہ رہی ہو،

(میری نکلی زبان چپ پڑتی نہیں)

چاہے مار، چاہے کُوٹ میں بھی ڈرتی نہیں)

وہ حویلی لوٹے تو بخت گاڑی سے باہر نکلی۔ زارون گاڑی سے نکل کر اندر بھاگ گیا۔

بخت میر ہادی کے سامنے آئی۔

شکریہ،، شرماتے کہا گیا۔

مگروں لتھو(جان چھوڑو)،، میر ہادی نے جان بوجھ کر چھیڑا اور ہاتھ جوڑے۔ وہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑی۔

(اور وہ اندر جلے پیر کی بلی بنی جو پوری حویلی میں بھٹکی آتما بنی گھوم رہی تھی پھر ایک مرتبہ جیسے جل کر بھسم ہوئی تھی)

ہادی وہ دیکھ رہی ہے ہمیں اور کچھ اور سمجھ رہی ہے،،، بخت نے کہا جسے لاؤنج کی ونڈو میں سے اس کا آنچل نظر آیا تھا۔

شاید اسے فرق نا پڑے،، وہ گہری اذیت اور دکھ سے بولا شاید اپنی محبت کی جانب سے کچھ زیادہ ہی مایوس تھا۔

وہ جاتے وقت بھی ہمیں دیکھ رہی تھی،، بخت نے کہا۔ اور مجھے لگتا ہے وہ جیلس ہو رہی ہے،،

تب تو یہ خوشی کی بات ہے اور اچھا سائن ہے، میرے لئے، جیسے میں اس کے سائے پہ کسی کا سایہ بھی برداشت نا کروں، کاش وہ ایسی ہی محبت مجھ سے کرے،، میر ہادی کے لہجے میں حسرتوں کا قیام تھا۔

بخت کو افسوس ہوا۔

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

پرتکلف ڈنر کا اہتمام تھا۔ سب ٹیبل پر موجود تھے۔ کافی رونق اور ہلا گلا تھا۔ آج تو بخت بھی چڑیا بنی چہچہا رہی تھی۔ بات بات پر قہقہے لگائے جا رہے تھے۔ مگر ان میں ایک وجود تھا جو بے چین سا تھا۔

محبت نے گھٹن سی بن کر جسم میں سوئیاں سی چبھو ڈالیں تھیں جیسے۔

تبھی لویزا نے جلد ہی کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا تھا۔ وہ اٹھنے لگی۔

ارے بیٹا سہی طرح کھانا تو کھاؤ، پہلے ہی اتنی کمزور ہو، ڈاکٹر نے بھی ڈائیٹ کا خیال رکھنے کو بولا، ممتاز بیگم نے اسے اٹھتے دیکھ ٹوکا۔

امی میراپیٹ بھر گیا، لویزا نے آہستگی سے کہا۔

اے ہیے یہ آج کل کی بچیوں کاپیٹ ہوتا ہے یا ماچس کی ڈبیا جو دو نوالوں میں بھر گیا، اے بہو پہلے ہی اتنی کمزور ہو، زرا کھاؤ پیو، جان بناؤ، تبھی تو آگے بچے پیدا کر پاؤ گی،، اور مجھے تو جلد ہی خوشخبری سننی ہے،، ہمیں زاروں کا بھائی یا بہن چاہیے کیوں زاروں،،

امائیں سائیں سب کے سامنے چمک کر بولیں تھیں۔ لویزا کو کہیں چھپنے کی جگہ نا ملی۔

میر ہادی کو خوہ مخواہ پانی پیتے اچھو لگ گیا تھا۔

لویزا جلدی سے اپنے روم میں آئی اور اندر آ کر ہی سانس لیا تھا۔

اے لو،،، شرما گئی،، اماں سائیں نے پھر شوشا چھوڑا۔

بخت نے چھیڑنے کے انداز میں میر ہادی کو دیکھ کر آئیبرو اچکائی۔

میر ہادی نے اسے گھورا۔

ڈنر ہو چکا تو سب لاؤنج میں بیٹھ کر خوش گپیوں میں مصروف رہے۔

بخت ہادی کو چھیڑتی رہی۔ اسے کیا معلوم تھا آج کی شام تو اس پر بھی بھاری ہے۔

کوئی اس کے کسے بل نکالنے کی فل پروف پلاننگ کیے بیٹھا ہے۔۔۔۔

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

لویزا نے کمرے میں آ کر اپنی کنپٹیاں سہلائیں۔ محبت نے سینے میں جلن کی صورت

سانس سی اٹکائی ہوئی تھی۔

جب وہ پاگلوں کی طرح پیچھے پیچھے پھرتا تب دم گھٹتا تھا ۔اب جب اس نے اسے اس کے حال پر چھوڑ رکھا تھا یا اس کی من مرضی کو اہمیت دے رہا تھا مگر لویزا کی دانست وہ اسے اگنور کر رہا تھا تو اب بھی وہ بری طرح چڑ رہی تھی۔ تڑپ رہی تھی۔ بیزار ہو رہی تھی۔

ادھر ادھر چکر لگاتے وہ مسلسل دانت کچکچا رہی تھی۔

اونھہہہ،،، کڑویلے کریلے کہیں کے،جان بوجھ کر کر رہے ہیں ناں ایسے، آخر سمجھتے کیا ہیں اپنے آپ کو، میں بھی دیکھتی ہوں کب تک اگنور کرتے ہیں مجھے،،

وہ دندناتی ڈریسنگ کی جانب گئی۔ وڈیرہ جی اتنا دماغ گھما چکے تھے کے اپنا آرام دہ سوٹ نکالنے کی بجائے بلو کلر کا ڈریس نکالا۔

فیروزی کرتی، بلوں والی نیلی شلوار اور بلو اور فیروی کلر کمبنیشن کا دوپٹہ لیے واش روم گھس گئی۔

اچھی خاصی خنکی تھی۔ مگر ٹھنڈے شاور کے نیچے کھڑے ہو کر ، کھولتا دماغ ٹھنڈا کرنا چاہا۔

وہ شاور لے کر باہر آئی تھی۔

اور گیلے کمر سے نیچے تک جھولتے بال ڈرائیر سے سکھانے کی بجائے یونہی برش پھیر کر کھلے رہنے دیئے۔ دوپٹہ بیڈ پر پڑا تھا جسے اوڑھنے کی زحمت نہیں کی تھی۔

میر ہادی زارون کو گود میں اٹھائے روم میں داخل ہوا تو بے تحاشا چونکا۔ بلکہ اپنے بلکل سامنے اس اپسرا کے دو آتشہ حسن کو دیکھ چاروں شانے چت ہوا۔ ایک مرتبہ نگاہ اٹھی تو پلٹنا بھول گئی تھی۔ وہ یونہی اسے دیکھتا بیڈ تک آیا تھا۔

جبکہ لویزا ایک پرحدت نگاہ خود پر سرتا پا محسوس کی تو روح تک سرشار ہوئی۔

اونہہ آئے بڑے اگنور کرنے والے،،، دل ہی دل میں اپنی کامیابی پر خود کو داد پیش کی۔

مما آپ ریڈی ہو رہی ہیں ہم کہیں جا رہے ہیں کیا،؟ زارون نے مما کی اٹینشن سیک کرنے کی ہانڈی بیچ چوراہے پھوڑی تو وہ بری طرح گڑبڑائی ۔

زارون دودھ پیا آپ نے اور ابھی میڈیسن بھی لینی ہے،، وہ دوپٹہ اٹھا کر کچن میں ہی بھاگ گئی۔

میر ہادی اس کی حرکتوں پر گہرا مسکرایا۔ ایلو جان کا یوں اس کی توجہ حاصل کرنے کے جتن اسے روح تک سکون پہنچا رہے تھے۔

مگر جب تک اب وہ خود اس کی جانب قدم نہیں بڑھائے گی وہ بھی اس کے قریب نہیں جانے والا تھا۔

لویزا کچن سے واپس آئی۔ زاروں کو میڈیسن دی اور دودھ پلایا۔

چلو سو جاؤ چیمپ،، میر ہادی نے کہتے زاروں کو لٹا کر اس پر کمفرٹر درست کرتے بیڈ سے اٹھنا چاہا جب زاروں جھٹکے سے اٹھ بیٹھا۔

بابا آپ ہمارے شاتھ نہیں شوئیں گے،، وہ ناراضگی سے بولا تھا۔

میر ہادی نے ایک نگاہ لویزا کی جانب دیکھا جو زاروں کے ساتھ بیٹھی بری طرح انگلیاں چٹخا رہی تھی۔

اوکے میں یہیں سوؤں گا،، چلو اب جلدی سے اچھے بچوں کی طرف آنکھیں بند کرو،، میر ہادی کہتے زاروں کے قریب نیم دراز ہوا۔

اب وہ تینوں ہی بیڈ پر لیٹ گئے تھے۔

بابا ایک کوشچن پوچھنا ہے آپ شے،، زاروں نے کہا۔

زارون سو جاؤ پلیز،،، لویزا کو یہ ڈر تھا وہ کوئی اور ہی پول پٹی نا کھول دے۔

مما مجھے نیند نہیں آرہی ناں،، اس نے منہ بنایا۔

اوکے پوچھو،، میر ہادی نے مداخلت کی اور صلح جو انداز اپنایا۔

بڑی دادو بول رہی تھیں ناں زارون کا برادر یا سسٹر آئے گی تو کب آئیں گے وہ،؟ معصومیت سے پوچھا گیا۔

لویزا نے گڑبڑا کر ان کی جانب سے مخالف سمت کروٹ بدل لی جبکہ میر ہادی گہرا مسکرایا۔

جب اللہ تعالیٰ نے چاہا،، (کاش وہ بول سکتا جب اللہ تعالیٰ کے ساتھ ساتھ تمہاری ممی نے بھی چاہا) میر ہادی نے زارون کو بہلایا۔

اللہ تعالیٰ کب چاہیں دے،؟ پھر سوال آیا۔ لویزا کو سانپ سونگھ گیا تھا۔ ہاں مگر میر ہادی کے جواب بڑی توجہ سے سن رہی تھی۔

کیوں میر زارون کیوں پوچھ رہا ہے؟ جب میر ہادی کو کوئی جواب نا سوجھا تو پوچھ بیٹھا۔

شب کے بردرز اور سسٹرز ہیں، میلے فرینڈز کے، ایک زارون کے نہیں ہیں، مجھے بھی چاہیے ناں،، زارون نے سر پر ہاتھ مار کر اپنا مسئلہ بتایا۔

اووو،، اس لئے،،، تو اللہ تعالیٰ سے دعا کر کے مانگو ناں کے تمھیں جلدی بردر یا سسٹر دے،، میر ہادی نے مسکراتے لویزا کی پیٹھ کی جانب دیکھ کر کہا۔

او ہاں، میں دعا مانگوں گا یا اللہ تعالیٰ کے پاس خود جا کر لے آؤں گا،،

زارون،، لویزا نے تڑپ کر کروٹ بدلی۔ میر ہادی بھی زارون کی بات پر اسے ٹوکنے والا تھا مگر اس سے پہلے ہی لویزا چیخ اٹھی۔

چپ کر کے سو جاؤ زارون، نہیں تو پنش کروں گی،، سمجھے،، لویزا نے اسے ڈانٹا۔

اس نے ناراض ہو کر میر ہادی کے سینے میں منہ دے لیا۔

نگاہوں سے نگاہیں ملیں۔ دونوں نگاہوں میں ہی گلے شکوے تھے۔ لویزا نے نگاہیں چرائیں اور پھر سیدھی ہو کر لیٹ گئی۔

میر ہادی نے زارون کی پیٹھ تھپتھپائیں تو وہ جلد ہی گہری نیند سو گیا۔ مگر دو وجود تھے جن کی آنکھوں سے نیند کوسوں دور تھی۔

وہ زارون کو نرمی سے تکیے پر شفٹ کرتا اٹھ بیٹھا۔

وہ بھی کونسا سوئی تھی۔ سانس روکے اس کا ہر عمل نوٹ کر رہی تھی۔ میر ہادی نے مڑ کر پھر اس کی جانب دیکھا۔ ایک سرد سی آہ بھری تھی۔ پھر بے اختیار و بے لگام ہونے سے بہتر تھا یہاں سے فارم ہاؤس یا ڈیرے پر ہی چلا جاتا۔
بختاور سے کچھ پیپر سے متعلق بھی تو ڈسکس کرنا تھا۔ تبھی آہستگی سے اٹھا اپنی الماری میں رکھے گئے پیپر نکالے اور کمرے سے باہر نکل آیا۔
لویزا جھنجھلا کر اٹھی تھی۔
اور اسے جاتے دیکھا۔ دو آنسو ٹوٹ کر گالوں پر گرتے بے مول ہوئے تھے۔ اس نے تکیے میں منہ دے لیا۔ دل اس بے مہر کی کج ادائیوں پر پسلیوں سے سر ٹکرانے لگا۔
اونہھ اب میری کیا ضرورت، شاید ہر ضرورت اب وہ پوری کر رہی ہو،،
یہ سوچ آتے ہی بے آواز پھوٹ پھوٹ کر روئی۔ سب کچھ برداشت تھا یہ کہاں برداشت تھا کہ وہ اس کے علاوہ کسی کو دیکھے بھی۔ قریب جانا تو دور کی بات۔ ماہی بے آب کی طرح تڑپتی رہی۔
کچھ دیر ہی گزری تھی کہ زارون اٹھ بیٹھا۔
مما بابا کدھر ہیں،،

آ جائیں گے زاورن سو جاؤ پلیز،، لویزا نے جلدی سے اپنے آنسو صاف کر کے اسے تسلی دی۔

نو ،،نو،، مما مجھے تو بابا چاہیں، وہ ضد کرنے لگا۔

زارون پلیز، آ جائیں گے سو جاؤ، لویزا جھنجھلائی اب اگر وہ بے وفا بیوفائی پر اتر ہی آیا تھا تو وہ کیوں اپنا آپ اس پر ظاہر کر کے اپنے آپ کو بے مول کرتی۔

زارون رونے لگا تھا۔ لویزا نے بے بسی سے زارون کو دیکھا پھر تنگ آ کر گود میں اٹھا کر کمرے سے باہر نکل کر آخر بخت کے دروازے تک آئی۔

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

میر ہادی بخت کے روم میں آیا تو وہ جاگ رہی تھی۔

جاگ رہی ہو، میر ہادی نے کہا۔

ہاں، بخت صوفے کی جانب آئی۔

خوشی کے مارے، میر ہادی نے چھیڑا۔

جی نہیں، آپ نے ہی کہا تھا میرا انتظار کرنا تبھی جاگ رہی ہوں، وہ تڑخ کر بولی۔

ہاں تو تمھیں حویلی سے امریکہ دفعان کرنے کی فل پروف پلاننگ جو کرنی ہے،اسی لیے ان پیپر پر سائن لینے تھے، ویسے بھی میری بیوی خواہ مخواہ جل جل کر اپنے جسم کا آدھا خون جلا چکی ہے، اس سے پہلے زیادہ دبلی ہو تم حویلی سے نو دو گیارہ ہو جاؤ، میر ہادی نے ایک سرد سی سانس بھرتے بتایا تو وہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑی۔

ابھی وہ پیپر ٹیبل پر بکھیر کر کچھ ضروری ڈسکس کر رہے تھے کہ دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔

دوسری دستک پر میر ہادی نے دروازہ کھولا تھا۔ اور اپنے سامنے اسے پا کر اور اس کی لال سرخ سوجی آنکھیں دیکھ حیرت ہوئی۔

بابا،، زارون نے میر ہادی کی جانب اپنی بانہیں پھیلائیں۔ میر ہادی نے زارون کو اپنی گود میں بھر لیا۔

سوری میں نے آپ لوگوں کو ڈسٹرب کیا، مگر یہ کس طور مان کر نہیں دیا، آپ لوگوں کا اسپیشل ٹائم برباد ہو گیا،،

کافی چبھتا ہوا سا لہجہ تھا لویزا کا۔ میر ہادی کو سوئیاں سی چبھی۔ وہ جھٹکے سے جانے لگی تھی تبھی لیزا کی کلائی میر ہادی کی وحشی سی گرفت میں آئی تھی۔

کیا مطلب ہے ڈسٹرب، اسپیشل وقت،، اس بکواس کا مطلب رانا لویزا میر ہادی،،، وہ آہستگی سے پھنکارا۔

ناچاہتے ہوئے بھی لویزا نے ایک تیکھی نگاہ کمرے کے اندر دوڑائی۔

ٹیبل پر کچھ پیپر بکھرے ہوئے تھے اور ان کے سامنے بخت بیٹھی حیرت سے انھیں دیکھ رہی تھی۔

ہادی چھوڑیں میرا بازو،،، وہ بوکھی شیرنی بنی غرائی۔ مگر کاش، سامنے والا اس کا خراب ہوا مزاج درست کر سکتا۔

پہلے اپنی بات کی وضاحت دو، کیا مطلب تھا تمھاری بات کا،اور ایسا کچھ نہیں ہے جو تم سوچ رہی ہو، وہ سنجیدگی سے بولا اور وضاحت دینا چاہی۔

آپ کو کیا،؟ میں ہوتی کون ہوں جسے وضاحتیں دے رہے ہیں، لیو می، وہ اپنا بازو چھڑاتی اپنے روم میں آ کر بند ہوئی تھی۔ اور پھر بے تحاشا روئی تھی۔

میر ہادی نے پیچھے مڑ کر بخت کی جانب دیکھا۔

پیپر سمیٹ دو بخت باقی کا کل دیکھیں گے،،

میر ہادی نے کہا اور جانے لگا۔

اور اب آپ اسوقت کہاں جائیں گے بے بی کو لے کر،، وہ حیران ہوئی۔ رات کے دو بج چکے تھے۔

امی سائیں کے کمرے میں جائیں گے ہم، وہ تہجد کے لئے اٹھ چکی ہوں گی، میر ہادی کہتا وہاں سے نکل آیا۔ واقعی ممتاز بیگم کے روم میں آیا تو وہ جاگ رہی تھیں۔ جبکہ میر دراب کچھ ضروری مسائل میں گھرے مردان خانے ہی سو گئے تھے۔

ارے کیا ہوا اتنی رات کو کہاں بھٹک رہے ہیں باپ بیٹا،،

آپ کی ظالم بھو ہے ناں باپ بیٹے پر ظلم ڈھانے والی،، میر ہادی نے کہتے سوتے زاروں کو بیڈ پر لٹا دیا۔ ممتاز بیگم بھی بیڈ پر بیٹھ گئیں میر ہادی نے ان کی گود میں سر رکھا۔

کیا ہوا، ایک بیوی نہیں منائی جا رہی تم سے میرا ہادی شرم کرو،، ممتاز بیگم نے اسے چھیڑا۔

پھر وہ سب بتاتا چلا گیا۔

بختاور کی بات پر ممتاز بیگم نے فخر سے بیٹے کو دیکھا اور اس کی پیشانی چومی۔

اور اب آپ کی پاگل بھو کو شاید یہ لگ رہا ہے کہ میں اس سے بیوفائی کر رہا ہوں،، میر ہادی نے اطمینان سے کہا۔

تو سمجھاؤ، اسے بتاؤ کہ ایسا کچھ نہیں ہے،، ممتاز بیگم نے کہا۔ اور اسکے گھنے بالوں میں ہاتھ پھیرا۔

ایک مرتبہ بختاور کے پیپر کمپلیٹ ہو جائیں، ویزہ ٹکٹ سب کچھ، اس کے بعد تو سب کو حقیقت پتا چل ہی جائے گی، اس وقت تک تڑپے یونہی، جیسے مجھے اتنے سال سولی پر لٹکائے رکھا، اب زرا اس کی باری،، مجھے اس کی جیلسی اچھی لگ رہی ہے دراصل، میر

ہادی نے شرارت سے کہا تو ممتاز بیگم نے اس کے سر پر چپت رسید کی۔ بہت جلد وہ بھی گہری نیند سو گیا۔

ممتاز بیگم مسکراتی وضو کرنے اٹھیں۔

تہجد میں دعائیں مانگنے کے لئے کہ ان کے بیچ سب ٹھیک ہو جائے۔

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

میر ہادی روم سے گیا تو اس نے ڈور لاک کیا۔ واقعی وہ سہی چھیڑ رہا تھا۔ خوشی کے مارے نیند کس کمبخت کو آنی تھی۔ کب سے کوشش کر رہی تھی سونے کی مگر سو نا پائی۔ آخر جھنجھلا کر اٹھی۔

اور مسکراتی واش روم گئی۔ شاور کے نیچے کھڑے ہو کر اچھے سے فریش ہوئی۔ دماغ کچھ زیادہ ہی گھوم گیا تھا تبھی کپڑے تو لائی ہی نہیں تھی اسی لئے ہاتھ ٹاول لپیٹے گنگناتے ہوئے باہر نکلی۔

آج لگتا ہے میں ہواؤں میں ہوں
آج اتنی خوشی ملی ہے،،
آج بس میں نہیں ہے من میرا
آج اتنی خوشی ملی ہے،،

ڈریسنگ کے سامنے گنگناتے آچانک اس کا خیال آیا تو اپنے آپ سے ہی شرماتے دونوں ہاتھوں سے چہرہ چھپا لیا۔

ویری بیڈ، تم تو اپنے آپ سے ہی شرما رہی ہو تو میرے سامنے کیا کرو گی،،

اپنے پیچھے بے حد قریب سے سنائی دی گئی اس سرگوشی نے بخت کے پیروں نیچے سے زمین کھینچی تھی۔ تبھی جھٹکے سے آنکھیں کھولیں اور آئینے میں سے اپنے پیچھے کھڑے اس وجود کو دیکھا۔

ہائے،، اس نے آئینے میں سے ہی ہاتھ ہلا کر وش کیا۔

بخت اس سے پہلے حلق پھاڑ کر پوری حویلی کو جگاتی سیاب نے بجلی کی سی تیزی سے ہاتھ رکھ اس کا منہ بند کیا اور کمر کو اپنی گرفت میں لیا۔

وہ لہو چھلکاتے چہرے سمیت بری طرح جھٹپٹائی۔

سیاب نے اسے چپ رہنے کا اشارہ کیا۔

بخت نے اپنا آپ چھڑوا کر اس کے سینے پہ مکے برسائے۔

حد ہے ویسے،، بے شرمی کی، بے شرم،، ایسے کوئی کسی کو دیکھتا ہے،، سیاب شرم کریں،، وہ آہستگی سے غرائی اور رات کے اس پہر اپنے اس حلیے پر شدید جھنجھلائی۔

سیاب نے اس کی کلائیاں تھام کر اپنے سینے پر رکھیں تھیں۔ اور اس کہ کمر پر ہاتھ رکھے۔

وہ کیا کہتے ہیں اس رات کو گولڈن نائٹ،، لوگ بے شرم ہو ہی جاتے ہیں، اور بے شرمی پر اتر ہی آتے ہیں،

کیا لینے آئے آپ یہاں ،، سوال پوچھ کر احساس ہوا کس قدر بے تکا سوال پوچھ بیٹھی ہے وہ، پوچھ کر خود ہی شرمندہ بھی ہوئی۔

تھوڑے سے پیار کو سودا کرنے آیا تھا تم سے،، کچھ ضروری پوائنٹس ڈسکس کر لیں،، وہ بے حد شرارت سے بولا۔ ویسے کچھ لوگ دن میں بہت شوخے ہو رہے تھے انھیں کے کسے بل نکالنے آیا ہوں،،،

رنگ ڈھنگ ہی بدل گئے تھے۔ انداز بدل گیا تھا نگاہیں بدل گئیں تھیں۔ رشتہ بھی تو بدل گیا تھا۔

بخت کی روح فنا ہوئی۔

سیاب،، پلیز،، وہ روہانسی ہوئی نگاہیں جھکا کر التجا کی۔

کیا سیاب،، تمھارے انتظار نے بتیس سال کا بڈھا بنا دیا ہے، اور خود تم ستائیس سال کی بڈھی بن گئی ہو، اب تو زرا سا رومینس بھگارنے دو،، وہ اطمینان سے بولا۔

کیا میں آپ کو بڈھی نظر آ رہی ہوں،، بخت کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

نہیں، فی الحال بلکہ کم از کم آج کی رات نہیں لگ رہیں، لہجے کی گھمبیرتا نے بخت کے ہوش اڑائے۔ سامنے والے کی نگاہیں بھٹک کر ان جھکی پلکوں کی معصوم سی لرزش میں الجھی تھیں۔ تبھی زرا سا جھک کر ان پلکوں کی لرزش کو چوم کر محسوس کیا۔

سس سیاب،، وہ کسمسائی۔

اششششش،، لبوں پر انگلی رکھی۔ اور گداز لبوں کی نرماہٹوں کو انگلیوں کی پوروں سے محسوس کیا۔

افراسیاب نے اس کے چہرے کو تھام کر ایک ایک نقش کو عقیدت و احترام سے چوما تھا۔

آج بخت کو معلوم ہوا چاہے جانے کا احساس کتنا خوبصورت، مسحور کن اور دلفریب تھا۔ چاہے دیر سے ہی سہی اپنی غلطیوں کا ازالہ جب کیا تو اب قسمت بھی مہربان ہوئی تھی۔ اس کے لمس میں شدت سی تھی محبت و عقیدت ۔

بخت کو اپنی قسمت پر رشک آیا۔ پتہ ہی نہیں چلا کب خوشی و شکر کے آنسو آنکھوں سے جاری ہوئے۔

سیاب کو جب اس کے چہرے پہ نمی سی محسوس ہوئی تب وہ تڑپ کر اس سے دور ہٹا تھا۔

بخت کیا ہوا میری جان،، سیاب پوچھ بیٹھا۔ آئم سوری، اگر میرے کسی عمل سے تمھیں تکلیف پہنچی، بخت میں بلکل تمھیں ہرٹ نہیں کرنا چاہتا تھا،،

وہ شرمندہ سا ہوا اسے لگا شاید اس کی بے اختیاری سے وہ ہرٹ ہوئی۔

وہ جانے لگا جب بخت اس کی پشت سے لپٹی۔ اور پھر آنسو بہانے لگی۔ وہ اسے سمجھ کر مسکرایا۔۔

او تو یہ بات ہے، ڈئیر وائفی، پیچھے مڑ کر اسے بانہوں میں بھرا اور بیڈ پر لٹا کر اس کا سر اپنے سینے پر رکھا۔

دھیمے سے بہت نرمی اور محبت سے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرا۔

سو جاؤ بخت،، وہ دھیمے سے بولا۔

گہری رات، نیند سے بوجھل آنکھیں اور روح تک میں اترتا سکون، من چاہے ہمسفر کی پناہوں کے حصار میں مقید، وہ، نیند کیوں نا مہربان ہوتی۔ وہ جلد ہی گہری نیند کی وادیوں میں اتر گئی۔

افراسیاب مسکرایا۔

نرمی سے اس کا سر تکیہ پہ رکھ کر ماتھے پر محبت کی مہر ثبت کی۔ اور وہاں سے چلا آیا۔

♥♥♥♥♥♥♥♥♥

بجھ گئی آگ مگر اب بھی جلن باقی ہے
میری آنکھوں میں شبِ غم کی چبھن باقی ہے

دن بوجھل سا ہی تھا۔ میر ہادی اس کا سارا دن اکھڑا اکھڑا رویہ اور سوجی سرخ آنکھیں نوٹ کرتا رہا۔

وہ سارا دن میر ہادی سے جان بوجھ کر ناراض ہو کر چھپتی رہی۔۔

میر ہادی کا بھی سارا دن بے حد مصروف گزرا۔ زمرد نے جانے کس جنم کے بدلے نکالتے ان کی سیاسی ساکھ بہت خراب کر چھوڑی تھی۔ جو اب رانا میر ہادی بچانے کی سر توڑ کوشش کر رہا تھا۔ کچھ بچا کچا وقت پنچائیت کی نذر ہو گیا۔

رات کو وہ تھکا ہارا حویلی لوٹا تھا۔ ہر جگہ اس دشمنِ جاں اور قلبِ سکوں کو ڈھونڈا۔ آخر کچن میں وہ زاروں کا دودھ بناتی نظر آئی۔

اشارے سے خادمہ کو وہاں سے جانے کو کہا تو وہ سر جھکائے وہاں سے چلی گئی۔

ایک کپ کافی کا ملے گا ایلو ، شدید سر درد ہے، وہ دھیمے قدموں سے چلتا اس کے قریب آیا۔

(اونہہہہہہہ،، شکر ہے نک نیم تو یاد ہے محترم کو، کافی بھی اپنی بخت کے ہاتھ کی پیے) وہ دل ہی دل میں انگارے چباتی رہی۔

چپ چاپ دودھ چولہے پر رکھ کر کافی پھینٹنا شروع کر دی۔ وہ اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ میں گم ہوا۔

وہ اپنی پیٹھ اور وجود پر اس کی نگاہوں کی تپش شدت سے محسوس کر رہی تھی۔ وہ تھک چکی تھی دل و دماغ کی یہ جنگ لڑتے لڑتے۔ نڈھال سی، بے جان سی ہونے لگی تھی۔

اب تو جیسے یوں چاہتی تھی کہ خود محبت کی آغوش کے سپرد کر دے۔ کہ وہ اس کا ہر درد ہر جلن اور غم اپنی پوروں سے چن لے۔ اس کے ہر درد کا مداوا کر دے۔

لویزا نے کافی اس کی جانب بڑھائی ۔ سرخ خمار آلود نگاہوں میں جیسے برسوں کی تھکن تھی۔ میر ہادی نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالیں۔ وہ فورا سے پہلے نگاہیں چرا گئی۔ مگر ہاتھ بری طرح کانپے۔

میر ہادی نے جلدی سے ایک ہاتھ سے اس کا ہاتھ تھاما اور دوسرے سے کپ تھام کر ٹیبل پر رکھا۔

کیا ہوا ہے لیزا، پلیز بتاؤ مجھے، کیا چیز ڈسٹرب کر رہی ہے تمھیں،، شئیر کرو مجھ سے،،

کوئی بات نہیں ہے،، اس سے پہلے کے ضبط کا دامن ہاتھ سے چھوٹ جاتا بھرائی آواز میں بولتی وہ ہاتھ چھڑاتی زارون کا دودھ کا گلاس اٹھا کر روم میں چلی گئی۔

میر ہادی نے ایک سرد سی آہ بھری۔ اور اس کے پیچھے ہی روم میں چلا آیا۔ آج زارون کی طبیعت کچھ خراب سی تھی وہ سارا دن روم میں ہی میڈیسنز کی زیر اثر سویا رہا تھا۔ اب میر ہادی کو دیکھ کر اچھل کر اٹھا تھا۔

بابا جانی،،

کیسی طبیعت ہے چیمپ،، میر ہادی اس سے لپٹا۔

فائن بابا،، لویزا نے اسے دودھ کے ساتھ میڈیسن دی۔

اور تینوں لیٹ گئے۔ زارون آج نڈھال سا جلد ہی نیند کی وادیوں میں اتر گیا۔

ابھی کچھ دیر ہی گزری تھی جب میر ہادی ان دونوں کے پہلو سے اٹھا۔۔ لویزا بھی بے تحاشا جھنجھلا کر ایک جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھی تھی۔

واٹس رونگ ود یو، آپ کا یہ لاڈلا ابھی کچھ دیر میں اٹھ کر بیٹھ جائے گا اور آپ کا پوچھے گا، مجھے پھر اسے لے کر ادھر آنا پڑے گا، اور خواہ مخواہ شرمندگی اٹھانی پڑے گی، یا اسے ساتھ لے جائیں یا لیٹ جائیں ادھر ہی، مجھے کسی کو ڈسٹرب کرنا اچھا نہیں لگتا،،

وہ جزبز سی ہوتی اپنا سارا غبار نکال گئی۔

تم نے کل بھی یہی ڈسٹرب لگا رکھا تھا ایلو جان ، خیریت تو ہے ناں،،؟ جانتی ہو ناں کیا بات بول رہی ہو یا کس سے الجھ رہی ہو، وہ آئبرو اچکا کر کہتا اس وارن کر گیا اور دو تین قدموں میں ہی اس کے سر پر پہنچا تھا۔ لویزا زرا سا خوف کھا کر خود میں سمٹی مگر

"سچ ہمیشہ کڑوا ہوتا ہے،، باز نہیں آئی تھی ٹونٹ کرنے سے۔ اچانک ہی میر ہادی نے اس کی پچھلی گردن کے گرد ہاتھ لپیٹا تھا۔ اسی پوزیشن میں اسے جھٹکے سے تکیے پر گرایا ایک گھٹنا بیڈ پر ٹکایا اور خود اس کے گداز لبوں کو اپنی شدت بھری دسترس میں لیا تھا۔ برسوں کی تشنگی تھی خود کو سیراب کرتے وہ بھول گیا کہ خود سے کیا کیا وعدے کئے بیٹھا ہے۔اور وہ جو اس اچانک افتاد پر سنبھل بھی نہیں پائی تھی۔ اس کی شدت سہتے آنکھیں بند کر چکی تھی۔

لویزا نے اپنی مٹھیوں میں اس ستمگر کی شرٹ دبوچی تھی۔ وہ نرمی سے پیچھے ہٹا۔ لویزا بند آنکھوں سمیت اپنی اتھل پتھل ہوئی سانسیں بحال کرنے کی کوشش کرتی رہی۔ وہ دلچسپی سے گہری نگاہوں سے اس کے بھیگے لب اور لہو چھلکاتا چہرہ دیکھتا رہا۔

سچ سے زیادہ تو تم کڑوی ہو، ایلو جان، اسی لئے مجھے کڑوی چیزیں اپیل کرتی ہیں وہ بھی ابھی تک،،، بھاری گھمبیر لہجہ تھا۔ لویزا کی سانس اٹک گئی۔ ہادی نے اپنے لبوں سے اس کی بیوٹی بون کو چھوا۔

"افففف یہ خوشبو ایلو جان، جس کا ایڈیکٹ ہوں میں، یہ لہو منہ لگا ہوا ہے اس دیوانے کے، تمھارے معاملے میں کتنا بے اختیار ہے یہ دل، بھول گئی کہ یاد کرواؤں،، اسی لئے ڈرتا ہوں کہ کہیں پھر کوئی گستاخی نا کر بیٹھوں،،

کہتے کان کی لو کو دانتوں سے ہلکا کاٹا تھا۔ لیزا اپنی جگہ سے ہلکا سا اچھلی وہ روح تک ہل چکی تھی۔ میر ہادی کہتے پیچھے ہٹا۔ اسے اپنے ہر عمل سے یہ باور کروا کر اچھی طرح بتا دیا کہ وہ اس کمرے سے ہر رات کیوں چلا جاتا ہے۔ لویزا نے آنکھیں کھولیں وہ اپنا احساس اس کے وجود پر چھوڑ کر جا چکا تھا۔ جس احساس کو جھٹکنا اور اس سے پیچھا چھڑانا اس کہ بس کی بات نا رہی تھی۔

کڑوے کریلے کہیں کے،، لویزا نے پھر پسلیوں سے سر پٹختے دل سے تنگ آ کر تکیے میں منہ دے لیا۔

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

ایک ہفتہ ہو چکا تھا۔ حویلی میں سب میر ہادی اور لویزا کا ایک دوسرے سے سرد اور بے تاثر سا رویہ نوٹ کر رہے تھے۔ خاص کر اماں سائیں۔ انھوننے نے تو میر ہادی سے بارہا پوچھنے کی کوشش کی مگر وہ ٹال گیا۔ لیکن اماں سائیں بھی اس کی دادی تھی۔ زمانہ شناس اور گھاگھ عورت تھیں۔ وہ جانتی تھیں کہ دونوں بس ان سب کے سامنے ہی ایک دوسرے سے ہمکلام ہوتے ہیں نہیں تو شاید نہیں یقیناََ ایک دوسرے سے ناراض ہیں۔

اور اس دن تو ان کا شک یقین میں بدل گیا۔ جب لویزا اپنی ہی فکروں میں گھل گھل کر چکرا کر بے ہوش ہو گئی۔ اماں سائیں کو لگا کہ کوئی خوشخبری ہے۔ پوری حویلی میں ہلچل سی مچ گئی۔
مگر میر ہادی لویزا کو اس سب سے صاف بچا لے گیا یہ بول کر کہ کچھ زارون کی ٹینشن اور کچھ پہلے سے ہی ہوئے بخار نے اس کی طبیعت بگاڑ دی ہے۔
اماں سائیں کا اندازہ یقین میں بدل گیا کہ وہ دونوں ہی ابھی تک ناراض ہیں اور ان کے بیچ اب بھی پہلے دن سی دوریاں یونہی برقرار ہیں۔

اس مسئلے کے حل کے لئے بھی وہ کچھ بہت خاص کرنے کا سوچنے لگیں۔ بلکہ اپنی اس سوچ میں رانا میر ہاشم کو بھی شامل کر لیا۔

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

آج کا دن بیشمار ہنگاموں بھرا تھا۔ لاؤنج میں میر ہادی نے سب کو اکھٹا کیا تھا۔ اور بخت کے سارے گھر والے بھی موجود تھے۔ فرحین بھی بے چین تھی کہ پتہ نہیں کیا بات ہے جو میر ہادی نے یوں انھیں یہاں بلایا تھا۔ زمرد بھی پہلو پر پہلو بدل رہا تھا چور کی داڑھی میں تنکے کے مترادف کے کہیں میر ہادی نے اس کی کوئی پول پٹی کھولنے کے لئے نا سب کو یہاں بلایا ہو۔

لویزا بھی لاؤنج میں آئی۔ کچھ دیر بعد ہی ہادی بخت کا ہاتھ تھامے لاؤنج میں داخل ہوا جیسے اسے زبردستی لاؤنج میں لایا ہو۔ یہ منظر دیکھ فرحین لویزا کو دیکھ کر طنزیہ سا مسکرائی

تھی۔(جیسے کہنا چاہتی ہو دیکھا بی بی خاندانی بیوی خاندانی ہی ہوتی ہے) جبکہ لویزا نے بری طرح لب کاٹتے پہلو بدلہ۔

سب نے نوٹ کیا تھا کہ بخت کے چہرے پر ہوائیاں اڑیں ہوئیں تھیں۔

میں نے کچھ خاص باتیں بتانے کے لئے سب کو یہاں اکھٹا کیا تھا،، میر ہادی نے گلا کھنکار کر بات کا آغاز کیا۔

کیونکہ یہ بات تو سب ہی جانتے ہیں کہ میں صرف اور صرف رانا لویزا میر ہادی سے محبت کرتا ہوں،،

(میر ہادی کے الفاظ تھے یا کوئی آبِ حیات کا پیالہ جو وہاں بیٹھی ایک لڑکی کو پھر سے معتبر کر کے زندگی بخش گئے تھے وہ روح تک سرشار ہوئی اور فرحین کی جانب دیکھا بھی نہیں مبادا انھیں یہ نا لگتا کہ اب وہ ان کا مزاق اڑا رہی ہے)

تو بخت میرے ساتھ بلکل بھی خوش نہیں تھی اور مجھ سے خلع چاہتی تھی تو ایک سال پہلے ہی میں اسے اس بے نام رشتے سے آزادی دے چکا تھا۔ مطلب میں نے بخت کو طلاق دے دی تھی،، یہ رہے اس طلاق کے پیپر،،

الفاظ تھے کے بم جو میر ہادی نے سب کے سروں پر پھوڑے تھے۔ اوپر سے لاونج کے بیچ و بیچ رکھے گئے ٹیبل پر اس نے اطمینان سے ایک فائل اچھالی۔

طویل لاؤنج میں پن ڈراب سائلنس چھا گئی تھی۔ ایسے جیسے طوفان سے آنے کے پہلے کی خاموشی ہو۔

تو پھر یہ بیغیرت ایک سال سے اس حویلی میں کیا کر رہی ہے اور اب جبکہ تم بھی واپس آ گئے ہو تو ڈوب مرنے کا مقام ہے، چلو یہ نیک کام میں ہی کر دیتا ہوں اس بیغیرت بے حیا کو اس دنیا سے رخصت کر کے،،

زمرد ہی زیادہ آپے سے باہر ہوتا طیش میں بخت کی جانب لپکا تھا جو میر ہادی کے پیچھے قریباً چھپی کھڑی تھی۔

میر ہادی نے درمیان میں ہی اسے گریبان سے پکڑ کر اسے وہیں پٹخا تھا جہاں سے اٹھ کر وہ آیا تھا۔

خبردار زمرد،، کوشش بھی نا کرنا اسے ہاتھ لگانے کی،

کیوں اب یہ تمھاری کیا لگتی ہے،، زمرد پھنکارا۔

میری حویلی میں اس علاقے کے سرپنچ کی پناہ میں ہے یہ، ہاتھ تو لگا کر دکھاؤ، میرے گارڈز ایک اشارے پر تمھارا یہ بھیجا اڑا دیں گے،،

میر ہادی نے اتنے سرد لہجے میں کہا تھا کہ پھوٹ پھوٹ کر روتی فرحین نے بھی حیرت سے رانا میر ہادی کی جانب دیکھا تھا۔

اور ویسے بھی یہ کسی کی امانت ہے ہمارے پاس، کچھ دن پہلے نکاح کیا ہے میں نے اس کا،، میر ہادی نے سکون سے کہا۔

رانا میر دراب اور میر ہاشم تو سکون سے بیٹھے تھے کہ جب میر ہادی نے خود کے اس علاقے کا سرپنچ ہونے کا اعلان کر ہی دیا تھا تو ان کے بولنے کو کچھ بچا ہی نا تھا۔

کس سے پوچھ کر کس حثیت سے کیا اس کا نکاح، اور کون ہے وہ،، زمرد پھر اس کہ جانب لپکا، بڑی بیغیرت اور بے حیا ہے، اور اتنی چلتر، کہ ایک سے طلاق لے کر دوسرا پھانس بھی لیا، میں زندہ نہیں چھوڑوں گا اس حرافہ کو،،، زمرد نے اپنے منہ سے مغلظات بکے اور چھوٹ چھوٹ کے بخت کی جانب لپکا۔

Urdu Novels Ghar

کنٹرول کرو زمرد کنٹرول، اپنی سو کالڈ غیرت کو قابو میں رکھو، میر ہادی دھاڑتا اسے بیچ راستے میں روک اس کے گریبان کو آیا تھا۔ ویسے تعجب کی بات ہے غیرت و حیا کی باتیں کر کون رہا ہے، جو خود اپنے بھائی کی بیوی پر ہی غلیظ نگاہ ڈالتا ہو غلیظ انسان،، میرے پاس آج بھی وہ فوٹیج محفوظ ہے جس میں لویزا نے گملا مار کر تمھارا سر پھوڑا تھا، خود چاہے گٹر میں منہ مارو، ریشم بائی کی بات کر رہا ہوں میں، دن رات اس کے پلو میں مدہوش پڑے رہتے ہو، کروڑوں کی کرپشن کر چکے ہو، اب جب بہن نے ہر طرح سے جائز طریقے سے اپنا گھر بسایا تو نام نہاد غیرت جاگ گئی ہے تمہاری،، چچ چچ چچ چچ زمرد افروز ڈوب مرو چلو بھر پانی میں،، اور ان سب باتوں سے انکار کرنے کی تو کوشش بھی مت کرنا کہ میرے پاس تمھارے کالے کرتوتوں کا ایک ایک ثبوت موجود ہے، جو میں ابھی تمھارے منہ پر مار سکتا ہوں ،، سمجھے،،

میر ہادی نے اسے زمین پر پٹخا۔

زمین پر کیا پٹخا وہ تو پورے خاندان کے سامنے جیسے پاتال کی گہرائیوں میں گرا تھا۔ تمام افراد اسے حیرت و ناگواری سے دیکھ رہے تھے۔

(جبکہ لویزا بھی دم بخود سی بیٹھی تھی یہ سب جان کر کے ایک پہاڑ جتنا بوجھ کندھوں سے سرک سا گیا تھا اور یہ بھی بات حیرت انگیز تھی کہ وہ سب جانتا تھا۔ تو اتنے دنوں سے وہ خواہ مخواہ ہی جلتی کڑھتی رہی اور وہ مزے سے تماشا دیکھتا رہا، اس نے نروٹھے پن سے میر ہادی کو گھورا)

تبھی لاؤنج میں افراسیاب داخل ہوا تھا اور آ کر بڑے حق سے بخت کا بازو تھاما۔

یہ میری بیوی ہے چچی امی، میں نے نکاح کیا ہے بختاور سے اور آج رات کی فلائیٹ سے ہم امریکہ جا رہے ہیں، سیاب بخت کا ہاتھ تھامے فرحین کی جانب آیا تو انھوں نے نفرت سے منہ پھیر لیا۔ بخت جو کب سے رو رہی تھی ماں کی یہ بے رخی دیکھ اشکوں میں روانی آئی۔

میر ہادی نے سیاب کو اشارہ کیا وہ بخت کو زبردستی تھامے وہاں سے نکلتا چلا گیا۔ ممتاز بیگم، لویزا اور اماں سائیں اسے ضرور ملیں تھیں۔ اسے ڈھیر ساری نیک تمنائیں اور دعائیں دے کر رخصت کر دیا۔ وہ روتی رہی۔

مگر سیاب اور میر ہادی جانتے تھے وقت کے ساتھ سب ٹھیک ہوجانا ہے یہ طوفان لازمی اٹھنا تھا۔ مگر پھر طوفان کے آنے کے بعد وقت کے ساتھ ساتھ تمام مسائل حل ہو جانے تھے تمام زخم مندمل ہو جانے تھے۔

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

بخت کو گئے دوسرا دن تھا۔
ساتھ والے گاؤں کے چوہدری کی بیٹی کی شادی تھی اور خاص الخاص اس علاقے کے نئے سربراہ اور نئے سرپنچ کو دعوت دی گئی تھی۔
حویلی کے بڑوں کی ملی بھگت تھی۔ کہ میر ہادی اور لویزا کو ایمشنلی بلیک میل کر کے شادی میں شرکت کرنے کے لئے راضی کر لیا گیا۔
اس کے ساتھ ساتھ اماں سائیں کی جانب سے میر ہادی کو خاص حکم ملا تھا کہ وہ گاؤں سے کچھ فاصلے پر بنی درگاہ پر لویزا کے ساتھ جا کر چادر چڑھا آئے اور نذر ونیاز تقسیم کر آئے۔

لویزا مان کر نہیں دے رہی تھی۔ مگر ممتاز بیگم نے یہ بول کر منا ہی لیا کہ فنکشن رات کا ہے وہ زارون کو میڈیسن دے کر سلا دیں گی۔ اماں سائیں اور ممتاز بیگم نے اس قدر اصرار کیا کہ اسے مانتے ہی بنی۔

شدید گرمی کی وجہ سے رات نو بجے کا فنکشن تھا ۔ لویزا کو تیار کرنے خاص پارلر والی بلائی گئی تھی۔ جوڑا بھی اماں سائیں نے نکالا تھا۔ شاکنگ پنک ییلو اور گرین امتزاج کی کامدار فراک جسے دیکھ لویزا کی آنکھیں پھیل گئیں

اماں سائیں میری شادی نہیں ہے،،

ارے ہٹ، اتنا بھی کوئی دلہن والا نہیں ہے اب سرپنچ کی بیوی ہو، سر جھاڑ منہ پھاڑ تھوڑی جاؤ گی شادی میں،،

اور پھر اس کے نا نا کرتے کرتے اماں سائیں نے اپنے خوب ہی ارمان نکالے پوتے کی دلہن سجانے کے۔

زارون بہل گیا تھا۔ وہ جھنجھلائی سی بیٹھی تھی سات بج چکے تھے۔ وہ عجلت میں فل تیار ہو کر کمرے میں داخل ہوا۔ نگاہ سامنے اٹھی تو پلٹنا بھول ہی گئی۔

آج وہ یوں سج دھج کر بلکل تیار پہلے دن سی کھلتا شفاف، مہکتا، نرم و نازک گلاب ہی تو لگ رہی تھی۔

وہ خود بھی تو بلیک شلوار قمیض میں بلیک واسکٹ پہنے بلیک مردانہ چادر کندھوں پر گرائے کسی سلطنت کا شہزادہ لگ رہا تھا۔

اے لو بیگانی شادی میں عبداللہ دیوانہ، چھوٹے سائیں تمھاری شادی نہیں ہے آج،،

اماں سائیں کی کراری سی چھیڑتی آواز سنائی دی تو وہ ہوش کی دنیا میں واپس لوٹا۔ اور خجل سا ہوا۔ جبکہ لویزا کانوں تک سرخ ہوئی۔

ٹائم ہو گیا ہے،، چلیں،، وہ اس سے مخاطب ہوا۔

اس نے اٹھ کر چادر اوڑھی۔ اماں سائیں اور ممتاز بیگم نے ان کی ڈھیروں بلائیں لیں اور نظر اتاری۔

تب انھیں دعاؤں تلے رخصت کیا تھا۔

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

میر ہادی خود ڈرائیو کر رہا تھا۔ پہلو میں بیٹھی اپنی رگِ جاں کو دیکھا جو لاتعلق سی بنی بیٹھی اس بات پر ناراض تھی کہ بخت والی بات اسے پہلے کیوں نہیں بتائی گئی تھی۔ میر ہادی نے سرد سی آہ بھری۔

موسم اچانک ہی بدل کر بے حد خوشگوار ہو گیا تھا۔ گھرے بادل چھا گئے۔ سب سے پہلے وہ درگاہ آئے تھے۔ فاتحہ خوانی کر کے چادر چڑھائی گئی۔ نذر و نیاز بانٹ کر وہ شادی کے لئے نکلے۔

شادی میں چوہدری کی حویلی میں ان کا شاندار استقبال کیا گیا۔ لویزا خواتین کی جانب چلی گئی۔ گھر کی خواتین بہت ملنسار اور خوش اخلاق تھیں کہ اسے زرا بھی اجنبیت کا احساس نا ہونے دیا۔

لویزا نے بے تحاشا انجوائے کیا کچھ موسم بہت خوشگوار تھا۔

رخصتی کے وقت سب کی آنکھیں نم ہوئیں تھیں۔ فنکشن اختتام پزیر ہوا تو میر ہادی نے واپسی کی اجازت چاہی کہ رات کے گیارہ بج چکے تھے۔

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

ناراض ہو،،؟ واپسی پر گاڑی میں گھرے سکوت کو میر ہادی کی بھاری آواز نے توڑا۔

باہر ہلکی ہلکی بوندا باندی شروع ہو چکی تھی۔

آپ نے مجھے بخت کی بات پہلے کیوں نہیں بتائی،،

تمھیں تنگ کرنے کے لئے،، سکون سے مسکراتے کہا گیا۔ حسب معمول وہ بھنائی۔

آپ جانتے ہیں آپ کتنے برے ہیں،، منہ بنایا۔

اتنا بھی نہیں ہوں جتنا تم سمجھتی ہو،، ناچاہتے ہوئے بھی شکوہ لبوں سے پھسلا۔

لویزا کے دل کو کچھ ہوا۔ جیسے لب سل گئے۔

صلح نہیں ہو سکتی،، میر ہادی نے پہل کی۔

سوچوں گی،، احسان کیا گیا۔

ابھی وہ کچھ اور بولتی کہ ایک خاص مقام پر سوچی سمجھی پلاننگ کے مطابق گاڑی کے ٹائروں پر فائرنگ کی گئی تھی۔ فضا گولیوں کی تڑاتڑاہٹ سے گونجی تو لویزا ہلکی سی چیخ مار کر ہادی کے بازو سے لپٹی۔ گاڑی نے ہچکولے کھائے۔

فائرنگ کرنے والے میر ہادی کی گاڑی ناکارہ کر کے فرار ہو چکے تھے۔

لویزا اسے گاڑی نکلنے نہیں دے رہی تھی۔ مگر حوصلہ نہیں ہارنا چاہتی تھی۔

لیزا کالم ڈاؤن یار کچھ نہیں ہوا ہے،،

وہ نرمی سے اسے لئے گاڑی سے نکلا۔ گاڑی ناکارہ ہو چکی تھی۔ اس نے حویلی فون کرنے کی کوشش کی۔ مگر ایسا ہوا کہ کسی سے بھی رابطہ نا ہو سکا۔

وہ اچھی طرح سمجھ چکا تھا حویلی والوں کی کار گزاریاں۔ کوئی بچہ تو نہیں تھا ایسے کیسے ہو سکتا تھا کہ ایک وقت میں کسی سے بھی رابطہ نا ہو سکے۔

آثار طوفانی رات کے تھے۔ اسے جلد کچھ سوچنا تھا۔ اندھیری طوفانی رات، اور ہر طرف کھیت سناٹا اور ہو کا عالم، لویزا خوفزدہ ہو رہی تھی۔ دور کھیتوں کے پار ایک چھوٹا سا اکلوتا گھر نظر آ رہا تھا۔

چلو لیزا،، میر ہادی اسے تیزی سے لیے اس گھر کی جانب گیا۔ رات کے بارہ بج چکے تھے۔

دروازہ کھٹکھٹانے پر تیسری چوتھی دستک پر لکڑی کا دروازہ کھول دیا گیا۔

میر ہادی نے اپنا تعارف کروایا۔ تو وہ تو اپنے سرپنچ جی کو اپنے دروازے پر دیکھ نہال ہی ہو گئے۔

انھیں اندر لے جایا گیا۔

کیا خدمت کی جائے آپ کی چھوٹے سائیں،،؟ وہ ان کے سامنے بچھ بچھ گئے۔

شادی سے کھانا وانا سب کھا کہ آئے ہیں بس اب تو آرام کرنا ہے، صبح کو دیں گے خدمت کا موقع، فی الحال آرام کریں گے،، میر ہادی نے احترام سے کہا۔

معاف کیجیے گا چھوٹے سائیں،، ہم غریب لوگ، اپنے استعمال کے لیے بس دو کمرے ہیں ایک میں ماں باپ آرام کر رہے ہیں دوسرے میں ہم اور بچے، آپ کے شایان شان تو نہیں ہوگا پر گودام میں جگہ بنا دیں گے ہم،، کسان نے ہاتھ جوڑے۔

وہ دونوں شرمندہ ہوئے اور میر ہادی نے ان کے ہاتھ تھامے۔

پلیز، شرمندہ مت کریں، ہم مینج کر لیں گے،، آپ بس ادھر ہی بندوبست کر دیں۔ میر ہادی نے کہا تو کسان نے جلدی سے جیسے تیسے ان کے آرام کا انتظام کیا۔ وہ بہت ملنسار تھے۔ کافی دیر باتیں کرتے رہے۔

ہلکی بارش موسلادھار بارش میں بدل چکی تھی۔ آخر سب آرام کرنے کے لئے اپنے ٹھکانے لگے۔

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

سب سے پہلے لویزا اس گودام میں داخل ہوئی تھی۔ اندر داخل ہو کر لویزا نے چاروں جانب نگاہ گھمائی تو خوف سے چودہ طبق روشن ہوئے تھے۔
کچی مٹی سے لیپا گیا کمرہ جس میں گندم اور چاولوں کی بوریاں رکھیں ہوئیں تھیں۔ ملگجا اندھیرا۔ مٹی کی دیوار میں بنے ایک طاق میں ایک دیا کمرے کے اندھیرے کو کم کرنے کی ناکام سی کوشش کر رہا تھا۔
چھوٹے سے کمرے کے بیچوں بیچ رکھی ایک درمیانے سائز کی چارپائی جس پر چھوٹے سائیں کے اعزاز میں نیا گدا، نیا تکیہ اور نئی چادر ضرور بچھائی گئی تھی۔
لکڑی کا دروازہ، اور ایک چھوٹی سی لکڑی کی کھڑکی جو باہر کے سخت طوفان، آندھی اور موسلا دھار بارش کے اثرات کو اندر موجود لوگوں تک روکنے کے لئے ناکافی تھی۔

آج رات ہی اتنی آندھی اور طوفان تھا اور آج ہی یہ حادثہ ہونا تھا۔

میر ہادی اندر داخل ہو کر دروازے کی کنڈی لگا چکا تھا۔ تیز ہوا سے لکڑی کا دروازہ اور کھڑکی دھڑدھڑا رہے تھے۔ ایک چارپائی دیکھ لویزا تذبذب کا شکار ادھر دروازے کے پاس ہی جمی کھڑی تھی۔

لیٹ جاؤ ایلو،،، میر ہادی نے سنجیدگی سے کہا۔

اور آپ،، لویزا رخ پھیر کر جھجھکتے پوچھ بیٹھی۔

میں مینج کر لوں گا،، اتنے ہی سکون سے کہتے اپنی گیلی ہوئی واسکٹ اتار کر ایک سائیڈ رکھی اور ایک بوری پر نیم دراز ہو کر کچی دیوار سے ٹیک لگا کر آنکھیں سکون سے موند لیں۔ تاکہ وہ سکون سے چارپائی پر لیٹ جائے۔

لویزا آہستگی سے چارپائی پر لیٹی اور چادر اوڑھ لی۔ آنکھیں بند کیں، کروٹ پر کروٹ بدلی۔ باہر زور سے بادل گرجا اور بارش کے برسنے میں مزید شدت آئی۔ دو سینوں میں بھی محبت کے ٹھاٹھے مارتے سمندر میں طغیانی آ رہی تھی۔

چین کسے تھا۔ جھنجھلا کر اٹھی۔

آپ ادھر چارپائی پر آ جائیں وہاں کیسے لیٹیں گے،، مصنوعی بیزاری طاری کرتے کہا۔

ہادی نے آنکھیں کھول کر سنجیدگی سے اسے دیکھا۔ اور چپ چاپ اٹھ کر چارپائی پر چلا آیا۔ وہ ایک کونے میں سمٹ گئی۔ میر ہادی بھی آرام سے لیٹ گیا۔ نیند کس کمبخت کو آنی تھی۔ پہلو میں موجود اس نرم و گداز وجود نے رگ و پے میں شعلے سے بھڑکائے۔

میر ہادی نے اپنا بازو اپنی آنکھوں پر رکھا۔

اپنے پہلو کے قریب سے اٹھتی مہک نے پھر لیزا کو ان کمفرٹیبل سا کیا۔ لویزا اس سے دور ہونے کے چکر میں اس کی جانب پشت کر کے بلکل چارپائی کے کنارے سے لگ گئی۔

ریلیکس ہو کر لیٹو، ایلو جان کچھ نہیں کہوں گا،، اتنے پرفسوں ماحول نے اس گھمبیر بھاری آواز نے لیزا کے سینے میں اس کی سانس اٹکائی۔

کیسے یقین کروں آپ کی بات کا،؟ تب کیا ہوا تھا؟ خفیف سے طنز کے ساتھ وہ شکوہ کرنے سے باز نہیں آئی۔

تب محبت نے بے چین ہو کر رسوا کیا تھا مجھے، اگر وہ خطا معاف کر سکتی ہو تو احسان ہوگا ناچیز پر،، اس نے اپنا جرم قبول کرتے معافی بھی مانگی۔

اب کیسے صبر آئے گا،، وہ پوچھ بیٹھی۔

تین سال کیا ہے، صبر کی بھٹی میں تپ کر عشق کندن بن چکا ہے، عشق کی راہوں میں اب ثابت قدم پاؤ گی رانا میر ہادی کو،، وہ سکون سے بولا۔

اس کی باتوں نے دل و جاں میں ایک ہچل سی مچائی تھی۔ لیزا نے جھلا کر آنکھیں بند کیں۔ مگر زیادہ دیر آنکھیں بند کر نہیں پائی۔

چیں چیں کی آواز پر آنکھیں کھولیں، یہ بڑے بڑے چوہوں نے اپنے درشن کروائے تو لویزا کی روح فنا ہوئی۔ ہلکی سی چیخ مار کر جھٹکے سے کروٹ بدل کر اس کے سینے میں منہ دیا تھا۔

کیا ہوا ایلو جان،، میر ہادی کی جان لبوں پر آئی۔ نرمی سے اس کے لمبے گھنے سیاہ بالوں میں انگلیاں پھنسا کر پوچھا۔

ہادی،، وہ،، چچ،، چوہے،،

کدھر،،؟ وہ حیران ہوا اور زرا سا اٹھ کر لویزا کی جانب سے بوریوں کے پاس دیکھا۔ واقعی ایک دو چوہے تھے۔ جو رات کے اندھیرے میں اپنی بلوں سے باہر نکل کر اب دندناتے پھر رہے تھے جیسے یہ ان کے روز کا معمول ہو۔

کچھ نہیں کہتے، میں ہوں ناں، میر ہادی نے دونوں ہاتھ اس کی کمر کے گرد حمائل کیے۔

ہادی مم،، مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے،، وہ اٹکتے سانس کے ساتھ بولی۔

مجھے بھی اپنے آپ سے بہت زیادہ ڈر لگ رہا ہے ایلو جان ،، میر ہادی نے بے بسی کی انتہا سے اپنے لب کاٹتے کہا۔ وہ گداز سی گڑیا اس کے سینے سے چپکی اس کے لئے اس گہری طوفانی پرفسوں معنی خیز رات میں ایک امتحان بن چکی تھی۔لویزا خوف کے مارے گہرے گہرے سانس لے رہی تھی۔ جبکہ میر ہادی سانس بھی نہیں لے پا رہا تھا تبھی ہادی نے کروٹ بدلی۔ لویزا تکیے سے لگی۔ میر ہادی کچھ دیر کے لئے اس پر حاوی ہوا تھا۔

سو جاؤ، ایلو جان، اب اتنا بھی نا آزماؤ کہ اس دیوانے کی جان ہی نکل جائے، وہ بے بسی سے کہتا پیچھے ہٹ کر چارپائی سے ہی اٹھنے کا ارادہ رکھتا تھا۔

جب لیزا نے بے حد بے چین ہو کر اس کی کمر کے گرد سختی سے بازو حمائل کر کے اس کے کشادہ سینے میں منہ چھپا لیا۔

میر ہادی لویزا کے اس عمل پر بے تحاشا حیران ہوا تھا۔ نرمی سے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیریں۔

ہیے لیزا، پلیز یار مت ڈرو ،، جان لو گی کیا،،،، میر ہادی کے الفاظ نے منہ میں ہی دم توڑا تھا جب اپنی چن پر ایک ملائم و گداز سا لمس محسوس ہوا۔ شدید خوشگوار سی حیرت تھی۔ کیونکہ لویزا نے اس کی چن پر اپنے لب رکھے تھے۔۔

پھر میر ہادی نے خود کو روکنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ اب تو وہ خود اپنے آپ کو بھی نہیں روک سکتا تھا۔ جب بے تحاشا بے چین ہو کر وہ گداز سانسیں اپنی دسترس میں لیں۔

لویزا کو لگا اس نے سوئے شیر کو جگا دیا یا صحراؤں میں بھٹکتے کسی پیاسے کو دریا کا پتا بتا دیا۔

ان لمحوں کے دامن میں

پاکیزہ سے رشتے ہیں

کوئی کلمہ محبت کا

دہراتے فرشتے ہیں

خاموش سی ہے زمین ہے حیران سا فلک ہے

ایک نور ہی نور سا آسمان تلک ہے،

نغمے ہی نغمے ہیں جاگتی سوتی فضاؤں میں

حسن ہے سارے اداؤں میں عشق ہے جیسے ہواؤں میں

سمے نے یہ کیا کیا

بدل دی ہے کایا

تمہیں میں نے پا لیا

مجھے تم نے پا لیا

ملے دیکھو ایسے ہے ہم

کے دو سُر ہو جیسے مدھم

For more books 0313-6137393

کوئی زیادہ نا کوئی کم

کیوں ہے یہ آرزو کیوں ہے یہ جستجو
کیوں دل بے چین ہے کیوں دل بےتاب ہے
دن بدلے راتیں بدلیں باتیں بدلیں جینے کے انداز ہی بدلے

چند لمحوں میں ہی وہ اس کے سینے میں اس کی سانس الجھا چکا تھا۔ کمر پر لگنے والے قمیض پر جھٹکے سے میر ہادی نے اس کی سانسیں آزاد کی تھیں۔ مگر پھر گردن پر شدت سے محبت کے پھول بکھیرے۔

میر ہادی کا ہاتھ اس کی کمر کے گرد لپٹا تھا۔ اسے اپنے سینے میں بھینچتے کندھے سے شرٹ کھسکائی تھی۔ اور خود کو اس میں گم کر دیا۔

پرفسوں لمحوں میں پرفسوں سی خاموشی تھی۔ محبت بے چین ہوئی تھی تو روٹھنے والے خود ہی مان گئے تھے۔

ساری رات وقفے وقفے سے بارش برسی تھی۔ یہ برسات یہ طوفانی رات بھی ان کے ملن کی گواہ بن گئی تھی۔

♥♥♥♥♥♥♥♥♥

زرا وصال کے بعد آئینہ تو دیکھ اے دوست
تیرے جمال کی،،،،،،،،،،،،،، دوشیزگی نکھر آئی

لویزا کسان کی بیوی کے پاس بیٹھی رہی۔
اگلا دن بے حد روشن تھا۔ کسان اور اس کی فیملی نے چھوٹے سائیں کی بہت زیادہ آؤ بھگت کی۔ ناشتے میں اصلی گھی کے پراٹھے ساتھ مکھن کا پیڑا اور چائے ، سادگی میں بھی یہ ناشتا کمال کا اور بے حد لذیذ تھا۔
لویزا شرمائی شرمائی سی تھی۔ میر ہادی اس کا یہ روپ دیکھ اپنے دل میں اتارتا رہا۔ لویزا کو زارون کی وجہ سے حویلی واپس جانے کی جلدی تھی۔

تبھی افضل اور گارڈز کسان کے گھر کے باہر پہنچ چکے تھے۔ جیسے انھیں معلوم ہو کہ میر ہادی اور لویزا ادھر ہی ہوں۔ میر ہادی اندر سے باہر نکلا۔ اور افضل کو بری طرح گھورا۔

کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ رات میرا فون اگنور کرنے کی گستاخی کیوں کی گئی،،

افضل نے سر جھکایا ہوا تھا۔ "اماں سائیں کا حکم تھا چھوٹے سائیں،، افضل اپنی ہنسی کنٹرول کرنے کی تگ ودو میں بے حال ہوا۔

میر ہادی نے اندر جا کر کسان اور ان کی فیملی سے رخصت ہونے کی اجازت چاہی۔

افضل تحفوں تحائف کا ایک انبار لایا تھا کسان کے خاندان کے لئے جو کے اماں سائیں کی جانب سے بھجوایا گیا تھا۔

ان سب سے دعا سلام کے بعد لویزا گاڑی میں آ کر بیٹھی۔ وہ خواہ مخواہ ہی رانا میر ہادی سے نگاہیں چرا رہی تھی۔ میر ہادی اس کے پہلو میں آ کر بیٹھا۔

زارون کیا کر رہا تھا افضل کاکا،، لویزا نے بے چینی سے پوچھا کچھ ایک شخص کی خود پر پڑتی گہری نگاہوں نے سکون سے بیٹھنا دوبھر کر رکھا تھا۔

وہ بلکل ٹھیک تھے، اور چھوٹی بیگم کے ساتھ تھے، بلکہ آج تو کھیلے بھی تھے زارون بابا،، افضل نے تفصیل بتائی۔

اوں ہوں،، پھر تو فارم ہاؤس چلو افضل، مجھے کچھ ضروری کام ہے، رانا میر ہادی کے شوشے پر لویزا کی سانس خشک ہو گئی۔

افضل کاکا پہلے مجھے حویلی ڈراپ،،، لویزا کے الفاظ منہ ہی دم توڑ گئے تھے جب چادر کے نیچے سے کمر رانا میر ہادی کے ہاتھ کی پرتشدد سی گرفت میں آئی تھی جس کا مطلب تھا کہ رانا لویزا میر ہادی چپ چاپ بیٹھی رہو۔ نہیں تو،

لویزا نے بری طرح اپنے لب کاٹے۔ مگر خاموش ہی بیٹھی رہی۔ اب اس جن سے کون الجھتا۔

گاڑی فارم ہاؤس کے پورچ میں جھٹکے سے رکی تھی۔ میر ہادی اس کا ہاتھ تھام کر نیچے اترا تھا۔ اسے لئے اندر کی جانب گیا۔

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

وہ ایک چھوٹے سے مگر انتہائی خوبصورت کاٹیج کے سامنے کھڑی تھی۔ وہ بے اختیاری میں ہی گاڑی سے اتر کر کب سے اس گھر کو دیکھے کا رہی تھی۔

کیا ہوا میری جان کیا دیکھ رہی ہو،؟ افراسیاب نے اس کے کے گرد بازو کا حصار قائم کرتے پوچھا۔

کچھ نہیں،، بخت چونک کر اپنے خیال سے باہر آئی تھی۔

چلیں،، سیاب نے مسکراتے پوچھا۔

جی،، اس نے شرماتے کہا۔

دونوں اندر آئے تو بختاور کے ہوش ہی اڑ گئے،، اندر تو اس نے خوابوں کا ایک جہان قائم کر رکھا تھا۔ مکمل طور پر بخت کی پسند ڈھلا وہ کاٹیج جس میں چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی اس کی پسند کی تھی اور درودیوار اس کی بچپن سے لے کر اب تک کی تصویریں سے سجے تھے۔

وہ مبہوت سی پل پل سیاب کے اسے اتنا خاص فیل کرواتے بے تحاشا خوش تھی۔ پورا کاٹیج تازہ پھولوں سے سجا ہوا تھا۔

سیاب یہ سب آپ نے کب کیا،،؟ اس نے حیرت سے پوچھا۔

دوستوں سے کروایا،، وہ اس کی سادگی پر مسکرایا۔

آپ بہت اچھے ہیں سیاب،، وہ لاڈ سے اس کے بازو سے لگی۔

باتوں سے نہیں عمل سے بتاؤ کے کتنا اچھا ہوں،، اس نے دانتوں تلے لب دبایا۔

کیا مطلب،، وہ چونکی۔

سمجھاتا ہوں ابھی، وہ جو باکس پڑا ہے اسے اٹھاؤ، اس میں جو ڈریس ہے، وہ پہن کر اچھا سا تیار ہو کر باہر آؤ میں اتنا کچھ کھانے پینے کا بندوبست کرتا ہوں،، وہ ہاتھ ملتا سکون سے بولتے کچن میں چلا گیا۔

بخت مسکراتی شرماتی باکس اٹھا کر اندر چلی گئی۔ پیچ کلر میکسی تھی جو سلور نگینوں سے مزید تھیں۔ بختاور اسے پہن کر دل سے تیار ہوئی آئینے میں دیکھ کر خود ہی شرماتے ہوئے اپنے ہاتھوں سے اپنا چہرہ چھپا گئی۔

افففففف باہر کیسے جاؤں، مر ہی ناں جاؤں،، بخت نے دانتوں تلے انگلی چبائی۔ اس کے آواز دینے پر ایک فٹ اوپر اچھلی۔

وہ کافی دیر سے ٹیبل سیٹ کر کے اس کا انتظار کر رہا تھا۔ آخر خود ہی تشویش زدہ سا ہو کر کمرے کے دروازے تک آیا۔

سوئیٹ ہارٹ، آجاؤ باہر یا میں اندر آؤں،، سیاب نے چھیڑا۔

بخت جھجھکتے شرماتے انگلیاں مروڑتے باہر آئی۔ وہ کافی دیر اسے سر تا پا دیکھتا آنکھوں کے رستے دل میں اتارتا رہا۔

کک،،، کیا دیکھ رہے ہیں سیاب،، بخت اس کی نگاہوں کی حدت کی تاب نا لاتی ہکلا ہی گئی۔

دیکھ رہا ہوں اتنی بھی بڑھی نہیں ہوئی تم،، وہ جو کوئی تعریف سے بھرپور جملہ سننے کی منتظر تھی حیرت سے آنکھیں پھیل گئیں بھنا کر کمرے میں جانے لگی۔ جب اس کا ہاتھ سیاب کی گرفت میں آیا تھا۔ اس کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

کدھر میری کمسن کلی، اپنے عاشق نامدار کو چھوڑ کر،، سیاب نے انتہائی لوفرانہ انداز میں اسے کمسن کلی کہا کہ اس کے چہرے نے لہو چھلکایا۔

افراسیاب،، اس نے دانت پیس کر اس کے سینے پر مکے برسائے۔

وہ مسلسل قہقہے لگا کر ہنستے رہا۔ پھر دونوں نے ایک ساتھ کھانا کھایا۔ سیاب نے اسے اپنے ہاتھوں سے کھانا کھلایا۔

دونوں نے خوب باتیں کیں۔ وہ جو سالوں سے ان کہی تھی۔ وہ جو ایک دوسرے سے کہنا چاہتے تھے۔ مگر کہہ نہیں پائے وہ جو دلوں کا بوجھ بن چکیں تھیں اب زبان سے ادا ہو کر خوشبو بن کر آس پاس مہک رہی تھی۔

ایک اور سرپرائز ہے میری جان کے لئے،، افراسیاب نے اس کی چھوٹی سی ناک دبائی۔

وہ کیا سیاب،، بتائیں ناں،، بخت ایکسائٹڈ ہوئی۔

بتائیں کہ دکھائیں،، سیاب نے اسے بازوؤں میں اٹھایا۔

اور اسے ایک الگ سے بنے روم میں لے کر آیا تھا۔ بخت نے روم کی سجاوٹ اور ماحول دیکھا تو تحیر سے آنکھیں پھیل گئیں۔

کمرہ مسہری کی طرح سجایا گیا تھا۔

سیاب ی،، یہ،،

یہ،، یہ،،، یہ،، ہماری گولڈن نائٹ کی تیاری،، افراسیاب نے اس کی ہکلاہٹ کی نقل اتارتے تازہ گلابوں کی لڑیاں ہٹا کر اسے بیڈ پر اتارا اور خود اس کے قریب نیم دراز ہو گیا۔

ایک منٹ نائٹ کہاں سے آ گئی، ابھی تو شام کے چار بجے ہیں ناں،، بخت نے آئبرو اچکائی۔

تو پاکستان میں تو رات کے چار بجے ہیں ناں ہم ہر کام پاکستانی وقت کے مطابق کریں گے،، سیاب نے دانتوں تلے لب دبا کر اس کے مسئلے کا حل پیش کرتے بازو سے تھام کر اسے اپنے قریب تر کیا۔۔

سیاب میرے سر میں بہت درد ہے،، بخت نے بہانہ گھڑا۔ اور دو فنگر سے اپنا ماتھا مسلنے لگی۔

اووووو،،، میلا بے بی کتنااااااا بورنگ بہانہ بنا رہا ہے، سیاب نے اس کے گداز، گال کھینچتے اس کا بہانہ ہوا میں اڑایا۔

تو کیا ہوا؟ جیسا بندہ ویسا بہانہ،، بخت بھی لاپروائی سے بولی۔

واٹ،، تمھیں میں بورنگ لگتا ہوں،، سیاب نے اس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر اسے اپنے سینے پر گرایا۔

اس نے شرارت سے اثبات میں سر ہلایا۔

سیاب نے ایک جھٹکے سے اسے نیچے گرایا اور خود اس پر حاوی ہوا۔

کچھ دن گزرنے دو، میری جان یہ بولا کرے گی کہ آپ تو کنگ آف رومینس ہیں،، وہ آنکھ ونک کرتا اس کی چھوٹی سی ناک چومتا بولا۔

بخت نے اس کی بہکی بہکی نگاہوں سے گھبرا کر اس کے سینے میں منہ دے لیا۔

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

میر ہادی اسے لئے روم میں داخل ہو کر روم لاک کر چکا تھا۔ لویزا کا دل کانوں میں دھڑک رہا تھا۔ لا کر اسے بیڈ پر بٹھایا اور خود اس کے قریب ہی بیٹھ گیا۔ اس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر اسے اپنے پہلو کے ساتھ لگایا۔

تم جانتی ہو ایلو جان رات تم نے کیا کیا؟ اس گھمبیر سی سرگوشی نے لیزا کو دن میں ہی چاند تارے دکھا دیئے تھے۔

وہ پہلو بدل کر رہ گئی۔

مم،، میں نے کک،،، کیا کیا،،، بہت کم مواقع ایسے آتے تھے جب رانا لویزا میر ہادی کی زبان لڑکھڑاتی تھی۔ اور یہ وہی وقت تھا۔ نگاہیں جھکائے وہ کسی مجرم کی طرح اس کے حصار میں بیٹھی تھی۔

تم نے،، میر ہادی نے سوچنے کی اداکاری کی۔ تم نے ایلو جان، رات خود اپنے آپ کو میرے سپرد کر دیا، جانتی ہو نا کہ تم نے ایسا کیا،، مجھے وجہ جاننی ہے تم نے ایسا کیوں کیا،، رانا میر ہادی شاید اپنے الفاظ سے ہی اس کی جان نکالنے کے در پہ تھا۔ تبھی اس سے ایسے سوال کر رہا تھا۔

ہادی حویلی چلیں،، زارون انتظار کر رہا ہوگا،، وہ اب عاجز آ چکی تھی اس بندے کی ہر بے چین حرکت سے۔

سنو ایلو جان، میں چاہتی ہوں کہ اب ہم جب حویلی واپس لوٹیں تو ہمارے دل میں ایک دوسرے کے لئے کوئی بھی کسی بھی قسم کی ناراضگی کوئی شکوہ گلہ نا ہو،، ہم اپنی

زندگی کی یہ شروعات پہلے دن سی خوبصورت کریں، میں اپنے دل کی ہر بات تمھارے ساتھ شئیر کرنا چاہتا ہوں، ان میں سب سے پہلی بات یہ ہے کہ تمھارے بابا نے کسی بھی وجہ سے سوسائیڈ نہیں کی تھی وہ ایک نیچرلی ڈیتھ تھی،، وہ سانس لینے کو رکا۔

میں جانتی ہوں،، لویزا نے آہستگی سے اس کے کندھے پر سر ٹکایا۔ میر ہادی کی رگ و پے میں سکون کی لہر دوڑ گئی۔

وہ سب کچھ بہت اچانک ہوا، شاید پہلے دن سے تم میرے لئے بہت خاص رہی، شاید شروع دن سے وہ محبت تھی جسے میں کچھ اور سمجھتا رہا، میری ضد میری انا، میرے گھمنڈ نے سب خراب کر دیا، اگر یہ سب ہمارے بیچ نا آتا تو شاید میں تمھیں ایسے حاصل کرتا کہ ایک دنیا دیکھتی، میں تمھیں کبھی بھی تمھارے بابا سے الگ نہیں کرنا چاہتا مگر وہ بھی ہو گیا، میں بعد میں بھی سب کچھ ٹھیک کر دینا چاہتا تھا، مگر تمھیں لے کر تمھاری صحت کو لے کر کوئی کمپرومائز نہیں کر پایا ایلو جان، یہ سب شاید ہماری قسمت میں لکھا تھا، یہ سب کچھ یقیناً ایسے ہی ہونا تھا، ائم سوری فار ایوری تھنگ میری جان،،

میر ہادی کی آنکھیں نم ہوئیں تھیں۔

آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں ہادی، یہ سب کچھ ایسے ہی ہونا تھا، جب سے یادآئی میرا دل یہی کہتا تھا کہ میرے بابا خود کشی نہیں کر سکتے، مگر میں آپ سے ناراضگی اور خود ساختہ نفرت میں اتنی اندھی ہو گئی کہ جان بوجھ کر جیسے دل کی سننا ہی نہیں چاہتی تھی، آپ کی وجہ سے میں اپنے بابا کو آخری وقت دیکھ بھی نہیں پائی، بس اس بات کی وجہ سے میں نے اتنے سال آپ کو سزا دی، مگر یہ سب میری قسمت میں تھا، بہت دیر سے سمجھ آئی یہ بات مجھے، مجھے اپنے بابا کے آخری وقت میں ان کے ساتھ نہیں ہونا تھا اگر آپ وجہ نا ہوتے تو شاید کچھ اور ہوتی، قدرت کو یہی منظور تھا، اتنی اچانک ان کی ڈیتھ میں کیسے برداشت کرتی، شاید خود بھی ساتھ ہی مر جاتی، قدرت کو میرا اور جینا منظور تھا تبھی آپ سے وہ سب ہوا،،

وہ اس کے سینے میں منہ دیئے روئے گئی۔ دونوں گزرے ماہ وسال کے شکوے شکایت کرتے اپنا غم غلط کرتے رہے۔

جیسے بارش برسنے کے بعد تمام گرد و غبار دھل جاتا ہے۔ ہر منظر انتہائی صاف و خوبصورت ہو جاتا ہوا۔ اب بھی یہی ہوا تھا، تمام گرد وغبار دھل چکا تھا۔ دل صاف ہوں تو ہی سامنے والے کی نیت کا مثبت پہلو نظر آتا ہے۔

اب کیا ایلو جان حویلی چلنا ہے کہ پھر رات تک طوفان اورچوہوں کا دوبارہ انتظار کرنا ہے،، میر ہادی نے مسکراتے اس قدر شرارت سے کہا کہ وہ بوکھلا کر اس کے بانہوں کے حصار نکلنے کو پر تولنے لگی۔

ویسے ابھی ابھی تو ٹھیک طرح سے صلح ہوئی ہوئی ہے تو طوفان اورچوہوں کا کیا انتظار کرنا، ابھی ہی کچھ شغل میلا لگا لیا جائے،، میر ہادی نے پھر دانتوں تلے لب دباتے اسے چھیڑا تو وہ کانوں تک سرخ ہوئی۔

ہادی، مجھے آپ سے ضروری بات کرنی،،،

کوشش کی تو ہے رات کو یار اب آ جائیں گے زاروں کے بہن بھائی بھی، یہ کوئی بڑا ایشو نہیں ہے نا اتنی ٹینشن کی بات ہے،، میر ہادی نے اس کی بات بیچ میں ہی اچکی۔ وہ اپنیق پرانی ٹون میں واپس آ چکا تھا اور اب لویزا سے اس کی یہ ذومعنی باتیں برداشت کرنا دوبھر ہو رہا تھا۔

پلیز میر ہادی بی سیریس،، وہ روہانسی ہوئی۔

ہاں تو میں مزاق تھوڑی کر رہا ہوں زارون کے ساتھ ساتھ مجھے بھی اب اس کے برادر اور ششٹر چاہیں،، میر ہادی نے پھر شوشا چھوڑا تو لویزا نے اس کے سینے پر مکے برسائے۔ وہ کھکھلا کر ہنس پڑا لویزا مسکرا دی۔

ہادی ڈاکٹرز نے زارون کے بارے میں کیا کہا تھا آپ کو، وہ کب ٹھیک ہوگا اور کیسے اور جو اس کی ٹریٹمنٹ چل رہی ہے اس سے وہ ٹھیک تو ہو جائے گا ناں،، لویزا نے آس بھرے لہجے میں پوچھا تو میر ہادی سنجیدہ ہو گیا۔

زارون کی تین ماہ بعد سرجری ہوگی لیزا، ڈاکٹرز نے مجھے کہا کہ وہ ویک ہے، ابھی ابتدائی سٹیج ہے پھر بھی رسک ہے، ففٹی ففٹی پرسنٹ چانس ہوں گے دونوں طرف کے،، تو میں نے ڈاکٹرز کو سرجری کے لئے پرمیشن دے دی، ابھی جو ٹریٹمنٹ چل رہا ہے وہ اسی سرجری کا ایک حصہ ہے شاید زارون کا مینٹلی اور فزیکلی سٹرونگ اور اس سرجری کے لئے ریڈی کیا جارہا ہو،،

میر ہادی نے کرب آمیز لہجے میں تفصیل بتائی جو کہ لویزا سانس روکے سن رہی تھی۔

بات کے اختتام پر وہ ففٹی پرسنٹ چانس پر آ کر پھوٹ پھوٹ کر روئی تھی۔ میر ہادی نے اسے تسلی دی۔

سٹرونگ بنو، ایلو جان، تم تو میری بریو شیرنی ہو، پلیز، ہمیں سٹرونگ بننا ہی پڑے گا تبھی یہ سب فیس کر پائے گے ہم،، پلیز،،،

میر ہادی نے اس کی پیٹھ تھپتھپائی۔ کافی دیر اسے تسلی دیتا رہا۔

اب چلیں،، میر ہادی نے کہا تو اس نے اثبات میں سر ہلایا۔۔ دونوں ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے ایک نئے سفر کی شرعات کرنے نکلے تھے۔

یہ جانے بغیر کے قسمت میں ابھی کچھ اور امتحان دینے لکھے ہیں۔ ابھی ایک اور آزمائش باقی ہے جو ان کی زندگیاں ہلا کر رکھ دے گی۔ ان کی زندگی ان کے رشتے بکھر جائیں گے ٹوٹ جائے گے۔

تباہ و برباد ہو جائیں گے۔

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

یہ دن کسی انتہائی خوبصورت خواب کی طرح گزرے تھے۔ جیسے کوئی حسین ترین سپنا ہو۔ جس کے فسوں میں کھو کر ایسا محسوس ہو جیسے انسان خود کو جنت نظیر نظاروں میں گھومتا پائے۔

مگر یہ بھی سچ تھا کہ کوئی کھٹکا تھا، کوئی خدشہ جو دل ودماغ کو ستاتا تھا۔

کوئی انہونی ہونے کا ڈر چین نہیں لینے دیتا تھا۔

ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے کوئی بڑا غم، فکر، مصیبت اور پریشانی قریب ترین آنے کو ہے۔

تین ماہ پر لگا کر اڑ گئے تھے۔ ان دونوں نے زارون کے سنگ آئیڈیل دن گزارے تھے۔

اور آج وہ دن تھا جب زارون کی سرجری ہونی تھی۔ وہ اسے لئے لاہور کے بڑے ہاسپٹل میں آئے تھے۔ پاکستان کے بڑے بڑے قابل اور ماہر سرجن ڈاکٹرز، زارون کی سرجری کے لئے موجود تھے۔

وہ ہاسپٹل کے روم میں دونوں زارون کے پاس بیٹھے تھے۔

بابا جانی کا ہونے والا ہے،، ننھی جان خوفزدہ سی تھی۔

ان دونوں نے اپنے حوصلے بڑے بلند کر رکھے تھے کہ جو ان دنوں زارون کے سامنے رونے سے ھریز ہی کہا رکھا۔

کچھ نہیں میرا بچا بس چھوٹی سی سرجری اور پھر میرا بریو بیٹا بلکل ٹھیک،، میر ہادی نے اس کا ماتھا چوما۔ لویزا نے بھی اسے چٹا چٹ چوم ڈالا۔

اور اب راناز کا پورا خاندان، ممتاز بیگم ،ظفر، اجالا اور عالی آپریشن تھیٹر کے بڑی بے چینی سے انتظار کی سولی پر لٹکا تھا قریبا دو گھنٹے ہو چکے تھے زارون کی سرجری جاری تھی۔

میر ہادی اور لویزا کی سانس جیسے تھمی سی ہوئی تھی۔ ڈاکٹرز بھی تو آتے جاتے سہی طرح سے کچھ بتا نہیں رہے تھے کوئی تسلی بخش بات تک نا کر رہے تھے۔

لویزا کا دل بڑے برے طریقے سے دھڑک رہا تھا۔

پچھلے ایک دن سے جانے کیوں خواب میں تصور میں خود کو روتا ہوا بین کرتا ہوا دیکھ رہی تھی۔ مسلسل قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہوئے اور نماز میں بھی اسے بس قبرستان ہی دکھائی دے رہا تھا۔ اب بھی دل کی دھمک کانوں تک سنائی دے رہی تھی۔

قریب ہی رانا میر ہاشم اور میر دراب کندھے جھکائے بے بس سے کھڑے تھے۔

کہاں تھا وہ غرور، وہ طنطنہ جس کے بل بوتے پر دنیا کو اپنے پیروں تلے کچلا کرتے تھے۔ ناخدا بنے وہ اپنے آپ کو دنیا سے بالاتر سمجھنے والے اپنے سے کم حثیت والوں کو جوتوں تلے روندنے والے آج خود بے بسی کی انتہا پر کھڑے تھے کہ اپنی تمام دولت لٹا کر بھی اپنے پوتے کو صحت جیسی نعمت سے نہیں نواز سکتے تھے۔ وہ پانی کی طرح پیسہ بہا کر بھی اپنے پوتے کو نہیں بچا سکتے تھے ہاں اگر جتنی اپنے سے کم لوگوں پر ظلم و جبر کے پہاڑ توڑ کر بددعائیں لیں تھیں اتنی ہی دعائیں لیں ہوتیں تو آج اتنہ مشکل میں نا ہوتے۔

پھر ایک وقت ایسا آیا جب آئی سی یو کے باہر کوریڈورز میں ڈاکٹرز اور نرسز کی بھگدڑ سی مچی تھی۔

ہادی،، لویزا نے ہوائیاں اڑی رنگت کے ساتھ میر ہادی کا بازو دبوچا جو خود لٹھے کی طرح سفید چہرہ لیے وہاں جما کھڑا تھا۔ دل بری طرح دھڑک رہے تھے۔

کچھ ہی دیر بعد ایک ڈاکٹر مایوس سا چہرہ لیے باہر آیا تھا۔

ہم نے بہت کوشش کی مسٹر رانا، لیکن شاید آپ کا بے بی اتنی ہی زندگی لکھوا کر آیا تھا۔ وی آر سوری،،

ڈاکٹر میر ہادی کا کندھا تھپتھپا کر جا چکا تھا۔ وہ گھٹنوں کے بل فرش پر گرا تھا۔ لویزا ہوش و خرد سے بیگانہ فرش پر گر چکی تھی۔ کوریڈور آہوں اور سسکیوں سے گونج اٹھا تھا۔ جیسے قیامتِ صغرا برپا ہوئی ہو۔ ۔بے یقینی سی بے یقینی تھی۔ وہ ننھا فرشتہ دنیا کی تکلیفوں سے آزاد ہو کر اپنے کہے کے مطابق اللہ تعالیٰ کے پاس جا چکا تھا۔

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

چھٹّی نا کوئی سندیس

جانے وہ کون سا دیس

جہاں تم چلے گئے

اس دل کو لگا کر ٹھیس
جانے کو وہ کونسا دیس
جہاں تم چلے گئے

ایک آہ بھری ہوگی
ہم نے نا سنی ہوگی
جاتے جاتے تم نے
آواز تو دی ہوگی

ہر وقت یہی ہے غم
اس وقت کہاں تھے ہم
کہ جب تم چلے گئے

آج حویلی میں ایک قیامت سی برپا تھی۔۔ ہر دل غم سے نڈھال تھا ہر آنکھ اشک بار۔

کچھ لوگوں کا دل دہلا دینے والے رانا لویزا میر ہادی کے بین پوری حویلی کے درودیوار ہلا رہے تھے۔

کفن میں لپٹا وہ ننھا سا فرشتہ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے ایک مہربان سی مسکان لیے سو رہا ہے ۔ چہرے پر یوں آسودگی چھائی تھی جیسے جنت کی حوریں اسے مختلف چیزوں سے بہلا بہلا کر اپنے پاس بلا رہی ہوں۔

لویزا اس کے چہرے پر جھکی ہوئی تھی۔

زارون،، مائی لٹل پرنس،، مما بہت گندی ہے ناں،، اپنے پرنس کا خیال نہیں رکھ پائی، آئی پرامس اب بہت زیادہ والا خیال رکھے گی مما،، میرے پاس آؤ ،،،مت جاؤ ناں،،

زارون،،،

زارون،،،،،،

زارون،،،،،،

میرا پیارا بچہ،، میرا شہزادہ، میرا شونا،،

ایک مرتبہ مجھے مما بولو میرے بچے ،،،،

زارون،،،،،،

مردان خانے میں ٹھنڈے فرش پر سر جھکائے نڈھال سا بیٹھا میر ہادی اس کے یہ بین سن رہا۔

آنکھیں لہو چھلکا رہی تھیں۔ ایک شوہر کے سامنے ایک باپ نے بری طرح شکست کھائی تھی۔ وقت سوکھی ریت کی طرح مٹھی سے پھسلا تھا۔ وہ اگر اتنی ہی عمر لکھوا کر لایا تھا تو اس وقت میں اس کا باپ اس کے پاس نہیں تھا۔ جب اس کے بچے کو اس کی سخت ضرورت تھی۔ وہ اسے بلاتا رہا پکارتا رہا مگر وہ لوٹ کر نہیں آیا

کیوں؟

آخر کیوں؟

اس میں کس کا قصور تھا؟

کون جرم دار تھا،؟

وہ شاید یہاں ہوتا تو ایسا نا ہوتا۔

میر ہادی کا دل کر رہا تھا اپنے وجود کو اپنی ہستی کو بھی مٹا ڈالے۔

جنت کی حوریں اس ننھے سے مہمان کو اپنے جھولے میں ڈالے لے جا چکیں تھیں۔
جنازہ اٹھا تو بین، آہیں اور سسکیاں یوں گونجیں جیسے صورہ اسرافیل پھونک دیا گیا تھا۔
اس ننھے سے پھول کا بوجھ بھی میر ہادی کو یوں محسوس ہوا جیسے اپنے کندھے پر اپنی کل کائنات اٹھا رکھی ہو۔
کاش یہ غم کی گھڑیاں بہت تیزی سے گزر جاتیں۔
مگر یہ پل تو جیسے تھم سے جاتے ہیں ۔ گھڑی کی سوئیاں رک سی جاتی ہیں ۔

♡♡♡♡♡♡♡♡♡

آج زارون کا سوئم تھا۔ وہ نڈھال سا جھکے کندھوں کے ساتھ اپنے کمرے میں داخل ہوا جہاں وہ بیڈ سے لگی گود میں زارون کی چھوٹی ریسنگ کار لیے فرش پر بیٹھی کسی غیر مرئی نقطے کو گھور رہی تھی۔ ملگجا سا حلیہ بکھرے بال، آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے یوں جیسے کوئی جوگن اپنا سب کچھ لٹا کر بیٹھی ہو۔ رو رو کر اب تو آنکھیں بھی خشک ہو چکیں تھیں۔ رگیں دکھنے لگیں تھیں غم سے مگر آنسو اب آ کر نا دے رہے تھے۔

وہ خاموشی سے اندر آیا۔ وارڈروب کھولا اس میں سے اپنے کپڑے نکال کر بیگ میں رکھے۔

وہ خاموشی اور غائب دماغی سے اسے دیکھ رہی تھی۔

وہ بیگ لیے وہاں سے نکلنے لگا۔ تب اسے ہوش آیا۔

کدھر جا رہے ہیں آپ،،؟ شکستہ سے دھیمے لہجے میں پوچھ بیٹھی۔

ایک باپ نے ایک شوہر سے شکست کھائی تھی،، اسی شوہر کو اب سزا دینے کی باری ہے،، رانا میر ہادی کا لہجہ اتنا سرد اور روکھا تھا کہ لویزا کا دل جیسے گہرائیوں میں ڈوب کر ابھرا۔ یہ بول کر وہ رکا نہیں وہاں سے نکلتا چلا گیا۔

وہ جا رہا تھا اور لویزا کی زبان جیسے تالو سے چپک چکی تھی۔وہ اسے روکنا چاہتی تھی مگر جیسے درد و غم سے پتھرا سی گئی۔ وہ چلا جاتا تو لویزا کے جینے کا تو مقصد ہی نہیں رہ جائے گا۔ کس کے سہارے کس کے آسرے پر جیئے گی۔

رانا لویزا میر ہادی نے جتنی محبت اس شخص سے کی تھی اب اس کے بغیر سانس بھی لینا محال تھا

اولاد کا غم تو پہلے ہی کلیجہ چیر چکا تھا اب وہ اپنے جینے کی وجہ کو بھی پتھر سی بنی خود سے دور جاتے دیکھ رہی تھی--

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

پھر تیرے غم کو چھپانے کا بہانا ڈھونڈھا
پھر کسی قبر پہ جا بیٹھے بڑے بین کیئے

میر ہادی حویلی سے لمبے لمبے ڈگ بھرتہ باہر نکلا تھا۔ اپنی گاڑی تک آ کر گاڑی کا ڈور کھولا۔ لیکن گاڑی میں بیٹھنے کی بجائے ڈور دھاڑ سے بند کیا تھا۔
آنکھوں سے آنسو تواتر سے جاری تھے۔
وہ پھر وہی غلطی دہرانے چلا تھا جو آج سے تین سال پہلے اس نے کی تھی۔ حالات کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر انھیں فیس کرنے کی بجائے، ماں باپ، کا سہارا بن کر ان کے لئے ہر فرض پورا کرنے کی بجائے، اپنی محبت اپنے جینے کی وجہ کا سہارا بننے

کی بجائے بزدلوں کی طرح پیٹھ دکھا کر اس وقت چلا تھا جب اس کے اپنوں کو اس کی سب سے زیادہ ضرورت تھی۔

اسے افسوس در افسوس ہوا۔

نہیں اب وہ یہ غلطی ہر گز نہیں دہرائے گا۔ ہر قیمت پر اپنا ہر فرض نبھا کر اپنے پورے خاندان کو سنبھالے گا۔ اسے سنبھالے گا جو پوری طرح ٹوٹ کر بکھر چکی تھی۔

اس کی ایلو جان، اس کی رگِ جاں میں بسی وہ بہت بری بات غم سے نڈھال ہوئی تھی۔ ہادی کو اس کے زخم زخم وجود پر اپنی احساس و جزبات کا مرحم لگانا تھا۔ میر ہادی کو اس کا بکھرا ٹوٹا وجود اپنی باہوں میں بھر کر سمیٹنا تھا۔ اور اس کے لئے اپنے اندر ہمت مجتمع کرنے کے لئے وہ یہاں کھڑا اپنے اندر کا غبار باہر نکالتا رہا۔

تبھی افضل حواس باختہ سا بھاگا بھاگا اس کے پاس آیا تھا۔

چھوٹے سائیں، لویزا بیگم کو کچھ ہو گیا ہے،، جلدی چلیں، الفاظ تھے کہ صورہ اسرافیل جو افضل نے اس کے کانوں میں پھونکا تھا۔

میر ہادی وہیں بیگ پھینک کر اندر کی جانب بھاگا تھا۔ اپنے روم میں آیا تو وہ فرش پر ہوش و خرد سے بیگانہ پڑی تھی۔ ممتاز بیگم اماں سائیں اور گاؤں کی کچھ بوڑھی خواتین اس کے اوپر جھکیں ہوئیں تھیں۔ کوئی اس کے ہاتھوں کی ہتھیلیاں مسل رہا تھا تو کوئی پیروں کے تلوؤں کی مساج کر رہا تھا۔ وہ دیوانوں کی طرح اس پر آ کر جھکا تھا۔ اس کا سر اپنی گود میں رکھا۔

لیزا،، ویک اپ،، اٹھو پلیز،، لیزا آنکھیں کھولو،، وہ دیوانہ وار اس پر جھکا اس کا چہرہ تھپتھپا کر اسے پکار رہا تھا۔

امی،، ڈاکٹر کو بلائیں، افضل،، ڈاکٹر کو بلاؤ،، وہ دھاڑا۔

فون کر دیا ہے، آتی ہی ہوں گی ڈاکٹر، میر ہادی بہو کو بیڈ پر لٹاؤ،، ممتاز بیگم نے اسے کہا۔

اور آپ لوگ باہر چلیں ہماری بہو کو آرام کی ضرورت ہے ، بہت صدمے دیکھے ہیں بچی نے،، ممتاز بیگم نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

میر ہادی نے اسے بازوؤں میں اٹھا کر بیڈ پر لٹایا۔

اماں سائیں اور ممتاز بیگم خود رو رو کر نڈھال ہو چکیں تھیں اور کافی مرتبہ میڈیسن بھی لے چکیں تھیں۔

اب بھی ڈاکٹر آئی اور لویزا کے چیک اپ کے لئے سب کو کمرے سے باہر نکال دیا۔ میر ہادی ماہی بے آب کی طرح کمرے سے باہر چکر لگا رہا تھا۔

رانا میر ہاشم اور رانا میر دراب مردان خانے میں تھے۔ تعزیت کے لئے آنے والوں کا اب بھی تانتا بندھا ہوا تھا۔ اور خواتین لاؤنج میں فرحین کے پاس تعزیت کے لئے آ رہی تھیں۔۔ کیونکہ ممتاز بیگم اور اماں سائیں تو اندر لویزا کے پاس تھیں۔

بخت ہزار کوشش کے باوجود امریکہ سے واپس نہیں آ پائی تھی۔ سیاب نے بھی بڑی کوشش کی مگر ممکن نا ہو پایا۔

میر ہادی ممتاز بیگم اور اماں سائیں بڑی بے چینی سے کمرے کے باہر ڈاکٹر کا انتظار کر رہیں تھیں۔ جب ڈاکٹر کچھ ہی دیر میں کمرے سے باہر آئیں۔

ڈاکٹر کیا ہوا اسے، میری مسز ٹھیک تو ہے ناں،، میر ہادی بے چینی سے ڈاکٹر کی جانب لپکا جو کہ تذبذب کا شکار لگ رہیں تھیں۔

کیا ہوا ڈاکٹر،، ہماری بہو ٹھیک تو ہے ناں، اے کیا منہ میں دہی جما لی،، اماں سائیں تو پہلے سے پریشان تھیں کچھ ڈاکٹر کی خاموشی پر ہول اٹھے تو ڈاکٹر کو بھی بری طرح جھڑک دیا۔

"وہ میں اس بات پر الجھ رہی تھی کہ اس غم کے موقع پر آپ لوگوں کو اتنی بڑی خوشی کے موقع پر مبارک باد دوں کہ نہیں،،

کیا مطلب ڈاکٹر،، میر ہادی کا دل زور سے دھڑکا۔

شی از اباؤٹ تھری منتھ پریگننٹ،، مگر وہ بہت ویک ہیں مینٹلی اپ سیٹ ہیں، میں نے میڈیسن دے دی ہیں اور انجیکشن بھی لگا دیا ہے مگر آپ کو مشورہ ضرور دوں گی کہ ان کا چیک اپ جلد از جلد کروائے گا، باقی اللہ تعالیٰ سب خیر کرے،،آمین،،

ڈاکٹر کی بات اتنے غم، صدمے، حبس اور گھٹن زدہ ماحول میں ایک خوشگوار ہوا کا جھونکا ثابت ہوئی تھی۔ میر ہادی کی آنکھیں بے اختیار ہی تشکر کے احساس سے نم ہوئیں تھیں۔ اب بس اسے اپنی متاع حیات کو سنبھالنا تھا تبھی وہ اندر روم میں چلا گیا۔

ممتاز بیگم اور اماں سائیں نے ہی ڈاکٹر کو رخصت کیا۔

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

آج زارون کو گئے چالیس دن ہو چکے تھے۔ خوشی کی یہ خبر حویلی والوں کے لئے زندگی کی ایک نئی کرن آس امید کی نئی نوید لے کر آئی تھی۔

اب تو رانا میر ہاشم اور رانا میر دراب کی بھی اکڑ و غرور اب تو کہیں جا سویا تھا اس کی جگہ عاجزی و انکساری نے لے لی تھی۔ اب تو وہ اپنی جمع کی گئی دولت ہر غریب اور ضرورت مند کو دیتے دکھائی بھی نہیں دے رہے تھے۔

بالا ہی بالا میر ہادی کو معلوم ہوا تھا کہ اسے کے والد اور دادا اب ضرورت مندوں کو نوازنے لگے تھے۔

اب سب کچھ ٹھیک تھا میر ہادی کو حویلی کی جانب سے تسلی تھی۔ مگر رانا لویزا میر ہادی ٹھیک نہیں تھی۔ ہر وقت کھوئی کھوئی رہتی۔ گھنٹوں ایک جگہ بیٹھ کر کسی چیز کو گھورتی رہتی۔ کسی بھی بات کے جواب میں بس ہوں ہاں میں ہی جواب دیتی۔ کھانا پینا بھی بس برائے نام تھا۔ پہلے تو ہادی کو لگا کہ زارون کا صدمہ ہے وقت کے ساتھ ساتھ سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ مگر جب زارون کے چہلم کے بعد بھی کچھ خاص فعق نہیں پڑا تو وہ تشویش میں مبتلا ضرور ہوا تھا۔

تبھی آج ہر کام چھوڑ چھاڑ وہ سے لاہور ڈاکٹر حفیظ کے پاس لایا تھا ۔ کیونکہ وہ جانتا تھا لویزا کو جو بھی پرابلم ہے مینٹلی ہی ہے۔

ڈاکٹر نے اس کا مکمل چیک اپ کیا۔

میر ہادی نے تمام صورت حال ڈاکٹر کے گوش گزار کر دی۔

ڈاکٹر حفیظ نے لویزا سے کافی باتیں کیں۔ ڈھیروں سوال جواب کیے۔ ایک طرح سے اس کی کاؤنسلنگ کی۔

رانا لویزا میر ہادی آپ کے بیٹے کی ڈیتھ اللہ تعالیٰ کا حکم تھی، اس کی زندگی اتنی ہی تھی تو آپ اس بیماری کو اور اپنے بے بی کی موت کا زمہ دار خود کو کیوں سمجھتی ہیں،،

کیونکہ میں نے شروع دن سے ہی ناشکری کی ڈاکٹر، وہ میری کوکھ میں تھا تب میں نے اپنے مرنے کی دعا کی حق کے اس کے بھی، میں نہیں چاہتی تھی وہ پیدا ہو، میں اسے اپنے باپ کے قاتل کا بچہ کہتی رہی اس وقت،، اسی لئے اس سب کی زمہ دار میں ہوں، یہ سب میری ناشکری کا نتیجہ ہے،،

وہ کھوئی کھوئی سی کہتی بتائے گئی آنسو لڑیوں کی صورت آنکھوں سے بہے۔ پاس بیٹھے میر ہادی نے درد و اذیت کی انتہا سے پہلو بدلا۔ وہ جانے اس عرصے میں اپنے دماغ میں کیا کیا خرافات پالتی رہی تھی۔

غلط بلکل غلط،، اللہ تعالیٰ اب جو آپ کو دوبارہ اس عظیم الشان اولاد جیسی نعمت سے نواز رہا ہے وہ کس کے شکر کا نتیجہ ہے،، ڈاکٹر حفیظ نے اس کی دماغ کی ابتر صورتحال پر افسوس سے سر ہلایا۔

اگر یہ سب آپ کی ناشکری کا نتیجہ ہوتا تو وہ پیدائش کے دوران ہی فوت ہو جاتا، اس وقت آپ کو غلط فہمی تھی کہ وہ ایک قاتل کا بیٹا ہے، اللہ تعالیٰ کو نہیں، تبھی وہ جیا، اور پورے تین سال آپ کے پاس رہا، مگر اللہ تعالیٰ کی امانت تھی اس نے واپس لے

لی، اس میں نا تو آپ زمہ دار ہیں نا کوئی اور یہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کا حکم ہوتا ہے جو کوئی انسان کسی صورت ٹال نہیں سکتا رد نہیں کر سکتا،، قرآن مجید میں بھی مومن بندوں کی آزمائش کا زکر ہے کبھی بیٹوں کی صورت کبھی مال کی صورت، اور آپ خوش قسمت ہیں لویزا میر ہادی کے اللہ تعالیٰ نے اس آزمائش کے لئے آپ کو چنا، جانے اللہ تعالیٰ کو کتنی پیاری ہوں آپ،،

ڈاکٹر حفیظ بولتے گئے اور وہ بغور سنتی گئی۔

مگر ڈاکٹر میری وجہ سے وہ اپنے بابا سے دور ہو گیا، اتنے کم عرصے کے لئے ہی سہی جب تک وہ زندہ رہا میری وجہ سے اپنے باپ کے سائے سے محروم رہا،،

لویزا سسک پڑی۔

اس میں بھی تمھاری کم از کم کوئی غلطی نہیں لیزا،، کیوں کہ یہ فیصلہ سراسر میرا اپنا تھا میری جان،،

میر ہادی نے اس کے قریب آ کر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تھا۔ وہ خاموش نگاہوں سے میر ہادی کو دیکھتی رہی۔

میر ہادی ڈاکٹر کے اشارہ کرنے پر اسے باہر بٹھا کر آیا تھا خود اندر کیبن میں آیا۔

ڈاکٹر واٹس رونگ ود ہر، آخر مسئلہ کیا ہے،، میر ہادی بے تحاشا بے چین اور پریشان ہوا تھا۔

آپ کی وائف ان کے بے بی کا صدمہ برداشت نہیں کر پائی ہیں مسٹر رانا،، کچھ تو پہلے دماغی چوٹ کا لگنا، پھر یاداشت کا جانا، یاداشت واپس آ کر گھرے صدمات سے گزرنا، وہ شدید نوعیت کے ڈپریشن میں چلی گئی ہیں،، ان کی گرتی ہوئی صحت، اور سپوئل ہوتی لائف سے بھی انداز نہیں لگا پائے آپ کہ ان کی سچویشن کتنی کریکٹل ہے،،

ڈاکٹر حفیظ نے سنجیدگی سے کہا تو میر ہادی کے پیروں تلے سے زمین کھسکی۔

ڈاکٹر مجھے اس کی سچویشن مت بتائیں، مجھے اس کا حل بتائیں، کہ وہ کیسے اس ٹروما سے باہر آ سکتی ہے، میں اس کی صحت و زندگی کے لئے کچھ بھی کر جاؤں گا کوئی بھی حد پار کر جاؤں گا،، وہ میری زندگی ہے، میرے جینے کی وجہ، اسے کچھ ہو گیا تو میں بھی زندہ نہیں رہ پاؤں گا، پلیز اس کا علاج کیجئے ڈاکٹر،،

ویل، اگر ایسی بات ہے تو وہ انشاءاللہ بہت جلد اس ٹروما سے باہر آ سکتی ہیں، آپ کی کئیر، توجہ اور محبت بہت جلد انھیں اس کنڈیشن سے باہر لا سکتی ہے، کیونکہ اس وقت انھیں بے تحاشا محبت اور توجہ کی ضرورت ہے، ہو سکے تو انھیں آؤٹ آف ٹاؤن لے جائیں، جہاں وہ ریلیکس فیل کریں، کوئی فکر، کوئی یاد انھیں پریشان نا کرے، اور سب سے ضروری اور اہم بات ان کی ہر بات ماننا ان کی کئیر کرنے کا حصہ ہے،

ڈاکٹر حفیظ نے میڈیسنز بھی لکھ کر دیں،، اور بڑی دیر تک میر ہادی سے تمام معاملات ڈسکس کرتے رہے۔ اسے سب باتیں ڈیٹیلز سے سمجھا دیں۔

میر ہادی اسے لئے میر لاج چلا آیا تھا۔

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

رات ڈنر کا وقت تھا وہ لاؤنج میں بیٹھی درو دیوار پر لگی ان پکس کو گھورے جا رہی تھی جو جو ان کے ایک ایک قیمتی پل کی یادیں تھیں۔

ایلو جان،، کیا دیکھ رہی ہو،، میر ہادی جو ابھی ایک بے حد ضروری کام نمٹا کر باہر سے واپس آیا تھا اسے لاؤنج میں بیٹھا دیکھ ادھر ہی چلا آیا۔ قریب بیٹھ کر نرمی سے پوچھا۔

ہادی یہ کب کی پکس ہیں،،، لویزا نے پوچھا تو میر ہادی چونکا۔

ہمارے نکاح سے اگلے دن کی،، میر ہادی نے جواب دیا۔

ہمممم،،، وہ بس اتنا ہی بول کر پھر خاموش ہو گئی۔ پیدائش کے بعد زارون کو لے کر سب سے پہلے میر لاج ہی تو آئی تھی۔ اس گھر کے بھی کونے کونے میں اس کی یادیں بکھری پڑیں تھیں ۔ لویزا کو اپنا دم سا گھٹتا محسوس ہوا۔

چلو کھانا کھائیں ایلو جان،، میر ہادی نے اس کا ہاتھ تھاما۔

نہیں، مجھے کچھ نہیں کھانا، میرا دم گھٹ رہا ہے یہاں میر ہادی مجھے بابا والے گھر جانا ہے، شاید وہاں کچھ سکون مل جائے، ہادی میری وجہ سے آپ نے خود کو سزا دی، اور زارون سے دور ہو گئے تھے، اب میں خود کو سزا دینا چاہتی ہوں، آپ سے دور ہو کر،، میر ہادی میرا دم گھٹ جائے گا،،

وہ پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔ میر ہادی شاکڈ سٹیٹ میں اسے دیکھے گیا۔ اس کی بات ماننا از حد ضروری تھا۔

اوکے میں لے جاتا ہوں بابا کے گھر، پر میرے ساتھ پرامس کرو کہ وہاں ممتاز آنٹی کے ساتھ رہو گی تم، اور دوسرا اپنا ڈھیر سارا خیال رکھو گی پرامس ،، میر ہادی نے اسے سینے سے لگایا اور اس سے وعدہ لینا چاہا اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

اسی وقت میر ہادی تھوڑی سی تیاری کر کے اسے لئے نکلا اور ظفر کو فون کر دیا کہ ممتاز بیگم کو اقبال صاحب والے گھر میں چھوڑ جائیں،

اسے نا چاہتے ہوئے بھی یہ سب کرنا پڑ رہا تھا۔

وہ اس گھر میں داخل ہوئے تو لویزا ممتاز بیگم کے گلے لگ کر پھر رو پڑی۔ میر ہادی نے زبردستی اسے چند نوالے کھانے کے کھلائے جو کہ اس نے بمشکل ہی زہر مار کیے۔ تبھی وہ پھر سے ضد کرنے لگی کہ میر ہادی واپس چلا جائے۔ میر ہادی ممتاز بیگم کو بول کر کہ اس کا کافی سارا خیال رکھے ۔نا چاہتے ہوئے بھی بے بسی کے احساس سے چور ہو کر واپس چلا آیا۔

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

آج دوسرا دن تھا اسے لویزا کو ممتاز بیگم کے پاس اس کے بابا کے گھر چھوڑے۔
مگر اس شام جو اسے وہاں کی رپورٹ ملی میر ہادی کا دماغ گھما دینے کو کافی تھی۔ جب ممتاز بیگم کا فون آیا۔

جی آنٹی خیریت، لویزا تو ٹھیک ہے ناں، اس نے چھوٹتے ہی یہی سوال پوچھا تھا۔
نہیں بیٹا وہ بلکل ٹھیک نہیں، نا وہ ایسے ٹھیک ہو سکتی ہے، تم نے اسے یہ ڈھیل، یہ سپیس دے کر اچھا نہیں کیا، وہ تو بلکل ہی اپنے اپ سے بیگانہ ہو گئی ہے، اجالا بھی آئی تھی اور بہت کوشش کی کہ وہ کچھ کھا پی لے، اور میڈیسن لے لے، مگر ساری کوششیں بیکار گئیں، وہ ہماری نہیں سن رہی اب تم ہی جو کچھ محبت سے کچھ ڈانٹ پھٹکار کر اسے سیدھا کر سکتے ہو اور زندگی کی جانب لا سکتے ہو نہیں تو اس نے تو خود کو تباہ و برباد کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے،،
ممتاز بیگم رو دیں تھیں۔
میر ہادی کے کان سائیں سائیں کرنے لگے تھے۔

آپ فکر مت کریں آنٹی میں آرہا ہوں،، کرتا ہوں اس کا مزاج درست،،

میر ہادی نے دانت پیسے تھے۔ فون رکھا اور فورا گاڑی لے کر نکلا۔

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

شام کا سائے گھرے ہو چلے تھے جب اس کی گاڑی لویزا کے بابا کے گھر کے سامنے رکی، وہ جھٹکے سے اتر کر باہر آیا اور ڈور ناک کیا۔

ممتاز بیگم نے پوچھ کر دروازہ کھولا۔

وہ اندر آیا۔

کدھر ہے وہ آنٹی،،؟ میر ہادی نے سن گلاسز اتار کر ادھر ادھر دیکھا۔

اپنے کمرے میں ہے، بس سارا سارا دن یونہی اپنے کمرے میں پڑی رہتی ہے،،نا کوئی بات کرتی ہے نا کچھ کھاتی پیتی، پتہ نہیں کس کی نظر لگ گئی ہنستی کھیلتی ہماری بچی کو،، ممتاز بیگم رو دیں تھیں۔

آپ بے فکر ہو جائیں، بس کچھ دن میں ہی وہ پہلے جیسی ہو جائے گی، وہ میری زمہ داری ہے، اور اب مجھے اپنی تمام زمہ داریاں اچھے سے نبھانا آتی ہیں، اپ کھانا ٹرے میں لگا کے دیں، اب رانا میر ہادی اپنے طریقے سے اس کے ہوش ٹھکانے لگائے گا،،

میر ہادی نے سکون سا کہا تو ممتاز بیگم نے اس کا ماتھا چوما۔

خوش رہو بچے، اللہ تعالیٰ جلد از جلد اس کی گود پھر سے اولاد جیسی نعمت سے بھر دے،،

وہ بول کر کچن کی جانب چلیں گئیں۔

بند گھر جیسے اوندھا ہوا پڑا تھا۔ کتنی مشکل سے ممتاز بیگم نے اسے پھر سے رہنے کے قابل بنایا تھا صرف اور صرف اس پگلی لڑکی کی خواہش کے احترام میں کہ وہ اپنے بابا کے گھر رہنا چاہتی تھی۔

میر ہادی لاؤنج میں بیٹھا رہا۔ ممتاز بیگم کھانے کی ٹرے بنا کر آئیں اور میر ہادی کو ٹرے تھما دی۔

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

میر ہادی کھانے کی ٹرے لیے آہستگی سے روم میں داخل ہوا۔ وہ واش روم سے فریش ہو کر باہر نکلی تھی۔ دھیان جانے کدھر تھا کہ میر ہادی کی موجودگی تک سے بے خبر تھی۔

ہمیں تھی غرض تم سے اور تمہیں بے غرض ہونا تھا
تمہیں ہی لا دوا ہو کر ہمارا مرض کی دوا ہونا تھا
چلو ہم فرض کرتے ہیں کے تم سے پیار کرتے ہے
مگر اس پیار کو بھی کیا ہمیں پہ فرض ہونا تھا

میر ہادی بڑے غور سے اسے دیکھے گیا۔ وہ سکون سے بیڈ کے پاس پڑے صوفے پر بیٹھا تھا۔ کیا تھا اس کی قسمت میں۔ کبھی وصل کی پرلطف گھڑیاں اور کبھی ہجر کا عذاب۔ کبھی میر ہادی نے اسے خود سے دور کر دیا ۔ کبھی اس نے میر ہادی کو خود سے دور کر دیا۔

مگر پھر بھی رانا میر ہادی کا دل تھا جس میں روشن اس کی محبت کے جلتے دئے کبھی بجھ نہیں پائے تھے۔

ہم نے جگنو جگنو کر کے
تیرے ملنے کے دیپ جلائے ہیں
اکھیوں میں موتی بھر بھر کے
تیرے ہجر میں ہاتھ اٹھائے ہیں
تیرے نام کے حرف کی تسبیح کو
سانسوں کے گلے کا ہار کیا
دنیا بھولی اور صرف تجھے
ہاں صرف تجھے ہی پیار کیا
تم جیت گئے ہم ہارے
ہم ہارے اور تم جیتے
تم جیتے ہو لیکن ہم سا کوئی ہارا نا ہوگا

تو بول کفارا، او یارا بول کفارا کیا ہوگا

وہ بال سلجھاتی اچانک پیچھے مڑی تھی جب نظر سامنے اٹھی اور پلٹنا بھول گئی تھی۔ کتنی محبت کی تھی اس شخص سے، جان و روح میں بسایا تھا اسے۔ اس کی ہر غلطی کے باوجود جب اس نے اپنی ہر غلطی کا کفارا ادا کیا تو لویزا اسے رگ و جاں میں بساتی چلی گئی۔ اس کو اپنی ہر آتی جاتی سانس میں اپنی ہر دھڑکن میں بساتی چلی گئی۔ وہ شاید اتنا اس کے دل و دماغ پر حاوی تھا کہ اسے اکثر تصور میں اپنے اس پاس محسوس ہوتا تھا ۔اب بھی شاید یہ اس کا تصور ہی تھا۔ کہ دل کی دھڑکنوں سے نکل کر وہ اس کے سامنے بڑی شان سے براجمان تھا۔

ہم نے دھڑکن دھڑکن کر کے

دل تیرے دل سے جوڑ لیا

آنکھوں نے آنکھیں پڑھ پڑھ کے

تجھے ورد بنا کے یاد کیا

تجھے پیار کیا تو توہی بتا
ہم نے کیا کوئی جرم کیا
اور جرم کیا ہے تو بھی بتا
یہ جرم کے جرم کی کیا ہے سزا
تمہیں ہم سے بڑھ کر دنیا
دنیا تمہیں ہم سے بڑھ کر
ہم کو تم سے بڑھ کر
کوئی جان سے پیارا نا ہوگا
میرے دل کی دل سے توبہ
دل سے توبہ میرے دل کی

لویزا کافی دیر سے ایک جگہ پر کھڑی اسے دیکھے جا رہی تھی۔ جب وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور آہستگی سے چلتا اس کے بے حد قریب چلا آیا۔ لویزا نے ایک لمبی سی سانس کھینچ کر اس شخص کے وجود سے اٹھتی پرفیوم کی دلفریب مہک اپنی روح میں اتاری۔

میر ہادی نے ہاتھ آگے بڑھایا اور اس کی پچھلی گردن کے گرد لپیٹ کر ایک جھٹکے سے اسے اپنے بہت قریب اپنے روبرو کیا۔

واٹ دا ہیل،، رانا لویزا میر ہادی، چاہتی کیا ہو تم آخر، میرے پہلے بے بی کا تو خیال نہیں رکھ پائیں، اب کیا اسے بھی نقصان پہنچانا چاہتی ہو،، الفاظ تھے کہ نشتر جن سے اس شخص نے جان بوجھ کر اس کے زخم زخم وجود کو ایک مرتبہ پھر سے ادھیڑا تھا۔

یہ کک،،، کیا کہہ رہے ہیں،، آ،،، آپ،،، وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھے گئی۔

کیوں جھوٹ بول رہا ہوں میں،، اگر بکواس کر رہا ہوں تو کھانا کیوں نہیں کھا رہیں میڈیسن کیوں نہیں لے رہی ہاں،، میر ہادی نے اسے جھنجھوڑا۔

بلکہ روح تک جھنجھوڑا۔

وہ اسی کے سینے میں منہ دے کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

میر ہادی مم،، میں ایسا،، بب بلکل نہیں چاہتی،، میں اپنے بب،،، بچے کو نقصان، نن،، نہیں پہنچانا چاہتی،،

تو پھر ٹھیک ہے یہ تب ثابت ہوگا جب تم میرے ہاتھوں سے کھانا کھاؤ گی،،

میر ہادی نے نرمی سے اسے بیڈ پر بٹھایا۔ ٹرے سامنے رکھ کر چھوٹے چھوٹے نوالے اسے کھلاتا رہا جنھیں وہ بڑی شرافت سے نگاہیں جھکائے کھاتی رہی۔

واقعی اسے اس نے سپیس دے کر غلطی کی۔ تھوڑا مان، تھوڑی دھونس، تھوڑا غصہ اور ڈھیر ساری محبت اس کا علاج تھی۔ تو وہ اب اسے بلکل اکیلا نہیں چھوڑنے والا تھا۔

وہ کھانا کھا چکی تو میر ہادی نے اسے میڈیسن دی۔

میڈیسن دے کر وہ اس سے کافی دیر باتیں کرتا رہا۔ پھر میر ہادی نے اسے عشاء کی نماز ادا کرنے کے لئے بولا۔ اور خود بھی نماز ادا کر کے آیا۔

لویزا کو واقعی بے تحاشا سکون ملا تھا۔ پھر وہ تینوں ممتاز بیگم کے پاس بیٹھے رہے۔ ظفر اور اسکی بیگم اور بچے بھی چلے آئے تھے تو کافی رونق ہو گئی۔ لیٹ نائٹ تک وہ باتیں کرتے رہے۔ بچوں کی شرارتیں، ایک ہنگامہ سا برپا تھا لویزا کافی دنوں کے بعد مسکراتی نظر آ رہی تھی میر ہادی کو سکون آیا۔

رات کافی ہو چکی تھی۔ ظفر لوگ واپس چلے گئے۔ ممتاز بیگم بھی آرام کی غرض سے اپنے کمرے میں چلیں گئیں۔

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

وہ لویزا کا ہاتھ تھامے کمرے میں آیا تھا۔ پیچھے مڑ کر ڈور لاک کیا۔ اور اپنی شرٹ اتار کر ایک سائیڈ رکھ دی۔

اب،، آ،،، آپ جائیں،، مم،، میں خیال رکھوں گی اپنا،، اب،،، ٹھیک ہوں،،

وہ توڑ توڑ کر لفظ ادا کرتی جھجھکتی بولی تو میر ہادی کے لبوں پر مسکان رینگی۔

آج میں ادھر ہی سوؤں گا کل ہم یہاں سے چلے جائیں گے،، میر ہادی نے کہا تو وہ پہلی بات پر شاکڈ ہوئی اور دوسری بات پر ا لجھی۔

آپ ادھر کیوں سوئیں گے،، وہ انگلیاں چٹخانے لگی۔

کیوں کون روک سکتا ہے مجھے ادھر سونے سے،، وہ بظاہر سنجیدگی سے بولا مگر آنکھوں میں بے حد شرارت کی چمک تھی۔

ہم کک،، کدھر جائیں گے،، اس نے سوال ہی بدل لیا۔

وہ صبح کو ہی بتاؤں گا،، وہ شرٹ لیس اس کے قریب چلا آیا۔ لویزا بے اختیار ہی پیچھے ہٹی۔

آخر پیچھے دیوار سے لگی تو قدم روکنے پڑے۔ وہ دلچسپی سے اسے دیکھے گیا۔ لویزا کے ماتھے پر پسینے کے ننھے قطرے نمودار ہوئے۔ سامنے والے کی نگاہوں میں ہی اتنی تپش تھی کہ وہ سلگ کر رہ گئی۔

مم،، مجھے آرام کرنا ہے،، وہ اس کے پہلو سے بچ کر نکلنے لگی جب میر ہادی کے ہاتھوں نے اسے کندھوں سے تھاما تھا۔ دہکتے لب ماتھے پر رکھے۔ لیزا کو لگا ماتھے پر جلتا انگارا رکھا گیا ہو۔

وہ یونہی اس کے وجود پر اپنی محبت کے پھول بکھیرتا اس کی گردن تک آیا تھا۔

ہا،،،،،،،دی،،، اس کی سانس اکھڑی۔ اتھل پتھل ہوتی سانسوں کے بیچ وہ اس کی شدتیں اپنے وجود پر بمشکل برداشت کر رہی تھی۔ لیزا نے اس کے سینے پر ہاتھ رکھ کر اسے دور کرنا چاہا جب ہمیشہ کی طرح اس نے وہ ہاتھ تھام کر اپنے کندھوں پر رکھے تھے

اور خود اس کے گداز، گلاب کی پنکھڑیوں جیسے لبوں کو اپنے ہونٹوں کی مچلتی گرفت میں لیا تھا۔ ہاتھ کمر کے گرد لپیٹتا وہ اس پر مکمل دسترس حاصل کر گیا۔

کافی دیر وہ خود کو سیراب کرتا رہا تھا جب لیزا کی برداشت کی حد پار ہوئی تو اس کے سینے پر ہاتھ رکھ کر اسے پورا زور لگا کر خود سے دور کیا۔

لویزا سینے پر ہاتھ رکھے گہرے گہرے سانس بھرتی بے قابو ہوتی دھڑکنوں پر قابو پانے کی کوشش کرتی بیڈ پر آ کر لیٹ گئی تھی۔ وہ مسکراتا بیڈ پر آ کر اس کی پشت کے پیچھے اس کے پہلو میں لیٹ گیا تھا۔

کچھ دیر سکون رہا مگر،

لویزا کی سانس اٹکی جب کمر پر میر ہادی کے ہونٹ سفر کرتے محسوس ہوئے۔ پچھلے گلے کی ڈوری کھول کر کندھے سے شرٹ کھسکائی گئی تھی۔ دہکتے لب کندھے پر رکھے تو لویزا کو لگا اس کی روح فنا ہو چلی ہے۔ لویزا نے شیٹ مٹھیوں میں دبوچی تھی۔

ہا،، ہادی،، ی،،،،، یہ،، کک،، کیا کر رہے ہیں آ،،، آپ،، لویزا بمشکل ہی بول پائی تھی۔

کچھ نیا تو نہیں ہے،، سکون سے دیئے گئے جواب نے اس کے چودہ طبق روشن کیے تھے۔ میر ہادی نے اس کا رخ اپنی جانب کیا تھا۔

ہا،، دی،، مم،، میری طبیعت،، ٹھیک نہیں،، لویزا نے اس کے سینے میں منہ دے کر جائے فرار ڈھونڈنی چاہی۔

یہ بہانہ بھی نیا نہیں ہے،، کمر میں ہاتھ ڈال کر اسے خود میں بھینچا۔

ہادی آپ یہاں کرنے کیا آئے تھے،، جھنجھلا کر بولی۔

تمھارے ہوش ٹھکانے لگانے آیا تھا، اور مجھے لگتا ہے میں کامیاب ہوا ہوں،، مگر،،

میر ہادی نے اس کی بولتی بند کی تھی۔ کمفرٹر درست کرتا وہ لائٹ آف کر گیا تھا۔

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

وہ حویلی والوں سے مل کر اسے لئے پھر سے ایبٹ آباد آیا تھا۔

اپنا ہر فرض نبھا رہا تھا ۔ ہر زمہ داری پوری کر رہا تھا۔

ایبٹ آباد کے خوشگوار ماحول، میر ہادی کی محبت، توجہ کیئر نے اس کی طبیعت پر مثبت اثرات مرتب کرنا شروع کر دیئے تھے۔ وہ مسکرانے لگی تھی زندگی کی جانب لوٹنے لگی تھی۔

کچھ اپنے وجود میں پلنے والے دو اور وجودوں کا احساس اس میں زندگی کی ایک نئی لہر دوڑا دیتا تھا۔

وہ تقریباً دو ماہ ایبٹ آباد رہے۔ یہ دن کافی خوشگوار ماحول میں گزرے ۔ پھر وہ اسے لئے حویلی لوٹا تھا۔ جہاں اسے ہتھیلی کا چھالہ بنا کر رکھا گیا۔ ممتاز بیگم اماں سائیں نے اس کا بے تحاشا خیال رکھا۔

میر ہادی کی محبت اور کیئر نے اسے کسی حد تک پچھلا غم بھلانے میں کافی مدد کی تھی۔

وقت کسی کے لئے کب رکتا ہے۔

ڈلیوری کے دن قریب آ رہے تھے۔ جب ایک مرتبہ پھر حویلی میں رونق اور بہار اتر آئی تھی۔ ظفر اور اس کی فیملی ممتاز بیگم، اجالا اور عالی حویلی آئے تھے۔

لویزا کا لاسٹ منتھ تھا ۔ آپریشن کی ڈیٹ قریب ہی تھی۔ وہ سب کے ساتھ لاؤنج میں بیٹھی تھی۔

جب تھکاوٹ سی محسوس ہوئی۔

میں آرام کروں گی اب،، لویزا بول کر آہستگی سے قدم اٹھاتی وہاں سے اٹھی تھی اور اپنے روم کی جانب گئی۔

وہ دیکھ نہیں پائی تھی جب کارپٹ میں پاؤں الجھا اور وہ رپٹ کر گری تھی۔ اس کی دلدوز چیخ پوری حویلی میں گونجی تھی۔

حویلی میں بھگدڑ سی مچ گئی تھی۔مردان خانے میں سے میر ہادی، عالی، ظفر، میر دراب اور میر ہاشم بھی اندر چلے آئے تھے۔

لویزا کو فوراً ہاسپٹل لے جایا گیا تھا۔

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

رخ زندگی نے موڑ لیا کیسا
ہم نے سوچا نہیں تھا کبھی ایسا

ایک مرتبہ پھر زندگی میں وہ موڑ آیا تھا۔ جب اسے اپنی اولاد اور اپنی محبوب بیوی میں سے کسی ایک کو چننا تھا۔

ڈاکٹر پیپر لیے اس کے سامنے کھڑا تھا۔

مسٹر رانا، پلیز جلدی فیصلہ کریں، بلیڈنگ کافی ہو چکی ہے، آپ کو بے بیز اور اپنی وائف میں سے کسی ایک کو چننا ہوگا، بے بیز دو بیٹے ہیں آپ کے،، ڈاکٹر نے بتانا ضروری سمجھا۔

اس نے زخمی نگاہوں سے ڈاکٹر کو دیکھا۔ تبھی اندر سے نرس حواس باختہ سی باہر آئی تھی۔

ڈاکٹر پیشنٹ بہت پینک کر رہی ہیں اور اپنے ہزبینڈ سے ملنا چاہتی ہیں،،

سسٹر نے کہا تو ڈاکٹر چونکا اور میر ہادی کو سر ہلا کر اندر جانے کی اجازت تھی۔

وہ آپریشن تھیٹر میں آیا تھا۔ لویزا کے چہرے پر آکسیجن ماسک تھا اس نے ہاتھ آگے بڑھا کر اسے اپنے قریب بلایا۔ میر ہادی تڑپ کر آگے بڑھا تھا اس کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں تھام کر اس کے اوپر جھکا

لیزا،، میری جان،،

لویزا نے دوسرے ہاتھ سے اپنا آکسیجن ماسک اتارا تھا۔

ہا،، دی،،، آپ کو میری قسم،، بب،، بچوں کو،،، بچا،،

اس کی بات سمجھ کر میر ہادی کی روح کانپ اٹھی تھی۔

شٹ اپ،، رانا لویزا میر ہادی، جسٹ شٹ اپ،، میری بات غور سے سنو، اگر خدا نا کرے یہ موقع زندگی میں سینکڑوں مرتبہ بھی آئے تو میں ہر مرتبہ تمہیں چنوں گا میری جان،، تم ہو تو میں ہوں، تمھارے ہونے سے میرا وجود ہے، ایک پل بھی نہیں جی پاؤں گا تمھارے بغیر سنا تم نے سائن کر چکا ہوں میں،

رانا میر ہادی نے اس کا ماتھا چوما تھا۔ اور نم آنکھیں لیے آئی سی یو سے باہر آ گیا۔

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

رانا میر دراب اور میر ہاشم کب سے سجدے میں گرے اپنے گناہوں کی معافی مانگ رہے تھے۔ اب تو سال ہونے کو تھا انھوں نے اپنا مال و دولت کافی زیادہ مقدار میں حقداروں میں بانٹ چکے تھے۔

جانے کونسی ادا اللہ تعالیٰ کو پسند آجائے۔

جانے کونسا حقدار کو دیا کام آ جائے۔

دکھی دل سے نکلنے والی جانے کونسی دعا کام آجائے۔

تشکر کے احساس سے نکلا جانے کونسا آنسو غموں کے بھڑکتے الاؤ کو ٹھنڈا کر دے۔

ڈاکٹر آپشن تھیٹر سے باہر آئے تھے۔ اور ایک بہت بڑی خوشخبری سنائی تھی۔ اللہ تعالیٰ کے کرم سے ماں اور بچے تینوں محفوظ تھے۔ رانا میر ہادی، رانا میر ہاشم اور رانا میر دراب تینوں نے سجدۂ شکر ادا کیا تھا۔

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

چار سال بعد

ہیپی برتھ ڈے ٹو یو،،

ہیپی برتھ ڈے ٹو یو،،،

ہیپی برتھ ڈے ڈئیر ارحم اینڈ ارحام،

سب کلیپنگ کر کے ان کو وش کر رہے تھے۔ حویلی میں خوشیوں اور پرمسرت رونق کی جیسے بارات اتر آئی تھی۔ جشن کا سماں تھا۔

امریکہ سے بخت اور سیاب بھی تقریب میں شامل ہونے کو آئے تھے جن کی گود میں ایک بیٹا اور ایک بیٹی تھے۔ اجالا عالی، ممتاز بیگم اور طفر کی ساری فیملی،

خوشیوں کی چمک سے چہرے کھلے ہوئے تھے۔

تبھی رانا میر ہادی اپنی دو سال کی ننھی پری کو اٹھائے لویزا کے قریب آیا تھا۔

یہ رو رہی ہے ایلو جان،، بلکل اپنی ممی پر گئی ہے کڑوی جونیئر ایلوویرا کہیں کی،، میر ہادی نے مروش کو چٹا چٹ چومتے لویزا کی گود میں تھمایا جو بلکل اپنی مما کی کاربن کاپی تھی۔

اور وہ دیکھیں کڑوے کریلے کیک کا کیا حشر کیا ہے آپ کی آفتوں نے سب بچوں کے منہ بگاڑ دیئے ہیں،، وہ بھی منہ بنا کر بولی۔

میر ہادی لاونج کا حشر دیکھ کر قہقہہ لگا کر ہنس پڑا تھا۔

حویلی میں خزانوں کے منہ ہر ضرورت مند خاص وعام کے لئے کھول دیئے گئے تھے۔

یہاں سے جتنا ضرورت مندوں کو نوازا جاتا تھا۔ مال و زر میں اتنی ہی برکت پیدا ہو جاتی تھی۔

میر ہادی نے تمام غیر قانونی کام بند کروا دیئے تھے اب حویلی میں رزقِ حلال کی ہی برکت تھی۔

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

بخت سیاب ،اجالا اور عالی، میر ہادی لویزا اور سب بچے آج فارم ہاؤس اور کھیتوں میں گھومنے آئے تھے۔ بخت کا چار سالہ ارشمان اور براؤن آنکھوں والی دو سالہ منزہ حیرت سے پنجاب کے نظارے دیکھ رہے تھے پہلی مرتبہ جو آئے تھے۔

اب وہ فارم ہاؤس میں ہی آرام کر رہے تھے۔

عالی اور اجالا بھی اپنی دونوں پرنسز کے ساتھ اپنی گاڑی میں گھومنے چلے گئے تھے۔

میر ہادی ، لویزا ارحم اور ارحام اپنی گاڑی میں گرین ہاؤس کی جانب آئے تھے۔ جبکہ چھوٹی گڑیا مروش اپنی دادو ممتاز بیگم کے پاس تھی۔

وہ ٹیوب ویل کے پاس آ کر رکے تھے۔

افضل بچوں کو گرین ہاؤس لے جائیں ہم ابھی آتے ہیں،، میر ہادی نے کہا تو افضل بچوں کو گرین ہاؤس لے گیا۔

ہادی اور لویزا ایک دوسرے کا ہاتھ تھام کر گھوم رہے تھے جب لویزا کا پاؤں پھسلا اور گیلی مٹی میں بھر گیا۔ میر ہادی اسے واپس گاڑی تک لایا۔

میر ہادی نے بہت نرمی سے اسے کمر سے تھام کر گاڑی کے بونٹ پر بٹھایا تھا۔ لویزا نے اسے بغور دیکھا۔ بلو جینز کی پینٹ ، لائٹ پنک شرٹ اور اوپر جینز کی بلو جیکٹ پر بلیک سن گلاسز لگائے وہ بھرپور مردانہ وجاہت کا شہکار شخص اب گاڑی میں سے سنیکس والا شاپر خالی کر کے ٹیوب ویل تک گیا شاپر میں پانی بھر کر لایا۔
اور اب گاڑی میں بیٹھی لیزا کے مٹی لگے پاؤں پانی سے دھو رہا تھا۔ آس پاس کھیتوں میں کام کرنے والی خواتین دلچسپی اور حیرت کے ملے جلے تاثرات کے ساتھ اپنے چھوٹے سائیں کو دیکھ رہیں تھیں۔
کیا دیکھ رہی ہو ایلو جان،، میر ہادی نے مسکراتے اس سے پوچھا جبکہ بھرپور توجہ اپنے کام کی جانب تھی۔

''ایک کڑوے کریلے کو دیکھ رہی ہوں جنھوں نے مجھے پیاز ہی سمجھ لیا ہے جن کے بغیر ان کی محبت کا سالن تیار نہیں ہوتا تبھی مجھے بچوں کے ساتھ جانے کی بجائے اپنے پاس روک لیا،،

لویزا جل کر بولی۔ جبکہ میر ہادی اس کی مثال پر قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔

''ہاں سچ بولا پیاز ہی تو ہو تبھی بیچارے باپ بیٹوں کی سختی آئی رہتی ہے رلاتی رہتی ہو،،

میر ہادی نے اسے چھیڑا۔ وہ بھنائی۔

ہادی میں،،،

ہاں ہاں پتا ہے، منہ چوم لو گی میرا،، اب چلو، میری آفتیں انتظار کر رہی ہوں گی،،

ہادی نے اس کی بات کاٹتے پھر اسے کمر سے تھام کر گاڑی سے نیچے اتارا۔ اور اس کا ہاتھ تھام کر کھیتوں سے گزر کر گرین ہاؤس کی جانب قدم بڑھائے جہاں بچے ان کا انتظار کر رہے تھے۔

موسم کافی خوشگوار اور سہانا سا تھا۔ آسمان پر کالے بادل چھائے تھے۔ ٹھنڈی ہوا کے دوش پر لویزا کے گھنے سیاہ بال ہوا سے اڑے۔ سیاہ پیروں تک فراک میں وہ مومی گڑیا اس کے ساتھ ہمقدم ہمیشہ کی طرح اسے بری طرح ڈسٹرب کر گئی تھی۔

میر ہادی نے بلکل اچانک بیچ راستے میں اس کی کمر کے گرد بازو حمائل کر کے اسے اپنے بے حد قریب کیا۔

ی،، کک،، کیا،، ہادی آپ پاگل ہو گئے ہیں،، وہ بری طرح بوکھلائی تھی اس کی اس لوفرانہ حرکت سے۔

پاگل نہیں ہوا کھیت میں چوہا میرا دوست گھوم رہا ہے اس سے بچایا تمھیں،، مہر ہادی نے دانتوں تلے لب دبا کر اسے گلے سے لگایا۔

کک،، کدھر ہادی،،

تمھارے پیچھے پاؤں میں،،

واٹ ہادی مجھے اٹھا لیں پلیز،،، وہ روہانسی ہوئی۔

اندھے کو کیا چاہیۓ دو نین کے مترادف ہادی نے اسے باہوں میں بھر لیا۔

کدھر ہیں چوہا دکھائیں مجھے،، اس نے میر ہادی کی گردن کے گرد بازو حمائل کر کے نیچے دیکھا تو کچھ نہیں تھا جبکہ وہ مسکراتا جھک کر اس کی گال پر اپنے پرحدت لب رکھ چکا تھا۔

لویزا نے کڑے تیور لیے اسے گھورا۔

ہادی وہ باہر آجائیں گے،، وہ دانت پیس کر بولی۔

تبھی وہ دونوں ہاتھ تھامے گرین ہاؤس سے نکل کر باہر آئے تھے۔

ہیے بابا کا ہوا مما کو،، ارحم مما کو یوں بابا کی گود میں دیکھ کر گھبرایا۔

او نو نو،، کچھ نہیں ہوا ، بابا نے پھر شے مما تو ریت (ریٹ) شے ڈرایا ہودا،، ارحام بے حد شرارت سے بولا میر ہادی مسکرایا۔

جبکہ لویزا کانوں تک سرخ ہوئی۔ جھٹپٹا کر میر ہادی کی گود سے نیچے اتری۔

ارحام اور ارحم ہائی فائی کر کے قہقہہ لگا کر ہنس پڑے۔

ان سب نے بہت زیادہ انجوائے کیا اور حویلی واپس آ گئے۔ سارے بچے حویلی کے لاؤنج میں کھیل رہے تھے جبکہ مروش لویزا کی گود سے اتر کر اب چھوٹے چھوٹے پیروں سے چل کر میر ہادی کے ٹانگوں سے لپٹ گئی تھی۔ چھوٹی سی مرچی نے مما کی بجائے سب سے پہلے بابا کہا تھا۔ میر ہادی تو نہال ہو گیا جبکہ لویزا کافی جیلس ہوئی تھی۔

مما، مما،، ارحم اور ارحام دونوں آ کر لویزا کے گلے سے لپٹے تھے۔ میر ہادی اپنی پرنسز کو اٹھائے مسکراتا ان کے قریب چلا آیا۔

پاس ہی سب بیٹھے تھے۔ رانا میر دراب میر ہاشم، اماں سائیں اور ممتاز بیگم بچوں کی چھوٹی چھوٹی شرارتیں دیکھ مسکرا رہے تھے۔

حویلی کے درو دیوار سے شادمانی چھلک رہی تھی۔

کسی بات پر میر ہادی نے لویزا کے

بھیماتھے پر لب رکھ کر اسے چھیڑا۔

آس پاس جیسے زندگی مسکرا اٹھی ہو۔

ختم شد

For more books 0313-6137393